ایک عرب مورخ کی تاریخی یادداشتیں

التنبیہ والاشراف

(سنہ تصنیف ۳۴۵ھ)

ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودی

(المتوفی ۳۴۶ھ)

ترجمہ

مولانا عبداللہ العمادی

ترتیب وحواشی

نصیب اختر ایم۔اے

ناشر

سعید ایچ۔ایم کمپنی

ادب منزل

پاکستان چوک کراچی

مطبوعہ

ایجوکیشنل پریس۔ کراچی

طبع اوّل

اکتوبر ۱۹۶۷ء

قیمت

مشرقی پاکستان آفس

قرآن منزل

بابو بازار ——— ڈھاکہ

حرفِ آغاز

نصیب اختر

"ہم نے (فن تاریخ کے) کسی مصنف کو ایسا نہیں پایا جس نے ہماری طرح اسے حاصل کیا ہو اور ہماری جیسی ترتیب دی ہو۔ اس ذیل میں جس کو دیکھنا ہو تو سلف و خلف کی کتابیں دیکھے جو اس فن میں مانے ہوئے ہیں۔"

(التنبیہ والاشراف ص ۹۹)

مسعودی کے اس دعویٰ کی تصدیق نامورانِ فن تاریخ کی زبانی سنئے :۔

"تاریخ ایک خاص زمانے یا مخصوص قوم کے حالات قلم بند کرنے کا نام ہے۔ مگر اقوام عالم اور زمانہ قدیم کے عام حالات بیان کرنا بھی مورخ کے لئے لابدی و ناگزیر ہے کیونکہ اس پر اس کے اکثر مقاصد کی بنا ہے اور اس کے بیان کردہ اخبار پر مزید روشنی پڑتی ہے ...... مسعودی نے کتاب مروج الذہب میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے اس نے اپنے زمانے (۳۳۲ھ) تک کی تمام عزبی و شرقی اقوام عالم کے حالات بسط و شرح سے لکھے ہیں۔ ان کے مذہب و عادات، ان کے شہروں کے حالات، ان کے پہاڑوں دریاؤں، ممالک و سلطنتوں کی کیفیات معرض بیان میں لایا ہے اور عرب و عجم کو علیحدہ علیحدہ خاندانی شاخوں میں دکھایا ہے۔ اسی لئے اس کو مورخین میں سر بلندی نصیب ہوئی (اور اسی لئے) مورخین اپنی اکثر و بیشتر تحقیقات

کی بنا اس کی تاریخ پر رکھتے ہیں اس کے قول کو ایک اصل اصول
ٹھہراتے ہیں "

(مقدمہ ابن خلدون صـ۶۲)

آٹھویں صدی ہجری کا مورخ اور فلسفۂ تاریخ کا بانی ابن خلدون اپنے اسی سلسلہ بیان میں مسعودی کے طریقہ کار کو سراہتے ہوئے پھر لکھتا ہے :-

" جب اس طرح حالات دنیا نے اپنا رنگ بدلا ...... بلکہ یوں کہئے کہ ایک نیا عالم ظہور میں آیا تو اب جو مورخ دنیا و مخلوقات، قوموں اور ان کی بدلی ہوئی عادات و مذاہب بیان کرنے کے لئے قلم اٹھائے تو وہ اپنے زمانے کے لئے وہی مسعودی جیسا طریقہ اختیار کرے تاکہ اس کا (بیان) آنے والے مورخین کے لئے اصل اصول کا کام دے ...... مسعودی جو اس میدان میں پورا اترا تو وہ (اس وجہ سے) کہ اس نے دور دراز کے شہروں کا سفر کیا جیسا کہ اس نے خود اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے "

(مقدمہ ابن خلدون صـ۶۳)

موجودہ صدی کے مشہور مورخ علامہ شبلی نعمانی نے مصنف کتاب ہٰذا کے محولۂ بالا دعویٰ کی توثیق اور اس کی تصانیف کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے :-

" ابوالحسن علی بن حسین المسعودی المتوفی ۳۴۶ھ فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کا بھی بہت بڑا ماہر تھا اس کی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی حاجت نہ ہوتی لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بدمذاقی سے اکثر تصانیف ناپید ہوگئیں یورپ نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں ایک مروج الذہب اور دوسری التنبیہ والاشراف "

(الفاروق صـ۵۰)

مستشرقین بھی مسعودی کی مدح و ستائش میں خاموش نہیں۔ پروفیسر نکلسن نے اسے 'ہیروڈوٹس ثانی'[1] اور جارج سارٹان[2] نے 'پلینی' کے نام نامی سے نوازا ہے۔
یہ اعزاز، یہ آراء اور خود مسعودی کا دعویٰ بے بنیاد نہیں، اقوام و اقالیم عالم کے حالات مذاہب و عادات اور ان کی جغرافیائی اور طبعی خصوصیات جمع کرنے میں اس نے جس تلاش و جستجو، تحقیق و تدقیق اور جس حسن ترتیب کا مظاہرہ کیا اس کی مثال مسلم مورخین کے نہ صرف دور متقدمین بلکہ دور متاخرین میں بھی (ابن خلدون کو چھوڑ کر) نہیں ملتی۔

---

[1] ہیروڈوٹس (۴۸۵ ق۔م تا ۴۲۵ ق۔م)
تاریخ کا ابوالآبا ہیروڈوٹس ہیلی کارناسس میں پیدا ہوا۔ اُس نے بہت سے ملکوں کی سیاحت کی اور مختلف اقوام کے عادات و اطوار اور رسوم و رواج کا گہرا مطالعہ کیا۔ وہ مصر، شام، فلسطین، عراق اور ترکی وغیرہ میں گھوما پھرا اور وہاں کے تاریخی اور جغرافیائی حالات نہایت احتیاط سے جمع کئے۔ اپنی طویل سیاحت کو ختم کر کے وہ ایتھنز پہنچا۔ وہاں چار سال مقیم رہا۔ بعدہٗ ۴۴۳ ق۔م کے لگ بھگ جنوبی اطالیہ کے شہر تھوری آئی میں منتقل ہو گیا اور وہیں زندگی کے اختتام تک سکونت پذیر رہا۔ اپنے ذاتی مشاہدات و تجربات اور تحقیق و مطالعہ کی بنا پر اُس نے اُس زمانہ کی معلوم دنیا کے جغرافیائی اور تاریخی واقعات و حالات کو ایک ضخیم کتاب میں قلم بند کیا جو ۹ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے بیشتر حصہ میں یونانی اور ایرانی آویزشوں کا تذکرہ ہے۔ اُس کی تاریخ کی اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں وضاحت اور دلکشی کے ساتھ ساتھ ادبی شان موجود ہے وہ پہلا مورخ ہے جس نے تاریخ پر تنقیدی نظر ڈالی ہے۔
ہیروڈوٹس قوموں کے عروج و زوال میں آب و ہوا اور رسوم و رواج کے اثرات کو کافی اہمیت دیتا ہے۔ چنانچہ فوجی اور سیاسی حالات کی کمی کو وہ اہم انسانیاتی اور عمرانی مواد کی فراہمی سے پورا کر دیتا ہے۔ وہ قوموں کی تہذیب میں صنمیات اور روایات و حکایات کو بھی شامل کرتا ہے لیکن اُس کے لئے کوئی مناسب توجیہ بھی کر دیتا ہے۔ وہ تاریخی واقعات کو ماحول سے الگ کر کے نہیں پیش کرتا۔ اسی لئے اُس کی تاریخ میں جغرافیہ معاشی حالات اور رسم و رواج کا کافی عنصر پایا جاتا ہے۔
[2] جارج سارٹان نے اپنی مشہور کتاب "تعارف تاریخ سائنس" میں مسعودی کو اس دور کا پلینی قرار دیا ہے۔ پلینی ایک رومی مورخ تھا (۲۳ء تا ۷۹ء) اس نے کئی تاریخی کتب لکھی تھیں جو اب ناپید ہیں۔ "تاریخ طبعی" میں اس نے علم ہیئت، جغرافیہ، حیاتیات اور معدنیات سے بحث کی ہے۔

متقدمین محض جامع الروایات تھے۔ متاخرین ناقلین محض ـــــــ اس کے برعکس مسعودی اپنے زمانے کی شرق و غرب کی بیشتر اقوام و اقالیم کا شاہد عینی اور مشاہدات کا جامع تھا۔ اس لئے جیساکہ محولہ بیان میں ابن خلدون نے کہا ہے کہ "اسے جو سربلندی نصیب ہوئی" اور "وہ اس میدان میں پورا اُترا تو وہ اسی وجہ سے کہ اس نے دور دراز کے شہروں کا سفر کیا ـــــــ" یہی اس کا طرۂ امتیاز تھا اس کی عمر کا بیشتر حصہ سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے گذرا جبکہ اس کے ہمعصر طبری (المتوفی ۳۱۰ھ) نے جو متقدمین کا علمبردار اور دور متقدمین کا خاتم تھا[۱]، زندگی بھر بغداد سے باہر قدم نہیں نکالا اور تین ہزار صفحات پر مشتمل 'تاریخ الرسل والملوک' بیٹھے بیٹھے ہی مرتب کر دی اور وہ بھی ـــــــ دنیا کی کہانی صرف چند راویوں کی زبانی ـــــــ اس لحاظ سے مسعودی کا یہ فخریہ بیان اور بھرپور طنز بیجا نہیں۔

"جو شخص اپنے گھر سے کبھی نہ نکلا ہو بلکہ اس قدر مبلغ علم پر قانع رہے کہ خود اپنے ملک کی تاریخ کے بارے میں اسے حاصل ہو سکتا ہو وہ ہرگز اس شخص کی برابری نہیں کر سکتا جس نے اپنی عمر بجائے حضر کے سفر میں بسر کی ہو، جس نے ہر طرح کی حیرت اندوز اور گرانمایہ اطلاعات اس کنز مخفی سے بہم پہنچائی ہوں[۲]"

دراصل اسی میں مسعودی کی انفرادیت کا راز مضمر ہے یہی اسے متقدمین اور متاخرین میں منفرد اور ممتاز کرتی ہے بلکہ ان دونوں سے جدا گانہ اپنے مقام کا تعین چاہتی ہے۔ طبری تک دنیا کی قوموں اور ملکوں کی تاریخ روایتی تھی مگر مسعودی نے اپنے دور کی تاریخ کی بنیاد ذاتی مشاہدات پر رکھی اور یہی اس کی انفرادیت کا سبب بن گیا لیکن مشاہدات صرف حال یعنی حیات مصنف تک محدود ہوتے ہیں، اور عرصہ حیات ہوتا ہی کتنا ہے۔ ماضی کے لامتناہی سلسلہ میں بس ایک کڑی کا اضافہ۔ مسعودی کا یہ اضافہ

---

[۱] بعض حضرات مسعودی کو بھی قدماء میں شامل کرتے ہیں لیکن درحقیقت وہ اپنی بعض خصوصیات کی بناء پر متقدمین سے مختلف نظر آتا ہے۔

[۲] ترجمۃ المصنف کتاب ہذا ص ۱۵ غالباً یہ طنز طبری پر ہے اور اگر مسعودی کا روئے سخن اس طرف نہ بھی ہو تو یہ فقرے طبری پر بالکل چست ہوتے ہیں۔

اہم اور گرانقدر ہے مگر تاریخ ماضی اور حال کے مربوط سلسلۂ بیان کا نام ہے۔ اگرچہ مسعودی نے ماضی اور حال دونوں کے متعلق لکھا ہے اور حال کو بنظر خود اور بنظر غائر دیکھا ہے مگر ماضی ـــــ بلکہ ماضی قریب بالخصوص عہد اسلامی کی ڈیڑھ صدی ایسی روایات پر مبنی ہے (بلکہ بعد کی صدیاں بھی) جو محض سینہ بہ سینہ اور نقل در نقل منتقل و مروی ہوتی رہیں اور دوسری صدی ہجری کے نصف اول کے اواخر تک پہنچتے پہنچتے (جس میں تدوین حدیث کے ساتھ تاریخ وسیرت نگاری کا کام شروع ہوا) ان میں نہ معلوم کتنے حقائق افسانے بن گئے اور کتنی افواہیں حقیقت بن گئیں۔ اگرچہ تیسری صدی ہجری کے اختتام تک مسلمانوں نے روایت کو ایک فن بنا دیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ فن رجال ایجاد کر ڈالا تھا مگر زمانہ سازوں اور فسانہ طرازوں کے مخصوص فن کی رفتار ترقی میں بھی کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ ائمہ حدیث نے تو اصول وضوابط کے تحت تدوین حدیث میں کچھ دیکھ بھال بھی کی لیکن ہمارے تاریخ نگار ایسے اللہ والے تھے کہ جہاں سے جو کچھ مل جاتا تھا صبر و شکر کے ساتھ اپنی جھولی میں ڈال لیتے تھے نہ اچھا برُا دیکھتے تھے نہ کھرا کھوٹا ـــــ

مسعودی کو چوتھی صدی ہجری کے نصف اول میں اس کھرے کھوٹے جھوٹے سچے، ملے جلے مجموعہ روایات سے ماضی قریب یعنی عہد اسلامی کی تاریخ بھی لکھنا تھی۔ متقدمین کے طریقہ کار اور زمانے کے دستور کے مطابق روایات میں عقل کو دخل کی اجازت نہیں تھی۔ روایات کو من وعن درج کر دینا تاریخ نگاری اور ان کا بسند متصل مروی ہونا مورخ کی دیانتداری تھی اس لئے مسعودی نے کسی واقعہ کے ممکن الوقوع یا ناممکن ہونے سے درایت کی روشنی میں بحث نہیں کی بلکہ ایک واقعہ سے متعلق جتنی روایتیں موجود تھیں یا مل سکتی تھیں ان کے راویوں کے سبب اختلاف پر نقد و نظر اور بحث و تمحیص سے کام لیا اور بعض جگہ کسی ایک کے متعلق اپنی رائے کا اظہار بھی کر دیا یا جس واقعہ کی صحت کا اسے ذاتی طور پر یقین نہیں تھا یا عوام کے نقطہ نظر سے ناقابل قبول تھا، جیسا کہ مروج الذہب میں لکھا ہے، اس کا "عمداً ذکر نہیں کیا"[1]۔ مسعودی کے اس طریقہ کار اور تاریخ میں پہلی بار عقل کو دخل کے

---

[1] "قرون وسطیٰ کا ایک عظیم مورخ" مقالہ مطبوعہ ۔ ماہنامہ معارف اعظم گڈھ صفحہ ۸۴-۳۸۳ نومبر سنہ ۱۹۶۲ء

اعتبار سے اسے "ہیروڈوٹس ثانی" کہہ لیجیے یا بقول شبلی "امام تاریخ"۔

مگر بعض اہل مشرق نے اسے "بانیٔ فلسفۂ تاریخ" قرار دیدیا۔ اور یہانتک لکھدیا کہ بعد کو ابن خلدون نے انہیں بنیادوں پر (فلسفۂ تاریخ کی) عمارت تیار کی[۱]۔ مگر یہ مدح مبالغہ کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ مسعودی نے جو طریقہ کار اختیار کیا اور جس انداز سے اور جس حد تک غور و فکر سے کام لیا اگر اسے فلسفۂ تاریخ کہا جا سکے تو یہ عقل ذات و جمہور اور اس کے رد و قبول تک محدود ہے۔ ابن خلدون اپنے فلسفۂ تاریخ میں محض عقل اور امکان عقلی کو دلیل قرار نہیں دیتا اس کے نزدیک واقعہ فی نفسہٖ اصول عادت، قواعد سیاست، طبیعت تمدن اور اجتماع انسانی کے عام حالات کے مطابق ہے تو واقعہ ہے ورنہ افسانہ ____ مورخ کی نگاہ میں قابل رد و نظر انداز ____ اس بنیادی فرق کے بعد دونوں کی راہیں ایک دوسرے سے بالکل جدا نظر آتی ہیں اور یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ "اخبار کی اس نوع اور وضع سے بحث و تحیص اپنی حیثیت سے بالکل نئی اور عجیب و غریب فوائد پر مشتمل ہے اور بڑی دقت نظری کی پیداوار ہے[۲]"۔ اور ابن خلدون کا یہ دعویٰ بھی مصدقہ ہے کہ "یہ علم بالکل نوایجاد ہے اور مجھے جہاں تک علم ہے کسی نے اس پر قلم نہیں اٹھایا[۳]"۔ دراصل شرق و غرب میں سب سے پہلے فلسفۂ تاریخ کی بنیاد ابن خلدون نے رکھی۔ اس کا نہ کوئی پیشرو تھا نہ پیرو[۴]۔ حتیٰ کہ وہ خود بھی اپنے فلسفہ کی کماحقہٗ پیروی نہ کر سکا۔

تاہم مسعودی اپنے مشاہداتی طریقہ کار، ذاتی معلومات میں تلاش و جستجو اور غور و فکر کے لحاظ سے ابتدائی دور کے مورخین میں ایک خاص مقام رکھتا ہے ابن خلدون لکھتا ہے کہ "عام طور پر لوگوں نے (اس کی) روایات کو قبولیت کا درجہ دیا ہے اور (اس کے) طریق تصنیف کو بنظر تحسین دیکھا ہے[۵]"۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ اشارہ بھی کیا ہے کہ ____

---

[۱] "قرون وسطیٰ کا ایک عظیم مورخ"۔ مقالہ مطبوعہ۔ ماہنامہ معارف اعظم گڈھ ص ۳۸۴

[۲] مقدمہ ابن خلدون (اردو ترجمہ) ص ۶۸

[۳] مقدمہ ابن خلدون (اردو ترجمہ) ص ۶۸

[۴] المقریزی چونکہ ابن خلدون کا قدرشناس تھا اس لئے اس نے پیروی کی کچھ کوشش کی ہے مگر لکھتا ہے کہ "یہ بہت مشکل ہے کہ کوئی شخص باوجود کوشش کے اس کے درجہ تک پہنچ سکے"۔

[۵] مقدمہ ابن خلدون ص ۳۴

"صاحب بصیرت (اس کی) نقل کردہ روایات کو خود اپنی میزان عقل پر تول کر فیصلہ کر سکتا ہے کہ ان میں کون سی روایات قابل ردو نظر انداز ہیں اور کون سی قابل قبول ۔[۱]" اور پھر بحیثیت نقادِ فن سب سے پہلے "امام تاریخ" مسعودی ہی کی روایات کو اپنے فلسفۂ تاریخ کے تحت میزان عقل پر تول کر دکھایا ہے اور امام موصوف کی مبالغہ آمیزی اور نقل کردہ محالات کی جا بجا تنقید و تنقیح کی ہے۔

پھر بھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ ابن خلدونؔ نے رعایت سے کام لیا ہے کیونکہ مسعودی کی معرکۃ الآرا تصنیف "مروج الذہب" کے مطالعہ کے دوران "میزان عقل" کو کچھ زیادہ ہی استعمال کرنا پڑتا ہے بلکہ بعض واقعات پڑھ کر تو "میزان عقل" کا توازن ہی بگڑ جاتا ہے مثال کے طور پر ذیل کا واقعہ ملاحظہ فرمائیے اور دیکھئے کہ یہ اصول عادت، اور اجماع النسانی کے عام حالات کے مطابق ہے یا نہیں۔ یہ واضح رہے کہ مسعودیؔ کی عقل وفہم اور غور و فکر نے اسے قبولیت کا درجہ دے کر "مروج الذہب" میں نقل کیا ہے ——

"حجاج کی ماں پہلے حارث بن کلدہ کی بیوی تھی ...... اس کے بعد یوسف بن ابی عقیل الثقفی نے اس سے شادی کر لی اور اس کے نطفہ سے حجاج پیدا ہوا جب یہ پیدا ہوا تو ایک بدشکل گول مٹول گوشت کا لوتھڑا معلوم ہوتا تھا اس کے دبر نہ تھی چھید کر کے دبر نمایاں کی گئی۔ اپنی ماں کیا کسی عورت کا بھی دودھ نہیں پیا جب سب گھر والے تنگ آگئے تو بیان کیا جاتا ہے کہ حارث بن کلدہ شیطان کی صورت میں ان لوگوں کو دکھائی دیا اور پوچھا تمہارا کیا حال ہے، انھوں نے کہا یوسف کا ایک بیٹا پہاڑی سے بنایا گیا (فارعہ اس کی ماں کا نام بھی تھا) وہ نہ اپنی ماں ہی کا دودھ پیتا ہے اور نہ کسی عورت کا۔ حارث نے کہا کہ ایک سیاہ بھیڑ کا بچہ ذبح کر کے اس بچہ کو خون پلاؤ۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی کرنا۔ تیسرے دن ایک سیاہ مینڈھا ذبح کر کے اس کا خون پلانا،

---

[۱] مقدمہ ابن خلدون صـ ۳۴

چوتھے دن ایک سال کا سیاہ بکرا ذبح کر کے اس کا خون اسے
پلانا اور اس خون کو اس کے چہرہ پر مل دینا چوتھے دن وہ عورت
کا دودھ پینے لگے گا چنانچہ یوسف کے گھر والوں نے ایسا ہی عمل کیا"۔
اور پھر مسعودی نے اسی کو حجاج کے ظلم و ستم کا سبب قرار دیا ہے۔

(مروج الذہب۔ عہد بنی امیہ ص۵۸)

یہی نہیں بلکہ سلیمان بن عبدالملک کی "بھوک" بسر بن ارطاۃ کا "پاگل پن" اور ہشام بن عبدالملک[1] کی حماقتیں پڑھ کر کتاب پر الف لیلہ کا دھوکا ہوتا ہے۔ بعض صفحات ایسے بھی ملتے ہیں کہ اگر انھیں کسی مخصوص "شاستر" کا جزء بنا دیا جائے تو سلسلہ بیان میں فرق پڑے گا نہ موضوع ہی بدلے گا بلکہ عہد اسلامی کے عربوں کی اس فنی معلومات پر حیرت ہوگی۔ مروج الذہب ص۸۸۔۸۷ مثال کے طور پر پیش کئے جا سکتے ہیں۔

مسعودی کو اپنی اسی تصنیف 'مروج الذہب' پر بڑا ناز تھا لکھتا ہے کہ "مروج الذہب بادشاہوں کو تحفہ میں دینے کے قابل ہے"[2] بلاشبہ یہ ایسی ہی کتاب ہے کہ بادشاہوں کو نذر کر دی جائے یقیناً اس کے بیشتر حصہ میں ان کی دلبستگی کا سامان مل سکتا ہے پھر بھی بعض اعتبار سے اسے بڑی مقبولیت حاصل رہی ہے اور ہر دور میں اس سے استفادہ کیا جاتا رہا ہے۔ ابن خلدون کے سامنے بھی یہ کتاب رہی ہے۔ مگر مسعودی کی دوسری کتاب "التنبیہ والاشراف" (سنہ تصنیف ۳۴۵ھ) جو اس کی زندگی کا آخری کارنامہ اور جس میں اس کی تمام تصانیف کا نچوڑ ہے بعض لحاظ سے مروج الذہب پر فوقیت رکھتی ہے۔ التنبیہ والاشراف کی سب سے پہلی خصوصیت جو اس پر نگاہ پڑتے ہی محسوس ہوتی ہے

---

[1] ہشام بن عبدالملک کے بیان میں جس قسم کے واقعات لکھے ہیں ان سے ہشام کی حماقت ہی ظاہر ہوتی ہے حالانکہ مسعودی اسی کے بیان کے تحت لکھتا ہے۔ "منصور عباسی نے ہشام کے حالات و واقعات کا بہت مطالعہ کیا تھا اس وجہ سے اپنے اکثر کاموں، سیاست ملک، اور انتظام حکومت میں اس کے نقش قدم پر چلتا تھا ص۱۵۸"۔ لیکن مروج الذہب میں نہ کہیں اس کے کام ہیں نہ سیاست ملک اور انتظام حکومت کا ذکر ـــــ حماقتوں کے تذکرے ضرور نظر آتے ہیں۔

[2] "قرون وسطیٰ کا ایک عظیم مورخ"۔ مقالہ مطبوعہ ماہنامہ معارف۔ اکتوبر سنہ ۶۲ء ص۳۰۴

وہ اس کا اختصار ہے اور غالباً اس اختصار ہی کی وجہ سے طرح طرح کے افسانوں کو اس میں جگہ نہ مل سکی۔ متقدمین کے طریق تصنیف کے خلاف روایات کے ساتھ سلسلۂ اسناد کے نہ ہونے کا ایک سبب شاید یہی اختصار ہو مگر دوسرا سبب جو واقعی محل غور ہے خود مسعودی نے بیان کیا ہے لکھتا ہے ——

"ہم نے اس میں اسناد کو حذف کر دیا ہے تاکہ واقعات کا تحمل آسان ہو جائے اور جو بات اخذ کرنے کی ہے قریب آجائے ——"

(التنبیہ والاشراف ص۹۹)

اس اختصار کی وجہ سے بعض نے اسے "تاریخی بیاض" کہا ہے اور بعض نے "تاریخ اسلام کے نوٹس"۔

دوسری خصوصیت اس کی جامعیت ہے۔ اتنی مختصر سی کتاب میں مسعودی نے اسلام کی ابتدائی ساڑھے تین صدیوں کے تمام اہم واقعات اور مباحث دیدئے ہیں بلکہ ایسے تاریخی نکات بھی ملتے ہیں جو نہ صرف اس کی مبسوط تصنیف مروج الذہب بلکہ دوسری تاریخی کتب میں نہیں ملتے۔

اختصار و جامعیت کے علاوہ مصنف کے بیان میں عجیب قسم کی سنجیدگی اور بردباری پائی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اس کی عمر کے اس آخری حصہ کا تقاضہ ہو جس میں یہ کتاب لکھی گئی ہے یہ متانت، التنبیہ والاشراف ہی کا طرہ امتیاز ہے مروج الذہب میں یہ بات نہیں۔

ان خصوصیات نے التنبیہ والاشراف میں مندرج اس عرب مورخ کی تاریخی یادداشتوں کو بڑا اہم اور قابل قدر بنا دیا ہے چونکہ مصنف نے انتہائی اختصار اور بڑی احتیاط سے کام لیا ہے اس لئے ایسے مقامات بہت کم ہیں جن پر گرفت کی جا سکے۔ تاہم جہاں شدید ضرورت محسوس ہوئی حاشیہ دیدیا گیا ہے۔ کتاب کی افادیت متعدد تاریخی نقشہ جات منسلک ہونے سے اور بڑھ گئی ہے، اس کے لئے میں اپنے کرم فرما جناب ثناء الحق صدیقی، ایم۔ اے (علیگ) کا ممنون ہوں۔ ان کی مساعی جمیلہ سے یہ کتاب اس صورت میں پیش کی جا رہی ہے۔ غزوات کا نقشہ خاصہ کی چیز ہے ثناء الحق صاحب نے اسے بڑی محنت سے تیار کیا ہے تقریباً تمام غزوات کے مقامات اس میں آگئے ہیں۔

آخر میں اپنے استاد محترم ڈاکٹر یوسف عباس ہاشمی ریڈر، شعبہ تاریخ اسلام کراچی یونیورسٹی اور اپنے احباب محمد ایوب قادری۔ ایم۔ اے اور محمد ذکی۔ ایم۔ اے (علیگ) کی ہمت افزائی کے لئے متشکر ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمۃ المصنف

تاریخ کے ابو الآباء ثانی

کہتے ہیں ہیرودوتس تاریخ کا ابو الآباء ہے، یونانِ قدیم کے متعلق، جس کے سر پر ظلمت اندوز روایات کا ابرِ مظلم چھایا ہوا ہے۔ یہ قول صحیح ہوگا۔ اس لئے کہ اُس عہدِ عتیق میں بُت پرستانہ افسانوں کے دُھندلکے سے نکل کر تفحّص اور درایت کی روشنی میں آنا ایک بڑا کام تھا، اور اس کام میں ہیرودوتس کا بھی نام لیا جاتا ہے۔

لیکن یونان قدیم اور دسویں صدی عیسوی کی دُنیا میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ اس قرنِ عاشر میں اسلام کا آفتاب عالم تاب کائنات کے چپّہ چپّہ کو عقل و حکمت کی روشنی سے منوّر کر چکا تھا۔ بچّہ بچّہ حقائق کے دریا بہانے کے قابل ہوگیا تھا۔ قریہ قریہ کو ایتھنز ہونے کا دعویٰ تھا۔ ایک ایک چوپال ارسطو کا دار الحکمت اور افلاطون کی اکاڈیمی کہے جانے کا حق دار تھا۔

اگر اس زمانے کے کسی مورّخ کی جلالتِ قدر کے سامنے آج کل کے یورپ کا سر ادب بھی خم ہو۔ اور اُس کی مبصّرانہ تحقیق و وسعتِ نظر کی دھاک ہر مغربی مُستشرِق پر بیٹھی رہے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اُس کی شان کس قدر رفیع اور اُس کا مرتبہ کتنا بلند ہوگا۔

علّامہ مسعودی دوسرے ہیرودوتس تھے

علامہ ابو الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی جن کی معرکۃ الآرا کتاب "التنبیہ والاشراف" کا اردو ترجمہ ہم اہل نظر کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا برطانیکا کے فاضل مقالہ نگار کی رائے میں ہیرودوتس کا جواب ہیں۔ اور پروفیسر نکلسن بھی اس خیال میں مقالہ نگار موصوف

کے ہم صفر ہیں۔

لیکن حق یہ ہے کہ ہیرو دوٹس اور مسعودی کے درمیان وہی فرق ہے جو چوتھی صدی ہجری کے نور افشاں آفتابِ تمدّن اور قدیم ترین عہدِ جاہلیت کے ظلماتِ بعضہا فوق بعض میں تفاوت ہے۔

اساطیرِ اوّلین کی تحقیق میں اگرچہ مسعودی کا بیان بھی محلّ نظر ہے، اور علامہ ابن خلدون نے تو مقدمۂ تاریخ میں اس پر وسیع بحث کی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ "اساطیر" "اسطورہ" کی جمع ہے جسے اہل فرنگ "اسٹوری" (کہانی) کہتے ہیں اور ان کہانیوں کی تحقیق کو بسا اوقات جان بوجھ کے بھی موّرخین چھوڑ دیا کرتے ہیں، نہ اس لئے کہ یہ کہانیاں تاریخی ہیں بلکہ محض اس لئے کہ ایسی کہانیوں سے بھی قوموں کی خو و بو کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ابھی چند ہی سال ہوئے حکومتِ ہند نے راجپوتانہ کے بعید از قیاس قومی گیتوں کو مرتب و مدوّن کرنے کی تجویز کی تھی، اور لائحہ عمل میں بتایا تھا کہ "ان گیتوں میں اگرچہ انتہائی مبالغہ کا عنصر موجود ہے، مغلوں کی واقعی کامیابی کو بھی ناکامی کے رنگ میں دکھایا ہے اور ہر ایک لَے میں اپنی فرضی فتوحات کا ترانہ گایا ہے، تاہم اس سے راجپوتوں کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے اور اُن کی قومیت اصلی خیالات و جذبات ہمارے سامنے آجاتے ہیں"۔

تحقیق تاریخ کے ذیل میں یہ عنوان جو آج تجویز ہوا ہے۔ مسعودی کے اساطیر الاوّلین کو آج سے ایک ہزار برس پیشتر اسی عنوان کا دیباچہ سمجھنا چاہیئے۔

شرفِ انتساب

علامۂ ممدوح تیسری صدی ہجری (نویں صدی میلادی) کے اواخر میں پیدا ہوئے اور آپ کا مولد دار السّلام بغداد ہے۔

یہ زمانہ جیساکہ ہم اشارۃً بتا چکے ہیں۔ دولتِ عبّاسیہ کا عہدِ فضیلت عہد تھا۔ جسے پروفیسر براؤن کا اِستشراق اسلام کا عہدِ زرّین قرار دیتا ہے۔

خداوندِ قدّوس کی مشیئت میں جس کے لئے بزرگی مقدّر ہوتی ہے اُسے وہ بسا اوقات اپنے خزائن غیبی سے اکتسابی شرافت کے ساتھ انتسابی فضیلت بھی مرحمت فرماتا ہے مسعودی ایسے ہی خوش نصیب لوگوں میں تھے۔ جیساکہ اُن کا نام ظاہر کر رہا ہے۔

اُن کا سلسلۂ نسب حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ اور اس لئے اگر مسعودی جامع کمالات وہبی وکسبی ہیں تو یہ اُن کی آبائی

میراث ہے۔

روئے زمین کی سیاحت

آج تو مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ گھر سے نکل کر اگر محلّہ کی مسجد میں جاکر دو رکعت نماز ادا کر لیتے ہیں تو سمجھنے لگتے ہیں کہ بس اب ہم "قل سیروا فی الارض" کے مفسر ہو گئے۔ لیکن ایک زمانہ وہ بھی تھا۔ جب ایک مسلمان مغرب اقصیٰ کی گھاٹیوں سے نکلتا تھا تو سمندروں کو پار کرتا ہوا اور کوہ وصحرا کو گرد کی طرح پیچھے چھوڑتا ہوا دیوار چین کے سایہ میں جاکر دم لیتا تھا۔ اور اپنے ایک بھائی سے اگر دہلی میں ملاقات کرتا تھا تو دوسرے سے پیکن میں۔

علامہ مسعودی نے بھی انہیں جہاں کشا روایات کی گود میں پرورش پائی تھی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر اور منتہیانہ معارف کی دستار کو اپنے ارجمند واولوالعزم سر سے زینت دے کر اُنھوں نے دُنیا کے سفر کے لئے گھر سے باہر قدم نکالا، کہ اپنی آنکھوں سے ہر مُلک ہر قوم اور ہر ملّت کے حالات کی چھان بین کر کے اندازہ لگائیں کہ اقوام عالم کے عروج وزوال اور صعود و ہبوط کے کیا اسباب ہیں۔ مصدّقین کس درجہ پر پہونچے ہیں۔

اظہارِ حقیقت

اس حقیقتِ کبریٰ کا اظہار خود علامۂ ممدوح کے خامۂ بداعت طراز نے اس طرح کیا ہے :۔

> "جو شخص اپنے گھر سے کبھی باہر نہ نکلا ہو بلکہ اسی قدر مبلغ علم پر قانع رہے کہ خود اپنے مُلک کی تاریخ کے بارے میں اُسے حاصل ہو سکتا ہو۔ وہ ہرگز اُس شخص کی برابری نہیں کر سکتا جس نے اپنی عمر بجائے خضر کے سفر میں بسر کی ہو۔ جس نے اپنے دن بے قرارانہ بادیہ نوردیوں اور کشور گردیوں میں گزارے ہوں۔ اور جس نے ہر طرح کی حیرت اندوز اور گراں مایہ اطلاعات اسی کنز مخفی سے بہم پہونچائی ہوں۔"

علامہ مسعودی کا شمار اسی دوسرے طبقہ کے نفوسِ قدسیہ میں تھا کہ اُن میں بھی اُنہیں درجۂ صدارت حاصل ہے۔ اس ہمہ گیر سفر میں اُس بے مثل کتاب کی حقائق نوازیوں کا اُنھوں نے سرمایہ بہم پہونچایا جس کا ترجمہ آپ حضرات کے دماغ میں نور اور دل میں سرور پیدا کرے گا۔

ہندوستان کا سفر

علامہ مسعودی کی سیاحت کی پہلی منزل یہی خاکِ پاک ہے۔ اور ہندوستان ناز کر سکتا ہے۔ کہ آسمان حقیقت

کے ایک ایسے بڑے شمسِ بازغ کی تجلّیوں سے اس کا ذرّہ ذرّہ غیرتِ خاوراں ہوا۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں بھی جبکہ اندرونی ہند پر مسلمانوں نے کوئی لشکرکشی نہ کی تھی محض تبلیغ کے زیرِ اثر وہاں جابجا مسلمانوں کی طاقت ور نوآبادیاں قائم تھیں۔ ہندو راجاؤں کی جانب سے اُن کی عزت و بزرگ داشت ہوتی تھی اور وہ آزادانہ اپنے اسلامی فرائض انجام دیتے تھے، بلکہ بعض ہندو درباروں کا تو یہ بھی گمان تھا کہ "اُن کی شانِ عظمت و بقائے حکومت مسلمانوں ہی کے تقدّس و یُمن و برکت سے وابستہ ہے۔"

دکن کا سفر

۹۱۲ء میں مسعودی پہلے منصورہ آئے۔ پھر ملتان پہونچے اور وہاں سے عازمِ دکن ہوئے۔ وہی دکن جس کی خاکِ پاک مدّتوں مسعودی کی جلوہ گاہ رہی اور جواب بھی مسعودی کی کتاب کا اُردو ترجمہ دُنیا میں پیش کر کے بصیرت افروزی کا سامان فراہم کر رہی ہے۔

خلتجی الدکن، ذات المنّ والنعمة والسحن، ولیجی سلطانھا الھمامِ الصارم الصیدن، الّذی علم النّاس واذکن، بعلم وعرفان اغناھم بہ واسبغ علیھم نعمہ واجدن۔

پنجاب کا سفر

ملتان کی عظمت کا زمانہ اگر خواب و خیال ہوگیا ہو۔ تو کم از کم یہی پیش اُفتادہ شعر آج بھی اُس کی معرّفی کی خدمت انجام دے سکتا ہے کہ:۔

چار چیز ست تحفۂ ملتان   گرد و گرما گدا و گورستان

اگرچہ عوام اس پر چیں بہ جبیں ہوئے بغیر نہ رہیں گے۔ کہ ایسی ارضِ تابناک کے آثارِ باقیہ میں سے ہم کو اگر کچھ نظر آیا۔ تو چند ٹوٹی پھوٹی قبریں۔ خاک کے چند بگولے۔ چند تمازت ریز امواجِ سُموم۔ چند گدایانِ مبرم کے کشکول۔ لیکن حقیقتِ حاضرہ کو کیا کیا جائے کہ اُس کو اسی پر اصرار ہے۔

مسعودی جس وقت ملتان پہونچے ہیں اُس زمانہ میں وہاں عربوں کی ایک محکم و قوی حکومت قائم تھی جس کے فرماں روا "ابو اللہاب المنبّہ ابنِ اسد القرشی الاسامی" تھے، جو جو علمی ترقیاں اس ملک نے کی ہیں اُن کا نمونہ دیکھنا ہو تو علاّمہ سمعانی کی کتاب الانساب کو دیکھنا چاہیئے کہ اس خاک نے کیسے کیسے مشاہیرِ عالم پیدا کئے جنھوں نے علم و تہذیب کی کیا کیا خدمتیں کیں، علمی دُنیا کے ہر مرحلہ پر اُن کے قدموں کا نشان ملتا ہے مگر عوام اُنکے

نام تک سے واقف نہیں۔

سندھ کا سفر خاص سندھ سے مسعودی کی مُراد اقلیم منصورہ ہے، شوقِ سیاحت جب اُن کو یہاں لایا ہے تو اُن دنوں اس اقلیم کی عربی حکومت اچھی حالت میں تھی اور "ابوالمنذر عمر بن عبداللہ" اس کے بادشاہ تھے، وزیر الممالک، "ریاح" تھے جن کے دونوں نامور فرزند محمدّ و علی کا تذکرہ بھی مسعودی نے کیا ہے، سادات علویتین (اولادِ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) کی یہاں بڑی آبادی تھی جنہوں نے یہاں کی سکونت کو عرب و عراق پر ترجیح دی تھی اور اپنے انوارِ معارف سے ایک روشن تمدّن کی جلوہ ریزی فرمائی تھی۔

اس اقلیم کا دار الملک "منصورہ" جسے خاص عربوں نے آباد کیا تھا، اس کی آبادی کا زمانہ عہدِ سلطنتِ امویہ ہے جس کے فرماں فرمائے سندھ (گورنر جنرل) منصور بن جہور نے اُسے آباد کیا تھا اور اُسی کے نام پر آج تک مشہور ہے، اس اقلیم کے حیرت انگیز عربی تمدّن۔ اُس کی بدالنظیر رونق۔ اُس کے بے مثال علمی کارناموں سے اسلامی تاریخ کے دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں۔ مگر آج انقلابِ روزگار نے اس پر کچھ ایسا پردہ ڈال رکھا ہے کہ علمائے آثار ہی اگر کاوش کریں تو البتہ یہ خزائنِ عرب و دفائنِ علم و ادب ایک مرتبہ پھر برروے عام آسکتے ہیں۔

ایران کا سفر مسعودی ایران ہوتے ہوے ہندوستان آئے تھے۔ اور ان دونوں ملکوں کے دل فریب مشاہدات میں اُن کے تین سال بسر ہوئے۔ فارس اور سوس (سوسیانہ) کے حالات اُنہوں نے بہ تفحّص فراہم کئے۔ اور مجوس کے کتب و صحائف کی نسبت دقیق معلومات کا ذخیرہ جمع کر لیا۔ جس کا ثبوت اُنکی تصانیف سے ملتا ہے۔ اور جو تدوینِ تاریخِ مجوس کے لئے اس وقت بھی بہترین ماخذِ اصلی کا کام دیتے ہیں۔

ابوزید جغرافی سے ملاقات اس سہ سالہ سیاحت کے بعد اُنھوں نے بصرہ کو مراجعت کی جہاں اُن کی ملاقات ابوزید سے ہوئی۔ کہ اُن کا شمار اُس عہد کے مشہور جغرافیہ نویسوں میں ہے۔ ابوزید نے ممالکِ مشرقیہ کی جو تفصیل سپُردِ قلم کی ہے اُسے مسعودی کی تحریرات کے ساتھ ملانے سے معلوم ہوتا ہے

کہ دونوں ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

سفرِ مشرق، تا بہ چین، و تا بہ مدغاسکر بصرہ سے ۹۱۵ء میں مسعودی پھر عازم مشرق ہو گئے اور پہلے کھنبایت آئے جو قدیم دکن و گجرات کا مشہور ترین مقام ہے اور جسے اہلِ عرب "کنبہ" یا "کنبایۃ" کہتے ہیں۔ پھر سیمور گئے اور ایک زمانہ وہاں بسر کر کے روانۂ سیلان (سیلون) ہوئے جس کا دوسرا نام سراندیب ہے۔ اور جہاں حسبِ معمول اُن کی کنج کاویاں سرگرم عمل رہیں۔

یہاں سے جہاز پر سوار ہو کر انہوں نے چین کا سفر کیا۔ اور چین سے جو مراجعت کی تو موجوں کی سینہ شگافی کرتے ہوئے سیدھے مدغاسکر پہونچے۔ اور وہاں کچھ دن قیام کر کے اپنے وطن کو لوٹے۔

بحیرۂ خزر و ارضِ شام تمام وہ علاقہ جو بحیرۂ خزر کے نواح میں واقع ہے، تمام ارض شام، تمام فلسطین کا مسعودی نے چپہ چپہ چھان مارا اور کوئی علمی یا تاریخی یا معاشری واقعۂ عبرت ایسا نہ تھا جو اُن کے مشاہدہ سے گزرا ہو۔ اور اُن کی یادداشت میں نہ ٹانک لیا گیا ہو۔

ایک گرجا کے حالات ۹۲۶ء میں جب وہ فلسطین پہونچے تو کلیسائے مسیحی میں بھی گئے جس کے آثار و تبرکات کو نہایت تفصیل کے ساتھ قلم بند کر کے اُس عہد کی نمایاں اسلامی بے تعصبی کی خصوصیت ظاہر کی ہے۔
۹۴۳ء میں انہوں نے انطاکیہ کے کھنڈروں کی چھان بین کی جس کی پوری تفصیل انہیں کی زبانی ہم تک پہونچی ہے۔

اپنی شاندار زندگی کے آخری دس سال علامہ مسعودی نے شام و مصر میں گزارے اور اُن کی وفات ۹۵۶ء میں ہوئی۔

انسائیکلوپیڈیا برطانیکا کی رائے مقالہ نگار مذکور اس محقق یگانہ کے گوناگوں عقلی و اخلاقی کمالات کا اعتراف اِن الفاظ میں کرتا ہے:۔

اُس زمانہ میں مسلمانوں کی تجارتی سرگرمیاں دُنیائے معلوم کے
ایک بہت بڑے حصّہ پر پھیلی ہوئی تھیں اور عراق عرب کی تجارت

اور مُبلّغانہ مساعی - ایشیا اور افریقیہ کے بعید ترین گوشوں تک جا پہونچی تھیں۔ مسعودی کی ہمہ گیر سیاحتوں کی تگ و دَو بھی انہیں حدود سے مُتجیز تھی۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مسعودی کے سفر کی غرض و غایت جلب منفعت تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ہر ملک کی خصوصیات کا بہ نگاہِ امعان مطالعہ کرے اور وہاں کے آثار قدیمہ۔ حالات تاریخی۔ اور اخبار و آداب کے بارہ میں جو کچھ معلومات فراہم ہو سکتی ہو کرے۔ وہ تعصب سے بالکل پاک تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا جب کہ اُس کے عقائد معتزلی تھے۔ اور وہ مسئلۂ اختیار کا قائل تھا۔ یہ اُسی رجحان طبع کا باعث تھا کہ اُس نے ایرانی مجوسیوں اور مسیحی اسقفوں کی تصانیف سے بھی بہ رضا و رغبت تمام اقتباسات لے لینے مناسب سمجھے ہیں"۔

اس رائے کے بعض حصّوں سے ہمیں اختلاف ہے۔ علاّمہ مسعودی تفضیلی ضرور تھے۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اُن کا شمار اکابرِ معتزلہ میں تھا۔ انسائیکلوپیڈیا برطانیکا کی ایک انوکھی جدّت طرازی ہے۔

رہی یہ بات کہ مسعودی کا دامن تعصّب سے پاک تھا تو یہ کوئی ایسا وصف نہیں ہے جس میں ہمارے سلفِ صالحین میں کسی بلند پایہ عالم یا محقق کو اپنے ہم چشموں کے مقابلہ میں کوئی امتیاز ہو۔ اس لئے کہ اگر مجوسیوں اور گبروں کی حکمت سے مستفید ہونا اس حد تک کہ خذ ما صفا ودع ما کدر کا حکیمانہ اصول پیشِ نظر ہے، بے تعصبی کی علامت ہو، تو یہ تو اسلام کی سب سے پہلی تعلیم ہے کہ الحکمۃ ضالۃ المومن من وجدھا فھو احق بھا حکمت جہاں کہیں بھی ہو جس شکل میں بھی ہو۔ جس شخص کے پاس بھی ہو۔ وہ تو مسلمانوں کی آبائی میراث ہے اور مسلمان ہی اُس کے مستحق ہیں۔ مسعودی نے اگر ترسائیوں اور کلیسائیوں سے مل کر اُن کے خیالات کا ترکہ ہمارے لئے چھوڑا ہے اور اُن کے واقعات کا دفینہ حوالۂ تاریخ کیا ہے۔ تو یہ اسلام کا ایک معمولی کرشمہ ہے۔

تصنیفات

مسعودی نے مختلف علوم و فنون میں بکثرت کتابیں تالیف و تصنیف کیں اور مؤرخین کا اتفاق ہے کہ ان میں سے ہر ایک کتاب میں ان کی نامور

شانِ تحقیق کا روشن ترین جلوہ نظر آتا ہے، افسوس ہے کہ بیشتر مصنّفات دست بردِ روزگار کی نذر ہو چکی ہیں حتیٰ کہ سب کے نام بھی معلوم نہیں، البتہ مروج الذہب ومعادن الجواہر اور تنبیہ والاشراف میں اپنی دوسری کتابوں کے حوالے اُنھوں نے دیئے ہیں اُن سے حسب ذیل فہرستِ مولّفات ومصنّفات مرتّب ہو سکتی ہے :-

(۱) تاریخ :-

(۱) اخبار الزّمان، ومن اباده الحدثان، من الامم الماضیۃ، والاجیال الخالیۃ، والممالک الدّاثرۃ -

(۲) الکتاب الاوسط -

(۳) مروج الذّہب ومعادن الجوہر، فی تحف الاشراف من الملوک واہل الدّرایات

(۴) الاستذکار، لماجری فی سالف الاعصار -

(۵) التنبیہ والاشراف -

(۶) الاخبار المسعودیات -

(۷) البیان فی اسماء الائمّۃ -

(۸) مقاتل فرسان العجم -

(۲) علم وحکمت

(۹) فنون المعارف، وماجری فی الدّہور السوالف -

(۱۰) ذخائر العلوم وما کان فی سالف الدّہور -

(۱۱) سرّ الحیاۃ -

(۱۲) وصل المجالس -

(۳) سیاست

(۱۳) تقلّب الدّول، وتغیّر الآراء والملل -

(۱۴) المسائل والعلل -

(۱۵) نظم الجواہر، فی تدبیر الممالک والعساکر -

(۴) اصول قانون

(۱۶) نظم الاعلام، فی اصول الاحکام -

مسعودی کی اوّلیت

مسعودی سے پیشتر جن مورخین نے کتابیں تالیف کی تھیں، اُن میں حسنِ ترتیب ولطفِ تہذیب کی ایسی کچھ زیادہ شان نہ تھی، اس اوّلیت کا طرّہٴ امتیاز مسعودی ہی کے سر ہے، وہ خود اسی کتاب میں ایک مقام پر بالضمنِ تعدادِ غزواتِ حضرتِ سرورِ کائنات علیہ الصّلوات والتحیّات لکھتے ہیں:-

"فنِ تاریخ کے کسی مصنّف کو ہم نے ایسا نہیں پایا جس نے ہماری طرح اس فن کو حاصل کیا ہو اور ہماری جیسی ترتیب اُس میں دی ہو، جسے دیکھنا ہو مصنّفینِ سلف وخلف کی کتابیں دیکھ لے جو اس شعبہ میں مُسلّم مانے جا چکے ہیں، ان کتابوں کا جو مطالعہ کر لے گا اور اُن کی حقیقت سے آگاہ ہو جائے گا پھر اُس پر ہمارے کام کی فضیلت روشن ہو گی، مطالعہٴ کتاب واحاطۂ ابواب کے بعد تو اس کا سمجھنا آسان ہے مگر بغیر اسکے دشوار ہے۔"

کوئی شک نہیں کہ مسعودی بجائے خود اس دعویٰ تفاخر میں برسرِ حق تھے، لیکن پھر بھی یہ تاریخ نویسی کا ابتدائی زمانہ تھا، تحقیق جس چیز کا نام ہے اُس کی بُنیاد تو پڑ چکی تھی مگر اُس کی عمارت اُس وقت مکمّل ہوئی جب آٹھویں صدی کے اواخر اور نویں صدی ہجری کے اوائل میں دُنیا کو "العبر، ودیوان المبتداء والخبر، فی احوال العرب والعجم والبربر، ومن عاصرہم من ذوی السلطان الاکبر" جیسی کتاب دستیاب ہوئی جس پر صدیوں کے بعد فرنگستان میں سب سے پہلے "ہیگل" نے اپنے اصولِ تحقیق کی بنا رکھی اور جو بغیر کسی استثناء کے تمام علمی دنیا میں فلسفۂ تاریخ کا نقشِ اوّل تسلیم کی گئی۔

اس کتاب کی خصوصیت

مسعودی نے جو تاریخیں پیشتر لکھی تھیں یہ کتاب (تنبیہ واشراف) اُن کا خلاصہ ہے، اس کی بنیاد بیشتر اپنی دو کتابوں پر اُنھوں نے رکھی ہے جن میں اس کے مجملات کی تفصیل درج ہے (یعنی (۱) فنون المعارف وما جری فی الدّہور السّوالف (۲) کتاب الاستذکار لما جری فی سوالف الاعصار)۔

اصل میں یہ ایک طرح کے تاریخی نوٹ ہیں، متقدمین کی خاص شان تنوعِ مضامین

تھی جو مسعودی کی سب سے ممتاز خصوصیت ہے اور یہ خصوصیت اس کتاب میں بھی بہت ہی نمایاں نظر آتی ہے، اس میں بعض ایسے تاریخی ہمّات بھی مل جاتے ہیں جو باوجود اختصار مطوّلات میں بھی نہیں ملتے، اور ضروری یاد داشتیں تو سب کی سب اس میں موجود ہیں جو انتہائی اجمال رکھتے ہوئے بھی محاسنِ تنوّعات کی جامع ہیں۔

اس کتاب کا ایک بڑا حصہ تاریخ اقوام واُمم، وجغرافیۂ عالم، ولطائفِ حکمت طبیعی کے متعلق ہے جس کا ترجمہ بحکمِ ضرورت بالفعل موخّر کر دیا گیا ہے، لعل اللّٰہ یتمہ بعد ذٰلِکَ، وھو المستعان، وبیدہ التوفیق۔

ہم نے کوشش کی ہے کہ اہلِ نظر اس کے لفظی ترجمہ سے بہرہ اندوز ہوں اور بیانِ مفہوم کے ہر موقع پر رابطۂ عبارت باقی رہے، سخن آرائی سے عموماً اجتناب کیا گیا ہے، محض اصل مضمون کے ترجمہ پر کفایت کی ہے، البتہ جا بجا وضوح کے لئے عنوانات قائم کر دیئے ہیں۔

وعلی اللّٰہ التوکل وبہ الاعتصام

ترتیب

صفحہ

صفحہ

صفحہ

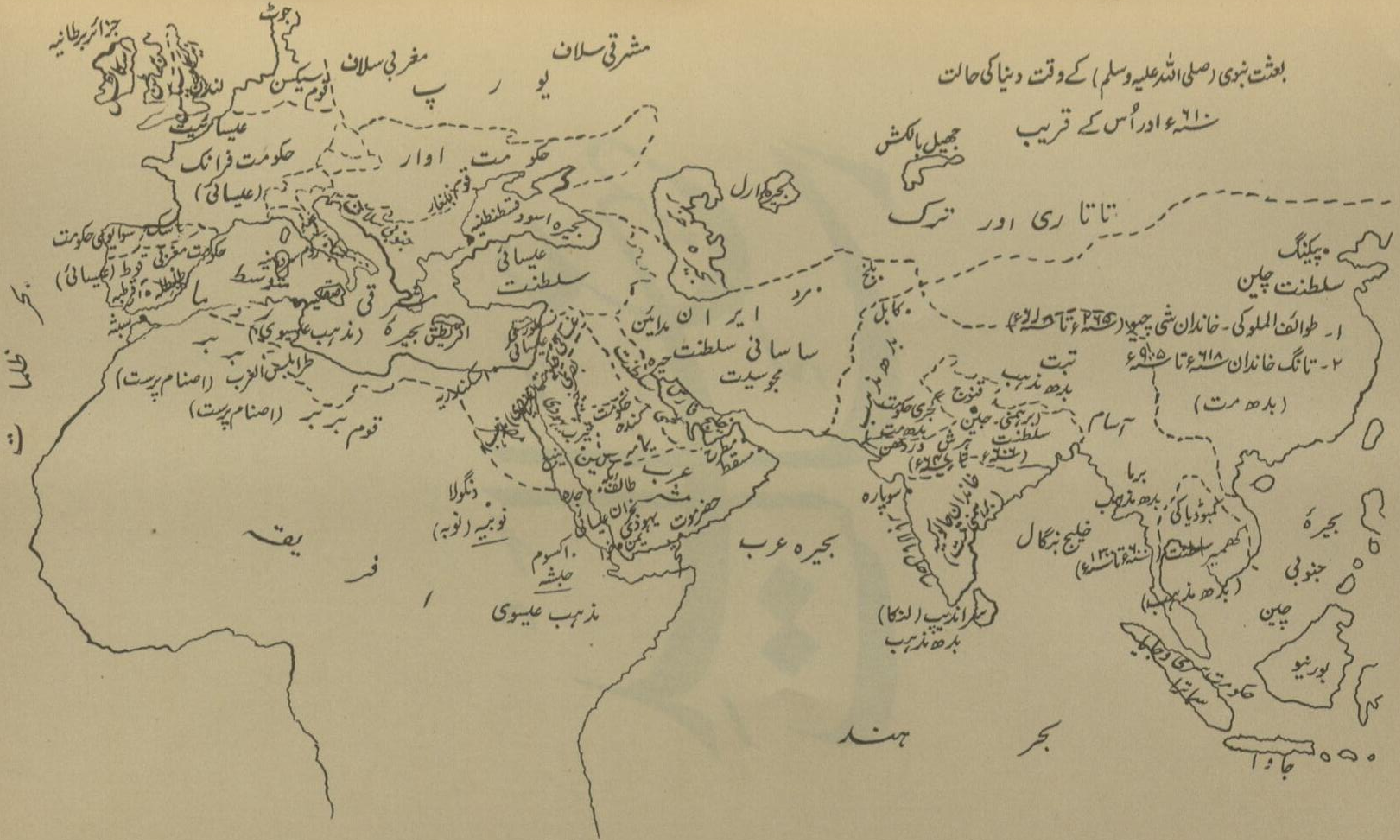
خلافت بنی عبّاس

نقشہ جات

عہدِ خلافت

اسماء خلفاء	سنہ ہجری		سنہ عیسوی	
	بیعت خلافت	خلع خلافت	بیعت خلافت	خلع خلافت
حضرت ابوبکر صدیق رض	ربیع الاول سنہ ۱۱ھ	جمادی الآخر سنہ ۱۲ھ	سنہ ۶۳۲ء	سنہ ۶۳۴ء
حضرت عمر رض بن الخطاب	جمادی الآخر سنہ ۱۳ھ	ذی الحجہ سنہ ۲۳ھ	سنہ ۶۳۴ء	سنہ ۶۴۴ء
حضرت عثمان رض بن عفان	محرم سنہ ۲۴ھ	ذی الحجہ سنہ ۳۵ھ	سنہ ۶۴۴ء	سنہ ۶۵۵ء
حضرت علی بن ابی طالب رض	ذی الحجہ سنہ ۳۵ھ	رمضان سنہ ۴۰ھ	سنہ ۶۵۶ء	سنہ ۶۶۱ء
حضرت حسن بن علے رض	رمضان سنہ ۴۰ھ	ربیع الاول سنہ ۴۱ھ	سنہ ۶۶۱ء	سنہ ۶۶۱ء
معاویہ رض بن ابی سفیان رض	ربیع الاول سنہ ۴۱ھ	رجب سنہ ۶۰ھ	سنہ ۶۶۱ء	سنہ ۶۸۰ء
یزید بن معاویہ رض	رجب سنہ ۶۰ھ	صفر سنہ ۶۴ھ	سنہ ۶۸۰ء	سنہ ۶۸۳ء
معاویہ بن یزید	صفر سنہ ۶۴ھ	ربیع الاول سنہ ۶۴ھ	سنہ ۶۸۳ء	سنہ ۶۸۳ء
مروان بن حکم	رجب سنہ ۶۴ھ	رمضان سنہ ۶۵ھ	سنہ ۶۸۴ء	سنہ ۶۸۵ء
عبدالملک بن مروان	رمضان سنہ ۶۵ھ	شوال سنہ ۸۶ھ	سنہ ۶۸۵ء	سنہ ۷۰۵ء
ولید بن عبدالملک	شوال سنہ ۸۶ھ	جمادی الاولی سنہ ۹۶ھ	سنہ ۷۰۵ء	سنہ ۷۱۴ء
سلیمان بن عبدالملک	جمادی الاولی سنہ ۹۶ھ	صفر سنہ ۹۹ھ	سنہ ۷۱۴ء	سنہ ۷۱۷ء
عمر بن عبدالعزیز رح	صفر سنہ ۹۹ھ	رجب سنہ ۱۰۱ھ	سنہ ۷۱۷ء	سنہ ۷۱۹ء
یزید بن عبدالملک	رجب سنہ ۱۰۱ھ	شعبان سنہ ۱۰۵ھ	سنہ ۷۱۹ء	سنہ ۷۲۴ء
ہشام بن عبدالملک	شعبان سنہ ۱۰۵ھ	ربیع الاول سنہ ۱۲۵ھ	سنہ ۷۲۴ء	سنہ ۷۴۳ء
ولید بن یزید بن عبدالملک	ربیع الاول سنہ ۱۲۵ھ	جمادی الآخرہ سنہ ۱۲۶ھ	سنہ ۷۴۳ء	سنہ ۷۴۴ء
مروان بن محمد	صفر سنہ ۱۲۷ھ	ذی الحجہ سنہ ۱۳۲ھ	سنہ ۷۴۴ء	سنہ ۷۵۰ء
ابی العباس السفاح	ربیع الاول سنہ ۱۳۲ھ	ذی الحجہ سنہ ۱۳۶ھ	سنہ ۷۵۰ء	سنہ ۷۵۴ء
ابی جعفر المنصور	ذی الحجہ سنہ ۱۳۶ھ	ذی الحجہ سنہ ۱۵۸ھ	سنہ ۷۵۴ء	سنہ ۷۷۵ء

اسماء خلفاء	سنہ ہجری		سنہ عیسوی	
	بیعت خلافت	خلع خلافت	بیعت خلافت	خلع خلافت
المہدی محمد بن عبداللہ المنصور	ذی الحجہ سنہ ۱۵۸ھ	محرم سنہ ۱۶۹ھ	سنہ ۷۷۵ء	سنہ ۷۸۵ء
موسیٰ الہادی بن محمد المہدی	محرم سنہ ۱۶۹ھ	ربیع الاول سنہ ۱۷۰ھ	سنہ ۷۸۵ء	سنہ ۷۸۶ء
ہارون الرشید	ربیع الاول سنہ ۱۷۰ھ	جمادی الاخرہ سنہ ۱۹۳ھ	سنہ ۷۸۶ء	سنہ ۸۰۹ء
الامین	جمادی الاخرہ سنہ ۱۹۳ھ	محرم سنہ ۱۹۸ھ	سنہ ۸۰۹ء	سنہ ۸۱۳ء
المامون	محرم سنہ ۱۹۸ھ	رجب سنہ ۲۱۸ھ	سنہ ۸۱۳ء	سنہ ۸۳۳ء
المعتصم باللہ	رجب سنہ ۲۱۸ھ	ربیع الاول سنہ ۲۲۷ھ	سنہ ۸۳۳ء	سنہ ۸۴۱ء
واثق باللہ	ربیع الاول سنہ ۲۲۷ھ	ذی الحجہ سنہ ۲۳۲ھ	سنہ ۸۴۱ء	سنہ ۸۴۷ء
متوکل علی اللہ	ذی الحجہ سنہ ۲۳۲ھ	شوال سنہ ۲۴۷ھ	سنہ ۲۴۷ء	سنہ ۸۶۱ء
منتصر باللہ	شوال سنہ ۲۴۷ھ	ربیع الاول سنہ ۲۴۸ھ	سنہ ۸۶۱ء	سنہ ۸۶۲ء
مستعین باللہ	ربیع الاول سنہ ۲۴۸ھ	محرم سنہ ۲۵۲ھ	سنہ ۸۶۲ء	سنہ ۸۶۶ء
المعتز باللہ	محرم سنہ ۲۵۲ھ	رجب سنہ ۲۵۵ھ	سنہ ۸۶۶ء	سنہ ۸۶۹ء
مہتدی باللہ	رجب سنہ ۲۵۵ھ	رجب سنہ ۲۵۶ھ	سنہ ۸۶۹ء	سنہ ۸۷۰ء
معتمد علی اللہ	رجب سنہ ۲۵۶ھ	رجب سنہ ۲۷۹ھ	سنہ ۸۷۰ء	سنہ ۸۹۲ء
معتضد باللہ	رجب سنہ ۲۷۹ھ	ربیع الاول سنہ ۲۸۹ھ	سنہ ۸۹۲ء	سنہ ۹۰۲ء
مکتفی باللہ	ربیع الاول سنہ ۲۸۹ھ	ذی قعدہ سنہ ۲۹۵ھ	سنہ ۹۰۲ء	سنہ ۹۰۸ء
مقتدر باللہ	ذی قعدہ سنہ ۲۹۵ھ	شوال سنہ ۳۲۰ھ	سنہ ۹۰۸ء	سنہ ۹۳۲ء
قاہر باللہ	شوال سنہ ۳۲۰ھ	جمادی الاول سنہ ۳۲۲ھ	سنہ ۹۳۲ء	سنہ ۹۳۴ء
راضی باللہ	جمادی الاول سنہ ۳۲۲ھ	ربیع الاول سنہ ۳۲۹ھ	سنہ ۹۳۴ء	سنہ ۹۴۰ء
متقی باللہ	ربیع الاول سنہ ۳۲۹ھ	صفر سنہ ۳۳۳ھ	سنہ ۹۴۰ء	سنہ ۹۴۴ء
مستکفی باللہ	صفر سنہ ۳۳۳ھ	جمادی الاخرہ سنہ ۳۳۴ھ	سنہ ۹۴۴ء	سنہ ۹۴۵ء
مطیع باللہ	جمادی الاخرہ سنہ ۳۳۴ھ	ذی قعدہ سنہ ۳۶۳ھ	سنہ ۹۴۵ء	سنہ ۹۷۴ء



بعثت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وقت دنیا کی حالت
سنہ ۶۱۰ء اور اُس کے قریب
جزائر برطانیہ
مشرقی سلاف
مغربی سلاف
یو ر پ
حکومت اوار
حکومت فرانک
(عیسائی)
جھیل بالکش
بحیرہ ارال
تاتاری اور ترک
بحیرہ اسود
عیسائی
سلطنت
پیکنگ
سلطنت چین
ایران
ساسانی سلطنت
مجوسیت
مرد
کابل
تبت
بدھ مذہب
قنوج
آسام
برما
بدھ مذہب
خلیج بنگال
بحیرہ عرب
بحیرہ
جنوبی
چین
بورنیو
جاوا
سراندیپ (لنکا)
بدھ مذہب
سوپارہ
حضرموت
عرب
دنگولا
نوبیہ (نوبہ)
اکسوم
حبشہ
مذہب عیسوی
قوم بربر
(اصنام پرست)
طرابلس الغرب
ا فر یقہ
بحر ہند
بحر ظلمات

عہد رسالت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

وَاِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ؕ

سُبْحَانَ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ وَعَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ

وَصَلَّی اللہُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلَّمْ ؕ

ہم اپنی گزشتہ کتابوں میں بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و نبوت سے دُنیا کو آگاہ کرنے کے لئے متواتر کیسے کیسے سہمناک حوادث پیش آیا کیے، عالم میں کیا کیا نشانیاں ظاہر ہوئیں، بعثت کے وقت اللہ تعالےٰ نے کن کن معجزات و دلائل و علامات سے آپ کی تائید فرمائی مثلاً

تائیدی علامات | واقعات کے پیش آنے کی خبر، وقوع سے پیشتر۔

تھوڑے کھانے سے بہتوں کو کھلا دینا۔

بادل کا برسنا۔

دستِ (گوسفند) کا باتیں کرنا۔

کھاری پانی کو میٹھا بنانا۔

تھوڑے پانی سے بہتوں کو سیراب کرنا، وغیرہ، (یہ تمام باتیں تصنیفاتِ سابقہ میں بہ تفصیل مذکور ہیں)

(پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ) آپ ایک قرآن لیے ہوئے تشریف لائے جو (خود) معجزہ ہے اور جس کی مثال پیش کرنے سے تمام مخلوق عاجز رہی۔

سب کو آپ تحدّی (چیلنج) کرتے رہے مگر مقابلے میں سب عاجز نکلے۔

(غرض کہ پہلے یہ سب واقعات آچکے ہیں) اب اس کتاب میں دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت

نہیں، کیونکہ اس کتاب کی لازمی شرط اختصار ہے۔

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر اس تاریخ کا انحصار رکھا ہے اور اب ہم یہیں سے شروع کرتے ہیں :۔

سلسلۂ نسب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مبارک محمدؐ (ہے) بن عبداللہ ابن عبدالمطّلب، بن ہاشم، بن عبدِمناف، بن قصّی، بن کلاب، بن مُرّہ، بن کعب بن لُوَی بن غالب، بن فہر، بن مالک، ابن النّضر، بن کنانہ، ابن خزیمہ، بن مُدرِکہ، بن الیاس، بن مُضر، بن نزار، بن مُعدّ (بن عدنان)۔

آنحضرت علیہ السلام کے سلسلۂ نسب میں "مُعد" سے ہم محض اس لیے آگے نہیں بڑھے کہ آپ نے اس کی ممانعت کی ہے اور فرمایا ہے کہ نسب کی روایت کرنے والے اس سے آگے سلسلہ ملانے میں جھوٹ بولتے ہیں۔

مُعدّ اور (حضرت) اسماعیل بن ابراہیم (علیہما السلام) کے درمیان (کتنی پشتیں گزریں) اس میں بہت سے اختلاف ہیں، تعداد میں بھی اختلاف ہے اور ناموں میں بھی، موزوں اور قطعی امر جو محلّ نزاع نہیں، یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا سلسلۂ نسب مُعدّ بن عدنان تک مسلسل پہنچتا ہے، ہم اس کی انتہائی تشریح اور اس باب میں جتنے وجوہ بیان کیے گئے ہیں سب کا مفصل تذکرہ "کتاب الاستذکار لماجری فی سالف الاعصار" میں کر چکے ہیں۔

جیسا کہ مشہور و معروف ہے معد کا سلسلۂ نسب (حضرت) اسماعیل بن ابراہیم (علیہما السلام) تک جس طریق پر پہنچتا ہے اور (حضرت) ابراہیم و (حضرت) آدم (علیہما السلام) کے درمیان جتنی پشتیں ہیں بحسبِ تذکرۂ اہل کتاب و علمائے انساب، اُسی کتاب میں پہلے ہم یہ بھی لکھ چکے ہیں۔

ولادت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیّت ابوالقاسم تھی، آپ کی والدہ آمنہ تھیں بنت وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب، عام الفیل میں ماہِ ربیع الاول آٹھ راتیں گزر چکی تھیں کہ آپ پیدا ہوئے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ دس راتیں گزر چکی تھیں۔

(عام الفیل :۔ وہ سال جس میں ابرہہ نے ہاتھی لے کر کعبۂ شریف پر چڑھائی کی تھی اور قدرتِ کاملہ نے "طیراً ابابیل" کے ذریعہ اُس کو ہلاک کیا تھا، سنۂ ہجرت سے بیشتر تقریباً نصف صدی تک عرب میں یہی واقعہ تاریخی سنہ شمار ہوتا تھا، عام :۔ سنہ و سال)

یہ دے ماہ سنۂ ۱۳۱۷ ۔ ابتدائے مملکتِ بخت نصر کی آٹھویں تاریخ، نیسان سنۂ ۸۸۲۔

اسکندر بن فیلپس پادشاہ کی بیسویں تاریخ تھی اور نوشیرواں خسرو بن قباذ بن فیروز بادشاہ (ایران) کا اُنتالیسواں سالِ (جلوس) تھا۔

یہ واقعہ مکّہ میں اصحابِ فیل کی آمد کے پینسٹھ (۶۵) دن بعد کا ہے، اور اس سے کم مدت بھی بیان کی گئی ہے۔

محرم کی پانچ شبیں گزر چکی تھیں کہ یکشنبہ کو مکّہ میں اصحابِ فیل کی آمد کا واقعہ پیش آیا تھا۔

آنحضرت علیہ السلام ہنوز بطنِ مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب انتقال کر گئے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ:۔

(۱) اُن کا انتقال آپ کی ولادت کے بعد ہوا۔

(۲) آپ کی ولادت کے ایک ماہ بعد وفات پائی۔

(۳) ولادت کے دوسرے سال وفات پائی۔

(۴) ولادت کے اٹھائیس مہینے بعد وفات پائی[۱]۔

وہ تجارت کی غرض سے مُلکِ شام کو چلے تھے کہ مدینہ میں انتقال کر گئے، اُس وقت وہ پچیس سال کے تھے۔

رضاعت دودھ پلانے کے لئے آنحضرت علیہ الصّلاۃ والسّلام حلیمہ بنتِ ابی ذُوَیب کے سپرد ہوئے، ابو ذُوَیب کا نام عبداللہ تھا، ابن الحارث ابنِ شجنہ بن جابر بن رِزام بن ناصرہ بن قُصَیّہ بن نصر بن سعد بن بکر بن ہوازن۔

حلیمہ نے آنحضرت کو اپنی اولاد، عبداللہ، شیماء، اور اُنیسہ کا دودھ پلایا، جن کے والد (یعنی حلیمہ کے شوہر) حارث تھے ابنِ عبدالعزّیٰ ابن رفاعہ بن ملاّن بن ناصرہ بن قُصَیّہ بن نصر بن سعد بن بکر۔

یہ شیماء وہی ہیں جو بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھائے ہوئے (کھلا رہی) تھیں کہ آنحضرتؐ نے اُن کے مونڈھے پر دانت سے کاٹا تھا۔

غزوۂ حُنَین میں قبیلۂ ہوازن کو جب شکست ہوئی اور اُن کے مال و اسباب واولاد و ذرّیات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاوی ہو گئے تو شیماء آنحضرتؐ کے پاس آئیں، عاطفت

---

[۱] طبری، ابن اسحٰق، اور ابن خلدون وغیرہ نے یہی لکھا ہے کہ عبداللہ ابن عبدالمطلب کا انتقال حضور کی پیدائش سے پہلے ہی مدینہ منوّرہ میں ہو گیا تھا اور تواتر سے یہی روایت بیان کی جاتی ہے۔ اس لئے باقی روایات کو ضعیف سمجھا جائے گا۔

ومہربانی کی خواستگار ہوئیں۔ وہ باتیں یاد دلائیں، اور دانت سے کاٹنے کا نشان دکھایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہچان لیا، اور یہ بھی ایک سبب تھا کہ آنحضرتؐ نے اور تمام بنی ہاشم و بنی المطلب بن عبد مناف نے اُس مالِ غنیمت و اسیرانِ جنگ میں سے جو کچھ اُن کے حصّے میں آیا، واپس کر دیا، صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سلوک دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے اپنے حصّے واپس کر دیئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحالتِ شیر خوارگی چار برس تک انھیں لوگوں میں رہے، پانچویں سال حلیمہ آپ کو لے کے آمنہ کو دے آئیں۔

طفولیت ساتویں سال ملاقات کے لیے آنحضرتؐ کی والدہ آپؐ کو آپؐ کے دادا عبدالمطلب بن ہاشم کی ننھیال والوں کے ہاں، جو خاندانِ عدی بن نجار کے لوگ تھے، لے کر گئیں۔

عبدالمطلب کی ماں سلمیٰ تھیں، بنت زید بن عمرو بن لبید بن حرام ابنِ خداش بن جُندب بن عدی بن النجار۔

مقامِ ابواء میں آنحضرتؐ علیہ السلام کی والدہ نے انتقال کیا اور اُمّ ایمن کہ اسامہ بن زید بن حارث کی ماں تھیں آنحضرت کو مکّہ لے آئیں۔

ناصیۂ نبوّت ولادتِ نبوی کے آٹھویں سال آنحضرتؐ کے دادا عبدالمطلب انتقال کر گئے، ابو طالب نے اپنے ساتھ آپ کو شامل کر لیا[1]، اُنھیں کے آغوش میں آپؐ (تربیت پاتے) رہے تا آں کہ تیرہ برس کے ہوئے، ابو طالب آپ کو لیے ہوئے تجارت کرنے کے لئے مُلک شام کو چلے (راستے میں)، بحیرا راہب نے آپ کو دیکھا، نبوّت کی بشارت دی، اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی علامتیں بتائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگِ فجار و حلف الفضول میں بھی شریک ہوئے، جیسا کہ ہم اسی کتاب کے حصّۂ اولیٰ میں بیان کر چکے ہیں، اُس وقت آپ کی عمر بیس برس کی تھی[2]۔

---

[1] ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپؐ کے دوسرے چچا زبیر نے آپ کی پرورش کی تھی۔

[2] حرب فجار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن میں لڑی گئی تھی۔ اس موقعہ پر آپ کے سن شریف کے بارے میں تین روائتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ابن ہشام نے دو روائتیں دی ہیں۔

پہلی روایت یہ ہے کہ "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف چودہ پندرہ سال کی ہوئی تو حرب فجار کا واقعہ پیش آیا" (باقی حاشیہ صفحہ ۳۹ پر)

آنحضرت علیہ السلام جب پچیس برس کے ہوے تو خدیجہؓ کے لئے بغرضِ تجارت ملک شام کو روانہ ہوے (خدیجہ بنتِ خویلد بن اسد ابن عبد العزیٰ بن قصیّ بن کلاب) ساتھ میں خدیجہ کے غلام میسرہ بھی تھے (اثنائے راہ میں) نسطور راہب نے دیکھا کہ ابرِ (رحمت) آپ پر سایہ کئے ہوے ہے اور (نبوت) کی نشانیاں آپ سے ظاہر ہو رہی ہیں، نسطور نے یہ دیکھ کر آپ کے پیغمبر ہونے کی بشارت دی[۱]۔

غلام واپس آیا تو اُس نے خدیجہؓ کو ان باتوں کی خبر دی، اُنھوں نے آنحضرتؐ کے پاس نکاح کا

(بقیہ حاشیہ ۳۸ کا) دوسری روایت یہ ہے کہ "جب یہ جنگ ہوئی حضور کی عمر شریف بیس[۲] برس کی تھی"۔

لیکن ابن خلدون نے بیان کیا ہے کہ "شادی کے وقت آنحضرت کی عمر پچیس[۲۵] برس کی تھی اور اس وقت جنگ فجار کو پندرہ سال گذر گئے تھے"۔

حضور کے اس ارشاد کی روشنی میں کہ میں اس جنگ میں اپنے چچاؤں کو وہ تیر اٹھا اٹھا کر دیتا تھا جو دشمن کی طرف سے آتے تھے اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آپ اس وقت کم سن تھے اگر عمر شریف بیس[۲] سال ہوتی تو جنگ میں عملاً حصہ لیتے۔ صرف تیر اٹھانے پر اکتفا نہ کرتے اس طرح دوسری روایت قابل قبول نہیں رہتی۔ پہلی روایت کا انداز بھی ظنی معلوم ہوتا ہے محاورہ کے مطابق چودہ پندرہ سال کہہ دیا اس سے قطعیت کا اظہار نہیں ہوتا۔ ابن خلدون نے اس بات کو وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے اس لئے یہی درست معلوم ہوتا ہے یعنی جنگ فجار کے وقت حضور کا سن شریف دس سال تھا۔

جنگ فجار ۵۸۰ء میں بنو قیس عیلان اور قریش و کنانہ کے درمیان ہوئی تھی جنگ کے مختصر واقعات اس طرح بیان کئے جاتے ہیں کہ سنہ مذکور میں حیرہ کے بادشاہ نعمان بن منذر نے عکاظ کے میلے میں کسی ذمہ دار شخص کی نگرانی میں کچھ مال تجارت بھیجنا چاہا۔ بنو کنانہ کے ایک شخص براض بن قیس نے اس خدمت کے لئے خود کو پیش کیا لیکن یہ ذمہ داری بنو قیس کے ایک شخص عروۃ الرحال کو سونپ دی گئی اس پر براض نے جوش انتقام میں عروہ کو قتل کر دیا۔ جب عکاظ کے بازار میں عروہ کے قبیلہ کے لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ بدلہ لینے کے لئے بنو کنانہ پر حملہ آور ہوئے۔ قریش نے بنو کنانہ کا ساتھ دیا۔ قریش کی قیادت حرب بن امیہ (حضرت امیر معاویہؓ کے دادا) کے سپرد تھی۔ انہوں نے کبر سنی کے باوجود نہایت شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کیا اس جنگ میں حضور بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ شریک تھے۔

بہرحال اس جنگ میں کافی کشت و خون ہوا۔ پہلے بنو قیس کا پلہ بھاری دکھائی دیتا تھا لیکن بعد میں قریش کے غیر معمولی جوش کی وجہ سے بنو قیس کو ہزیمت ہوئی اور اس قبیلے کے بہت سے آدمی مارے گئے آخر اس شرط پر صلح ہوگئی کہ جس فریق کے زیادہ آدمی مارے گئے ہوں اس کو خوں بہا دیا جائے۔ مقتولین کو شمار کیا گیا تو پتہ چلا کہ بنو قیس کے ۲۰ آدمی زیادہ قتل ہوئے ہیں چنانچہ شرط کے مطابق قریش اور بنو کنانہ کے سرداروں نے خوں بہا ادا کیا اور اس طرح فریقین کے دلوں کی کدورت دور ہوگئی۔ چونکہ یہ جنگ ان مہینوں میں ہوئی جن میں لڑنا منع تھا اس لئے اس کا نام حرب فجار ہوگیا۔ [۱] یہ روایت ضعیف ہے۔

پیغام بھیجا اور آنحضرت علیہ السلام نے نکاح کر لیا۔

جب پورے پینتیس برس کے ہوئے تو بنائے خانۂ کعبہ میں شرکت فرمائی، قبائل قریش میں، حجرِ اسود کو اُٹھا کر اُس کے مقام پر نصب کرنے میں بڑا تنازعہ پیدا ہو گیا تھا، آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سب نے اپنی اپنی رضامندی ظاہر کی اور آنحضرت علیہ السّلام نے اُسے اُٹھا کے جہاں کا تہاں رکھ دیا۔

بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چالیس برس کے ہوئے تو خدائے بزرگ و برتر نے آپ کو تمام انسانوں کی جانب اپنا پیغامبر بنا کے بھیجا، یہ واقعہ دوشنبہ کا ہے۔ جب کہ ربیع الاوّل کی دس شبیں گزر چکی تھیں، مطابق ۲۳-آبان ماہ سنہ ۱۳۵۷ سلطنت بختِ نصر، و ۸-ماہ شباط سنہ ۹۲۱ء-اسکندری اُس وقت آنحضرت علیہ السلام کی عمر چالیس برس کی تھی۔

اس بات پر تو سب متفق ہیں کہ عورتوں میں پہلے پہل آنحضرت سلام اللہ علیہ پر (حضرت) خدیجہ (رضی اللہ عنہا) ایمان لائیں مگر اس امر میں اختلاف ہے کہ مردوں میں پہلے پہل کون صاحب آپ پر ایمان لائے تھے۔

اوّل المومنین ایک فرقہ کہتا ہے کہ مردوں میں پہلا شخص جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا وہ (حضرت) علی بن ابی طالب تھے (رضی اللہ عنہ) یہ اہلِ بیت و شیعۂ اہلِ بیت کا قول ہے اور عبد اللہ ابن عباسؓ بن عبد المطلب و جابر بن عبد اللہ انصاری و زیدؓ بن ارقم وغیرہم نے بھی اس کی روایت کی ہے۔

اس باب میں اختلاف ہے کہ جب آپ اسلام لائے ہیں تو اُس وقت آپ کی عمر کیا تھی۔

ایک فرقہ کہتا ہے کہ اُس وقت آپ کی عمر پندرہ برس کی تھی، دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ تیرہ برس کی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ (اُس وقت آپ)

(۱) گیارہ برس کے تھے۔

(۲) نو برس کے تھے۔

(۳) آٹھ برس کے تھے۔

(۴) سات برس کے تھے۔

(۵) چھ برس کے تھے۔

(۶) پانچ برس کے تھے۔

یہ آخری قول اُن لوگوں کا ہے جو آپ کے فضائل کو مٹانا اور مناقب کو میٹنا چاہتے ہیںؒ، غرض یہ ہے کہ آپ کے اسلام کو ایک چھوٹے لڑکے اور نادان بچے کا اسلام بنادیں جو نہ تو زیادتی و کمی کے درمیان فرق کر سکے، نہ شک و یقین کے مابین امتیاز رکھتا ہو، نہ حق کو پہچانتا ہو کہ اُسے طلب کر سکے اور نہ باطل کو جانتا ہو کہ اُس سے بچ سکے۔

اس باب میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں ہم اُن میں سے چند جملے وہاں درج کریں گے جہاں آپ کی خلافت اور وفات کا ہم نے تذکرہ کیا ہے، اگرچہ ہم اپنی پچھلی کتابوں میں یہ سب کچھ وضوح و شرح و بسط سے بیان کر چکے ہیں ان میں سے ہر ایک فرقے کے اقوال بھی نقل کر دیے ہیں، اپنے مذہب کی جس نے جو دلیل دی ہے اور اپنے قول کی تصحیح میں جو ثبوت پیش کیے ہیں، سب کا بیان آچکا ہے۔

ؒ متواتر اور صحیح روایت یہ ہے کہ اُس وقت حضرت علیؓ کی عمر ۱۰ سال تھی۔ جس طرح مصنف نے اُن لوگوں پر جو آپ کی عمر پانچ، چھ برس کی بتاتے ہیں یہ الزام لگایا ہے کہ یہ لوگ عمر کو کم کر کے آپ کے فضائل کو مٹانا چاہتے ہیں، اسی طرح وہ لوگ بھی اُن مورخین اور راویوں کے بارے میں جو آپ کی عمر پندرہ برس بیان کرتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ اِس سے اُن کا مقصد یہ ہے کہ وہ آپ کے فضائل کو بڑھائیں اور یہ باور کرائیں کہ آپ نے دین اسلام سن بلوغ کو پہنچ کر قبول کیا، ایک نادان اور ناسمجھ بچے کی حیثیت سے نہیں جو لوگ حضرت علیؓ کی عمر ۵، ۶ سال کی بتاتے ہیں اُن کا کہنا ہے کہ خود اُنھوں نے ایک موقعہ پر بیان کیا تھا کہ میں نے سب سے پہلے ۲۰ سال کی عمر میں تلوار چلائی۔ اور وہ پہلا موقعہ جب انھوں نے تلوار چلائی غزوہ بدر کا تھا جو ۲ھ میں ظہور پذیر ہوا اُس وقت حضرت علی کو ایمان لائے تقریباً پندرہ سال ہو چکے تھے لہذا قبول اسلام کے وقت عمر ۵، ۶ سال کی ہوئی۔

بہرحال جیسا کہ کہا جا چکا ہے اِن بہت سی روایتوں میں صحیح روایت تو ۱۰ سال ہی کی ہے۔ لیکن کم یا زیادہ عمر کی کسی روایت کو قبول کرنے سے بھی کچھ فرق نہیں پڑتا ہے۔ حضرت علیؓ کے جو فضائل و مناقب ہیں اُن میں عمر کی کمی یا بیشی سے کوئی زیادتی یا کمی نہیں ہوتی۔ وہ یقیناً سابقون الاولون میں سے ہیں۔ لوگوں نے ایک دوسرے کی مخالفت اور ضد میں روایتوں کے انبار لگا دیے ہیں اور بے وجہ افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ مثلاً ابن اثیر کی یہ روایت کتنی بے بنیاد اور وضعی ہے۔ کہ حضرت علیؓ نے فرمایا:۔

"میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ میں رسول اللہ کا بھائی ہوں۔ میں صدیق ہوں۔ میں صدیق اکبر ہوں۔ میرے علاوہ جو کوئی خود کو صدیق کہے وہ جھوٹا ہے"

کیا رسول کی زبان سے یہ لاف و گزاف اور قرابت داری اور حسب نسب پر اس قسم کا فخر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور کیا اس قسم کی باتیں ان مقدس ہستیوں سے منسوب کر کے اُنکے فضائل کو بڑھایا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقولہ کسی دشمن دین کا ہے جو فضیلت کی بنیاد قرابتداری کو قرار دیتا ہے۔ اور حضرت علیؓ جیسی عظیم ہستی کی زبان سے ایسی گھٹیا بات کہلا کر کہ میرے علاوہ جو کوئی صدیق ہونے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔ درپردہ حضرت ابوبکر صدیقؓ پر سب و شتم کر جاتا ہے (نعوذ باللہ)

اختلافاتِ شیعہ وغیرہم

معتزلۂ بغداد جو مفضول کی امامت کے قائل ہیں ان میں عثمانی و زیدی فرقوں کے متکلمین اور اُن کے علاوہ دوسرے شیعہ فرقوں میں مثلاً فرقۂ تُبریہ، فرقۂ زیدیہ اور فرقۂ قطعیہ میں جو اختلافات ہیں، مصنفاتِ سابقہ میں اُن کی تفصیل آچکی ہے۔

روایت شیعۂ قطعیہ

فرقۂ قطعیہ ائمۂ اثناعشر ہی کی امامت کا قطعی طور پر قائل ہے، اُنھوں نے امامت کو دوازدہ امام کی (مشہور) تعداد تک منحصر کر رکھا ہے، اس انحصار کی بُنیاد اُس روایت پر ہے جو سُلَیم بن قیس الہلالی نے اپنی کتاب میں درج کی ہے اور ابان بن عیاش نے یہ کتاب اُن سے روایت کی ہے۔

روایت مذکورہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ "تم اور تمہاری اولاد کے بارہ شخص امامِ برحق ہیں"۔

لیکن یہ جُز بجز سُلَیم بن قیس کے اور کسی نے روایت نہیں کی ہے۔

مہدئ آخرالزماں

اس وقت کہ ہماری کتاب اس تاریخ میں لکھی جارہی ہے فرقۂ قطعیہ کے امام جن کے ظہور کے وہ منتظر ہیں، محمد بن الحسن بن علی بن محمد ابن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہیں، رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اصحاب النسق

فرقۂ شیعہ میں جو لوگ اصحابِ نسق ہیں وہ اس امر کے قائل ہیں کہ خدائے بزرگ و برتر کسی زمانے کو امام سے خالی نہیں رکھتا جو اللہ تعالےٰ کے لئے کسی نہ کسی حق ظاہر یا حقِ باطن پر قائم رہتا ہے ایمہ کی ان لوگوں نے نہ کوئی قطعی تعداد محدود کی ہے اور نہ امامت کے لئے کسی معیّن و مفہوم وقت پر انحصار رکھا ہے، وہ اس کو خدا و رسول کا نص کہتے ہیں کہ ہر امام و ہر عینِ امام کی امامت (ہر زمانے میں) خدا و رسول نے منصوص کردی ہے، تا آنکہ اللہ تعالیٰ زمین اور اُس کے باشندوں کو فنا کردے۔

(عینِ امام: ۔ حُجّت یا داعی جو خود امام نہ ہوں مگر بمنزلۂ امام سمجھے جائیں)

یہ لوگ قطعیہ کے نام سے اس لیئے نامزد ہوے کہ موسیٰ بن جعفر (رضی اللہ عنہما و عن آبائہما الطاہرین) کی وفات کا یہ قطعی عقیدہ رکھتے ہیں اور امامت کو انہیں تک متوقف رہنے کا اعتقاد اُنہوں نے چھوڑ رکھا ہے۔

ان کے علاوہ جو دوسرے شیعی فرقے ہیں اور وہ تمام لوگ جو انتخاب امام کے قائل ہیں

کہ تمام اُمت کو یا اُمت کے کچھ لوگوں کو خلیفہ منتخب کرنے کا حق حاصل ہے، فرقۂ معتزلہ، فرقۂ مرجیہ، خوارج کے فرقے، ازارقہ، اباضیہ، صفریہ، اہلِ نجدات، اور خوارج کے باقی فرقے کہ ان کا مرجع بھی یہی فرقے ہیں اور وہ بھی انہیں سے نکلے ہیں، فرقۂ نابتہ و فرقۂ حشویہ وغیرہ فقہائے ممالک کے فرقے حضرت علی کی امامت و اوّلیت میں جو اختلاف رکھتے ہیں ہماری گذشتہ کتابیں اُن سب پر حاوی ہیں۔

تتمۂ اقوالِ اوّلیتِ ایمانی

دوسری روایت یہ ہے کہ مردوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پیشتر جو ایمان لائے وہ ابوبکر صدیق علیہ السلام تھے۔ یہ روایت (۱) عمروؓ بن عَبَسَہ (۲) جُبیرؓ بن نُفیر (۳) ابراہیم نخعی، اور اور راویوں سے مروی ہے۔

دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اوّل اوّل آپ کے آزاد غلام زید بن حارثہؓ کلبی ایمان لائے، یہ روایت زہریؒ و عُروہؓ ابن زبیر و سلیمان بن یسار وغیرہم سے مروی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اوّل المسلمین خبابؓ بن اَرَت ہیں جو سعد بن زید مناۃ بن تمیم کی اولاد میں تھے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ بلالؓ بن حمامہ ہیں۔

ایامِ قیامِ بیت الحرام

بعثت کے بعد رسول اللہ علیہ وسلم تیرہ برس مکہ میں مقیم رہے آپ کے چچا ابوطالب نے جن کی عمر اَسّی (۸۰) برس سے چند سال اوپر تھی اور آپ کی بیوی خدیجہؓ بنتِ خُوَیلد رضی اللہ عنہا نے جو پینسٹھ (۶۵) برس کی تھیں، بعثت کے دسویں سال وفات پائی، ان دونوں حوادث میں تین دن یا بقول بعض اس سے زیادہ کا فصل تھا، اور یہ واقعات اُس وقت کے ہیں جب صحیفہ ناکارہ ہو چکا ہے،

بنی ہاشم و بنی المطلب شعب کے محاصرہ سے باہر نکل چکے ہیں تو اُس کے ڈیڑھ برس بعد ان حوادث کا ظہور ہوا، شعب کے محاصرہ میں، بہ اختلافِ اقوال، یہ سب لوگ تین برس تک، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دو برس تک، محصور رہے تھے، اسی سال کہ ولادتِ نبوی کا پچاسواں سال تھا، طائف میں آنحضرت صلواۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے۔ سنہ ۵۱ ولادتِ نبویؐ میں اسراء واقع ہوا جس کی کیفیت میں اسلامی فرقوں کو اختلاف ہے۔

سنہ ۱ ہجرت — ہجرت کا پہلا سال

ان واقعات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ہجرت فرمائی، ماہ ربیع الاول کی بارہ شبیں گزر چکی تھیں، دوشنبہ کا دن تھا، کہ آپ وہاں داخل ہوئے، اُس وقت آپ ترپن (۵۳) برس کے تھے، یہ واقعہ کسریٰ پرویز کے چونتیسریں سال جلوس کا ہے۔

آنحضرت علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ میرے بعد وہیں ٹھہر کر مکہ میں لوگوں کی کچھ امانتیں جو آنحضرت کے پاس تھیں آپ کی طرف سے واپس کر دیں، حضرت علیؓ آپ کے تشریف لے جانے کے تین دن بعد تک ٹھہرے رہے، تاآں کہ جو امانتیں آپ کے پاس تھیں سب واپس کر کے آنحضرت سلام اللہ علیہ کے ساتھ شامل ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہجرت فرمانے سے پیشتر ہی اپنے اصحابؓ کو مدینہ میں ہجرت کرنے کا حکم دے رکھا تھا، صحابہؓ ایک ایک دو دو کر کے ہجرت کرتے رہے جن میں (۱) ابو سلمہؓ عبداللہ ابن اسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم (۲) عامرؓ بن ربیعہ (۳) عبداللہؓ بن جحش الاسدی (۴) عمرؓ بن الخطاب (۵) عیاش ابن ابی ربیعہ، سب سے پہلے مدینہ پہونچے تھے۔

اسلام کی پہلی مہم

مدینہ تشریف لانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا جھنڈا جو مرتب کیا وہ حمزہؓ بن عبدالمطلب کے لئے تھا۔

یہ واقعہ ماہِ رمضان کا ہے جب کہ آنحضرت کو مدینہ میں تشریف لائے ہوئے سات مہینہ گزر چکے تھے۔

تیس مہاجرین جو سب کے سب سوار تھے، حمزہؓ کے ساتھ کیے کہ علاقۂ جُہینہ کے مقام عیص میں پہنچ کے قریش کے ایک قافلہ سے متعرض ہوں جو شام سے آرہا تھا اور مکہ واپس جا رہا تھا۔

ابوجہل عمر بن ہشام بن مُغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ ابن مُرّہ بن کعب ابن لوی بن غالب کہ سرغنۂ قافلۂ قریش تھا، حمزہؓ اُس کے مقابل آئے، مکہ کے تین سو آدمی اُس کے ساتھ تھے، مگر بغیر جنگ کئے ہٹ گئے، اسی واقعہ کے متعلق حضرت حمزہؓ کہتے ہیں:-

بِاَمْرِ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَوَّلُ خَافِقٍ

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سب سے پہلا جنبش کرنے والا شخص)

عَلَيۡهِ لِوَاءٌ لَمۡ يَكُنۡ لَاحَ مِنۡ قَبۡلِيۡ

(جس کے سر پر جھنڈا لہرا رہا ہو، مجھ سے پیشتر کوئی ظاہر نہیں ہوا تھا)

سریۂ علبیدہ

یہ سب ہو چکا تو مقام رابغ کی طرف سریۂ علبیدہؓ بن حارث بھیجنے کی نوبت آئی (یعنی یہ مہم جو بھیجی گئی اس کے سرگروہ علبیدہؓ تھے) مدینہ سے جو قُدَیۡد جانا چاہے تو (اس کے راستہ میں) جُحۡفہ سے دس میل کے فاصلہ پر رابغ ملتا ہے، یہ واقعہ ماہ شوال کا ہے جب کہ مدینہ میں آنحضرت صلواۃ اللہ علیہ کو تشریف لائے ہوئے آٹھ مہینے گزر چکے تھے۔

احیاء کے نام سے جو آب گیر مشہور ہے وہیں ابوسفیان صخر بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس بن عبد مناف سے علبیدہؓ کی مڈبھیڑ ہوئی، ابوسفیان کے ساتھ دو سو اور علبیدہؓ کے ساتھ ساٹھ سوار تھے جو سب کے سب صحابۂ مہاجرین تھے، باہم تیر اندازی تو ہوئی مگر تلواریں کھینچنے کی نوبت نہ آئی، اسلام میں پہلے پہل جس نے جنگ میں تیر چلایا وہ سعدؓ تھے، ابن ابی وقاص بن مالک بن وہیب بن عبد مناف ابن زہرۃ بن کلاب، یہ تیر اسی مہم میں چلایا گیا تھا اسی باب میں سعدؓ کہتے ہیں:۔

أَلَا هَلۡ أَتَى رَسُوۡلَ اللّٰهِ إِنِّيۡ حَمَيۡتُ صِحَابَتِيۡ بِصُدُوۡرِ نَبۡلِيۡ

(آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ خبر پہونچی ہے کہ میں نے اپنے تیر کی سری سے اپنے ساتھیوں کی حمایت و حفاظت کی ہے)

فَمَا يَعۡتَدُّ رَامٍ فِيۡ مَعَدٍّ

(قبیلۂ معد یعنی قریش میں کوئی (ایسا تیر انداز نہیں)

بِسَهۡمٍ يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ قَبۡلِيۡ

جس نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پیشتر ایک تیر بھی چلایا ہو جو کسی شمار و قطار میں آسکے

اُمّ المومنین عائشہؓ صدیقہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہؓ بنت ابی بکرؓ کے ساتھ (اسی سال کے) ماہِ شوال میں زفاف فرمایا۔ عائشہؓ اُس وقت نو برس کی تھیں، اور (بروایت ضعیف) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے بھی کمسن تھیں۔

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ میں اُن کے ساتھ نکاح کیا تھا جب کہ اُن کی عمر سات برس تھی، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ (بوقتِ نکاح) اس سے بھی کم عمر یعنی چھ برس کی تھیں[1]۔

سریۂ سعدؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے نو مہینہ بعد سریۂ سعدؓ ابن ابی وقاص کا واقعہ پیش آیا، یہ ماہ ذی القعدہ کی بات ہے۔

اس مہم میں بیس آدمی تھے اور مقام خرّار کو روانہ ہوئے تھے جو علاقۂ جُحفہ میں مقام خم کے قریب واقع ہے۔

مہم کی غرض یہ تھی کہ قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ تعرض کیا جائے، سعدؓ اس مقام پر پہونچے مگر وہ قافلہ اُن سے پیشتر روانہ ہو چکا تھا۔

اوّلین مولود دار الہجرۃ

اسی سال عبداللہؓ بن الزبیرؓ بن العوام پیدا ہوئے، دار الہجرۃ (مدینۂ مبارکہ) میں صحابۂ مہاجرین کے جو لڑکے پیدا ہوئے اُن سب میں یہی اوّلین مولود تھے، نعمانؓ بن بشیر انصاری بھی اسی طرح پہلے لڑکے تھے جن کا تولد انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے میں ہجرتِ نبوی کے بعد ظہور پذیر ہوا۔

ابو اُمامہ اسعد بن زرارہ خزرجی نے کہ بنی غنم بن مالک بن النجّار کے خاندان میں تھے، اسی سال وفات پائی، اور عبداللہ بن سلام اسی سال اسلام لائے۔

(نعمانؓ بن بشیر انصاریؓ کی ولادت دوسرے سال ہجرت کی ہے، یہاں محض استطراد کے طریق پر اولیت کی مناسبت سے تذکرہ ہوا ہے)۔

---

[1] مصنف نے کم عمر کی روایتوں کو تو پیش کر دیا ہے لیکن زیادہ عمر کی کوئی روایت نہیں لی۔ حالانکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ نکاح کے وقت عمر ۹ سال اور رخصت کے وقت چودہ سال تھی۔ خود حضرت عائشہ سے یہ بھی روایت ہے کہ میری بڑی بہن اسماء جو ۷۳ھ میں تقریباً سَو سال کے سن میں فوت ہوئیں) مجھ سے دس سال بڑی تھیں۔ اس حساب سے ہجرت کے وقت حضرت اسماء کی عمر ۲۷ سال اور حضرت عائشہ کی ۱۷ سال ہوئی گویا آپ کی رخصتی ۱۷، ۱۸ سال عمر میں ہوئی۔ طبری کے اس بیان سے بھی کہ حضرت ابوبکرؓ کی چار اولادیں عبداللہؓ، اسماءؓ، عبدالرحمنؓ، اور عائشہؓ زمانۂ جاہلیت میں پیدا ہوئیں۔ یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شادی کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر کم از کم پندرہ سال تھی۔

سنۃ الامر ہجرت کا دوسرا سال

(یہ سال سنۃ الامر (حکم والے برس) کے نام سے اس لئے مشہور ہے کہ اسی میں قتال مشرکین و کفار کے ساتھ جنگ و جہاد کا حکم ہوا)۔

ماہ صفر ۲ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ کو تشریف لے چلے، تا آں کہ مقام ودّان و مقام ابواء تک پہونچ گئے، ان دونوں مقامات کے درمیان آٹھ میل کا فاصلہ ہے۔

آنحضرت علیہ السلام کے ساتھ اس غزوہ میں خاصکر صحابۂ مہاجرین ہی تھے، قریش کے ایک (تجارتی) قافلہ سے تعرض مقصود تھا، مگر اس کی نوبت نہ آئی، آخر آنحضرت نے مراجعت فرمائی۔

پندرہ شبیں آپ مدینہ سے (باہر رہے تھے، اور ایام غیبت میں) سعدؓ بن عبادۃ ابن دُلیم الانصاری ثمّ الخزرجی کو آپ نے مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا۔

اسی مہینہ میں امیرالمومنین علیؓ بن ابی طالب نے فاطمہؓ (بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم) سے نکاح کیا۔

غزوۂ بُواط

ماہ ربیع الاوّل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بُواط کے لئے روانہ ہوئے، دوسو (صحابہؓ) آپ کے ساتھ تھے، اور قریش کے ایک قافلہ سے تعرض کرنا مقصود تھا۔

اس قافلہ میں ڈھائی ہزار اونٹ تجارتی سامان سے لدے ہوئے تھے، قریش کے سنو آدمی قافلہ میں موجود تھے جن میں اُمَیّہ ابن خَلَفِ جُمَحی کا شمار بھی ہے، لیکن یہ قافلہ نہ مل سکا، آنحضرت سلام اللہ علیہ واپس آگئے اور مُڈ بھیڑ کی نوبت نہیں آئی۔

علاقہ جُہینَہ کی پہاڑیوں میں سے بُواط بھی ایک پہاڑی ہے جو ملک شام کے راستہ میں علاقۂ ذی خُشُب کے نواح میں واقع ہے، بُواط اور مدینہ کے درمیان آٹھ چوکیوں کی مسافت ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے کم فاصلہ ہے۔

مدینہ میں آنحضرتؐ نے سعدؓ بن معاذ کو اُن دنوں، اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔

غزوہ بطلب کُرز بن جابر

اسی مہینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کُرز بن جابر الفِہری کی تلاش میں غزوہ فرمایا جس نے

مقام عقیق کے نواح میں مدینہ کے موضع سرح پر تاخت کی تھی۔ (تحقیق یہ ہے کہ دراصل اس مقام کا نام سرح بسین مہملہ و حاء حُطّی نہیں ہے۔ بلکہ "شرج" بشین و جیم منقوطہ ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام سفوان تک (تجسس کرتے) چلے گئے جو علاقۂ بدر میں شامل ہے، کرز جو سرح ہی میں تھا آنحضرت سے بچ گیا، آخر آپ نے مراجعت فرمائی۔

مدینہ میں آپ نے اپنے آزاد غلام زیدؓ بن حارثہ بن شراحیل الکلبی ثمّ الکنانی کو (ایام غیبت میں) اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا، زیدؓ کو "الکنانی" اس لئے کہتے ہیں کہ خاندان کنانہ سے اُن کو نسبت ہے، کنانہ بن عوف ابن عذرہ بن زید اللات بن رُفیدہ بن ثور بن کلب بن ذبرہ بن تغلب ابن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ۔

بعض لوگوں نے اس غزوہ کا نام "غزوۂ بدرِ اولیٰ" (یعنی آب گیرِ بدر کا پہلا غزوہ) رکھ چھوڑا ہے۔

غزوۂ ذی العُشَیرہ

اسی سال کے ماہِ جمادی الاولیٰ میں۔ بقول ضعیف جمادی الاخرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ذی العشیرہ فرمایا قریش کے ایک قافلہ سے تعرض مقصود تھا جو مُلکِ شام کی طرف جا رہا تھا، مگر آنحضرتؐ سے بچ کے نکل گیا، یہ وہی قافلہ تھا جس کے واپس آتے وقت بدر میں اُسی کے باعث جنگ ہوئی۔

ذی العشیرہ نواح ینبع میں واقع ہے، مدینہ اور ینبع کے درمیان نو چوکیوں کی مسافت ہے۔

مدینہ میں آپؐ نے ابو مسلمہ بن عبد الاسد المخزومی کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کے کُرز (بن جابر) کی تلاش میں نکلنے کا واقعہ غزوۂ ذی العشیرہ کے بعد کا ہے، مگر مشہور ترین روایت وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

نعمان بن بشیر انصاری اسی سال خاندان حارث بن خزرج میں پیدا ہوئے کہ قبیلۂ انصار کے پہلے لڑکے تھے جن کی پیدائش ہجرت کے بعد ہوئی۔

سریۂ عبداللہؓ بن جحش

رجب میں سریۂ عبداللہؓ بن جَحش کی نوبت آئی۔ عبداللہ بن جحش بنی دُودان بن اسد بن خزیمہ کے خاندان میں تھے، جن کے ساتھ گیارہ آدمی، اور بقول بعض آٹھ آدمی مقام نخلہ کو بھیجے گئے۔ یہ وہی مقام تھا جو اس وقت (بعہدِ مصنّف) بستانِ ابن عامر کے نام سے مشہور اور عراق کے راستہ پر واقع ہے۔ ان لوگوں کی مُڈبھیڑ قریش کے قافلہ سے ہوئی جس کے (سرگروہ) ابن الحضرمی

کو قتل کر کے متعدد اشخاص قید کر لیے اور قافلہ کے ساز و سامان سے لدے ہوئے اونٹ ہنکالائے۔

مشروعیتِ خُمس

عبداللہ بن جحش نے، غنیمت میں جو مال ہاتھ لگا تھا، اُس کا پانچواں حصہ (خمس) تو نکال کے الگ کر دیا (کہ اغراضِ اسلامی میں صرف کرنے کے لئے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی جناب میں پیش کیا جائے) اور باقی چار حصے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیئے، یہ اُس وقت کی بات ہے جب خمس کے متعلق قرآن کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو معزول کر دیا، تا آنکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجازت آئی (یعنی آیۂ قرآنی نازل ہوا) تب آنحضرت نے اس تقسیم کو جائز و نافذ قرار دیا۔

اسلام میں یہ پہلی فَے تھی جو تقسیم ہوئی۔ (فَے = غنیمت)

اسی جنگ میں، جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، عبداللہؓ بن جحش کو امیرالمومنین کہہ کر پکارا گیا اور وہ پہلے شخص ہیں جو اس نام سے نامزد ہوئے۔

شہورِ حرام میں استحلال قتال

قریش نے اس موقع پر (طعنہ) دیا کہ محمدؐ نے (صلی اللہ علیہ وسلم) شہرِ حرام میں لڑائی حلال قرار دی، شہرِ حرام سے ماہِ رجب مقصود تھا (کیونکہ اسی مہینہ میں یہ جنگ ہوئی تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا تو صحابہؓ سے عتاب فرمایا کہ میں نے تو شہورِ حرام میں تمہیں لڑنے کا حکم نہیں دیا تھا، صحابہؓ اس پر شرمندہ ہوئے، تا آنکہ اللہ تعالےٰ نے اس باب میں یہ حکم نازل فرمایا کہ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْہِ، الآیہ (تجھ سے پوچھتے ہیں کہ شہرِ حرام میں جنگ کرنا کیسا ہے؟ الخ)۔

صومِ رمضان و تحویل قبلہ

اسی سال کے شعبان میں ماہ رمضان کے روزہ رکھنا فرض ہوئے۔

شعبان کا نصف مہینہ تھا (یعنی پندرھویں شعبان کو) منگل کے دن ظہر کی نماز میں قبلہ کی تحویل سمتِ بیت المقدس سے کعبہ کی جانب ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری رکعت کے رکوع میں تھے کہ (وحی نازل ہوئی) آپؐ نے رُخ بدل دیا اور آپ کے پھرنے کے ساتھ ہی پیچھے کی صفیں بھی پھر گئیں، اسی بناء پر اس مسجد کا (جہاں یہ واقعہ پیش آیا یعنی مسجدِ قبا کا) نام مسجد قبلتین (یا مسجدِ ذی القبلتین، یعنی (دو قبلوں والی مسجد) پڑا، یہ بھی کہا گیا ہے

کہ روزہ ماہِ رمضان فرض ہونے کے تیرہ دن بعد کا یہ واقعہ ہے۔

بانگِ اذان

اسی سال عبداللہؓ بن زید بن عبدِ ربہؓ انصاری کو جو زید مناۃ ابن حارث بن خزرج کی اولاد میں سے تھے، اذان کی نسبت خواب دکھایا گیا، جب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی آئی تو اس پر عمل ہوا[1]۔

غزوۂ بدرُ العظمیٰ

بعدہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوہ بَدرِ عظمیٰ ہے کہ اسی کو بدرِ قتال بھی کہتے ہیں، مقام بَدر (جہاں یہ غزوۂ عظمیٰ ہوا تھا) اُس کے اور مدینہ کے درمیان آٹھ چوکی اور دو میل کی مسافت ہے۔

ماہِ رمضان کی تین شبیں گزر چکی تھیں، تین سو گیارہ (۳۱۱) مہاجرین و انصار کے ساتھ آپ روانہ ہوئے جن میں چوہتر (۷۴) مہاجرین اور باقی انصار تھے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ:-

(الف) تین سو تیرہ تھے۔

(ب) تین سو چودہ تھے۔

لیکن خبر مستفیض یہ ہے کہ تین سو دس اور کئی آدمی تھے، تین سو دس سے جو تعداد اوپر تھی، (اور جسے عربی میں "بضع" فارسی میں "اند" اور اُردو میں "کئی" کہتے ہیں اور ایک سے نو عدد تک کے لئے اُسے استعمال کرتے ہیں) اسی اکائی کی تعداد میں اختلاف ہوا[2]۔

---

[1] اذان کے الفاظ کی بشارت خواب کے ذریعہ عبداللہ بن زیدؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو ایک ہی روز ہوئی۔

[2] ابن سعد نے طبقات کبیر میں لکھا ہے کہ غزوہ بدر کے موقعہ پر مسلمانوں کی مجموعی تعداد تو ۳۱۳ تھی۔ لیکن آٹھ آدمی حضور سرورِ کائنات کے حکم سے مدینہ ہی میں مقیم رہے اس لئے میدان میں پہنچنے والوں کی تعداد ۳۰۵ ہوئی۔ وہ آٹھ آدمی جو آپ کے حکم سے مدینہ میں کسی نہ کسی خدمت پر مامور کئے گئے اور جن کو مالِ غنیمت میں حصہ ملا یہ حضرات تھے۔

(۱) حضرت عثمان بن عفانؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمارداری کے لئے چھوڑ دیا کہ وہ بیمار تھیں۔ وہ اُن کے پاس مقیم رہے یہانتک کہ اُن کی وفات ہوگئی۔

(۲) طلحہؓ بن عبداللہ اور

(۳) سعیدؓ بن زید

ان دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ کی خبر دریافت کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ تینوں مہاجرین تھے۔ ان کے علاوہ پانچ انصار تھے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۵۱ پر)

قریش کی جانب نوسو پچاس (۹۵۰) جنگ جو تھے جن میں چھ سو (۶۰۰) زرہ پوش تھے (یعنی سو سوار اسلحہ بند، تین سو کے پاس نا مکمل اسلحہ اور پانچ سو پورے ہتھیاروں سے آراستہ تھے) ماہِ رمضان کے اُنیس (۱۹) دن ہوے تھے کہ جمعہ کی صبح کو لڑائی ہوئی، یہ روایت عبداللہ ابن اسود نے اپنے باپ سے، اُنھوں نے عبداللہ ابن مسعود سے اور خارجہ بن زید الانصاری نے اپنے باپ زید سے کی ہے۔

علقمہؒ ابن زید نے ابن مسعودؓ سے دوسری روایت کی ہے جو یہ ہے کہ سترّھویں رمضان کی صبح کو لڑائی ہوئی، خارجہ بن زید نے بھی اپنے والد سے یہی روایت کی ہے، اور جیساکہ عبدالرحمن سلمی کا بیان ہے، حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے اور محمد بن عمر واقدی صاحبِ مغازی و سِیَر بھی اسی جانب گئے ہیں۔

مشرکین کی جانب سے ستّر (۷۰) قتل اور ستّر قید ہوے جیسا کہ عبداللہؓ بن عباسؓ نے عمرؓ بن خطاب سے روایت کی ہے کہ "جب بدر کے دن ہم نے مقابلہ کیا تو اللہ تعالےٰ نے مشرکوں کو شکست دی، اُن میں سے ستّر قتل اور ستّر قید ہوے"۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ:-

(الف) بدر کے قریش اور اُس کے حلیفوں کی جانب سے جو قتل ہوے اُن کی تعداد (۴۷) اور جو قید ہوے اُن کی تعداد (۴۹) تھی۔

(ب) اُس روز مقتولینِ قریش کی تعداد (۴۵) تھی اور اتنے ہی قید بھی ہوے مسلمانوں میں چودہ (۱۴) آدمی شہید ہوے۔

تقسیم غنیمت مسعودی کہتے ہیں:-

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰ کا)۔ (۱) ابو لبابہ بن المنذرؓ جن کو آپ نے مدینہ میں اپنا خلیفہ بنایا۔

(۲) عاصم بن عدیؓ العجلانی جن کو آپ نے اہل عالیہ پر خلیفہ بنایا۔

(۳) الحارث بن حاطب العمری جن کو آپ نے بنی عمر بن عوف کے پاس کسی بات کی وجہ سے جو اُن کی طرف سے ہوئی الروحاء سے واپس کر دیا۔

(۴) الحارث بن الصمۃؓ جو الروحاء میں تھک گئے تھے اور

(۵) خوات بن جبیر یہ بھی تھک گئے تھے۔

مالِ غنیمت جو (اس جنگ میں) اللہ تعالٰے نے عنایت فرمایا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب تقسیم کر دیا، ہر شخص کا ایک حصہ لگایا اور گھوڑے کے دو حصہ لگائے، آٹھ آدمی معرکہ میں موجود نہ تھے، اُن کے بھی حصے لگائے۔

(۱) عثمانؓ بن عفان، رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی وجہ سے (جو اُن کی بیوی تھیں) معرکہ میں شریک نہ ہو سکے، آنحضرت نے اُن کا بھی حصہ لگایا، اس موقع پر اُنھوں نے عرض کی:- یارسول اللہ مجھے ثواب بھی ملے گا؟ فرمایا:- تجھے ثواب بھی ملے گا۔

(۲) طلحہؓ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد ابن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب، اُن کا سلسلہ عمرو بن کعب ابن سعد میں ابوبکر صدیق علیہ السلام کے ساتھ ملتا ہے۔

(۳) سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبد العزیٰ بن ریاح ابن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب، ان کا سلسلہ نُفَیل بن عبد العزیٰ میں عمرؓ بن خطاب کے ساتھ ملتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے نکلے تھے تو ان دونوں صاحبوں (یعنی طلحہؓ اور سعیدؓ) کو قافلۂ (قریش) کی خبر دریافت کرنے کے لئے بھیجا تھا، لڑائی کے بعد یہ لوگ واپس آئے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنی تجارت کی غرض سے اُس وقت ملک شام میں تھے، اور بدر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراجعت فرمانے کے بعد مدینہ پہونچے، آنحضرت نے دونوں کے حصہ لگائے، دونوں صاحبوں نے عرض کی:- یارسول اللہ، اور ہمارا ثواب؟ ارشاد فرمایا:- "تمہارا ثواب خدا کے ذمہ ہے"

لیکن پہلی ہی روایت زیادہ مشہور ہے اور اسی پر عمل بھی ہے۔

(۴) حارثؓ بن صمہ جو مالک بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن حارثہ ابن خزرج کی اولاد میں تھے

(۵) خواتؓ بن جُبیر بن ثعلبہ بن عمرو بن عوف بن مالک ابن اَوس۔

(۶) حارثؓ بن حاطب انصاری۔

(۷) عاصمؓ بن عدی انصاری۔

(۸) ابو لُبابہؓ بشیر بن عبد المنذر الانصاری ثُمَّ الاوسی، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔

مقدارِ قسمت

ہم بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مالِ غنیمت میں) گھوڑے کے دو حصہ اور سوار کا ایک حصہ لگایا۔

تمام فقہائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے، لیکن (امام) ابو حنیفہؓ نعمانؓ بن ثابت اس کے قائل نہیں، وہ کہتے ہیں کہ مال غنیمت میں گھوڑے کا ایک حصہ اور سوار کا بھی ایک ہی حصہ لگایا جائے گا، اُن کے دونوں رفیق ابو یوسفؒ و محمدؒ بن حسن نے اس باب میں اُن سے اختلاف کیا ہے۔

لیکن ابو حنیفہؓ کے قول کی تائید میں اصحاب ابی حنیفہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں سے (خاص کر) امیر المومنین علی بن ابی طالب اور ابو موسیٰؓ اشعری وغیرہ سے متعدد حدیثیں روایت کی ہیں۔

یہ اختلاف ہم نے اس لئے بیان کر دیا کہ اصل واقعہ کے متعلق جو خبر تھی خود وہی اُن سب میں مختلف فیہ ہے۔

بدر میں کتنے دن لگے

غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے سے (۳ رمضان تا ۲۳ رمضان) مدینہ میں واپس آنے کے دن تک اُنیس روز (۱۹) آپ باہر رہے۔

ماہ رمضان میں آٹھ شبیں باقی رہی تھیں کہ مدینہ میں آپ واپس تشریف لائے۔

مدینہ میں آپ نے ابن اُمّ مکتوم کو جو نابینا تھے، اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا، اُن کا نام عمرؓ بن قیس تھا اور اُن کا تعلق بنی عامر بن لوئیؔ ابن غالب کے خاندان سے تھا۔

جس روز مکہ میں جنگِ بدر کی خبر پہونچی اُسی دن ابو لہب عبد العزّیٰ ابن عبد المطلب نے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا، وفات پائی۔

سریۂ عُمیر بن عدیؔ

بعدہٗ سریۂ عُمیر بن عدیؔ بن خرشۃُ الاوسی ثم الخطمی، بجانب عصماء بنت مروان، کہ اُمیّہ بن زیدؔ کی اولاد میں تھی، اس عورت کی عادت تھی کہ مسلمانوں کو ایذا پہونچاتی اور اُن کے خلاف دشمنانِ اسلام کو برانگیختہ کرتی۔ آخر عُمیر نے اُسے قتل کر ڈالا۔

زکاۃِ فطر (فطرۂ صوم) نکالنے کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال میں دیا ہے۔

سریۂ سالم بن عُمیر

بعدہٗ سریۂ سالم بن عُمیر انصاری، بجانب ابو عفک کہ عمرو بن عوف کے خاندان کا ایک بوڑھا آدمی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے خلاف (تبلیغ اسلام میں رکاوٹیں پیدا کرنے کی غرض سے) لوگوں کو برانگیختہ کیا کرتا تھا آخر اسی سال کے ماہِ شوّال میں سالم ابنِ عُمیر نے اُس کو قتل کر ڈالا۔

غزوۂ بنی قَینُقاع

ماہِ شوالؔ[1] کے نصف دن گزرے تھے کہ بنی قَینُقاع کے یہودیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ آرا ہوئے، اُن یہودیوں کی تعداد چار سو تھی، آنحضرت علیہ السلام نے اُن کا محاصرہ کر لیا جو ہلال ماہِ ذی القعدہ تک محصور رہے، آخر آپ کے حکم پر اُتر آئے (یعنی بغیر کسی شرط کے ہتھیار ڈال دیئے اور امان طلب کی) عبداللہ بن اُبی بن سَلول نے آپ سے اُن کی جان بخشی کی درخواست کی کیونکہ قبیلۂ خزرج کے یہ حلیف تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُلکِ شام کے علاقۂ اذرعات میں اُن کا جلائے وطن فرمایا۔

اُن کا مال و اسباب غنیمت میں داخل ہوا جس کا آپ نے خُمس نکالا اور اسلام میں یہ پہلا خُمس تھا جو خود آپ نے نکالا ہے، مالِ غنیمت کے باقی چار حصے اصحاب پر تقسیم کر دیئے بقول بعض آپ کا یہ فعل (یعنی خُمس کا سب سے پہلے نکالنا) بدر کا واقعہ ہے۔

مدینہ میں آپ نے اپنا قائم مقام ابولبابہؓ بن عبدالمنذر الخزرجی کو مقرر فرمایا تھا۔

غزوۂ سویق

بعدۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ غزوہ ہوا جو غزوۂ سویق کے نام سے مشہور ہے کہ ذی الحجہ میں آپ ابوسفیان صخر بن حرب کی جستجو میں نکلے تھے۔

ابوسفیان نے مَنّت مانی تھی کہ اہلِ بدر کا جب تک انتقام نہ لے گا اُس وقت تک نہ عورتوں کے قریب جائے گا نہ خوشبو استعمال کرے گا، اس منت کو پورا کرنے کے لئے وہ دو سو سوار لے کر نکلا تھا، مقام عُرَیض میں پہونچا تو ایک انصاری کو قتل کر ڈالا اور وہاں کے

---

[1] شوال ۲ھ میں شنبہ ۵، ۱۲، ۱۹، ۲۶ تاریخوں کو پڑتا ہے۔ اگر شنبہ کا دن صحیح ہے جیسا کہ طبقات کبریٰ میں بھی درج ہے تو بنی قینقاع کا محاصرہ ۱۲ شوال ۲ھ مطابق ۷ اپریل ۶۲۳ء کو شروع ہوا ہوگا۔ لیکن چونکہ طبقات میں یہ بھی تحریر ہے کہ "ذی القعدہ کے چاند تک پندرہ روز بنی قینقاع کا محاصرہ رکھا" اس لئے یا تو دنوں کی تعداد غلط لکھی گئی ہے جو بجائے پندرہ کے سترہ ہونی چاہیئے (کیونکہ اُس سال شوال کا مہینہ ۲۹ دن کا تھا) یا پھر دن بجائے شنبہ کے دوشنبہ ہونا چاہیئے۔

چند مکانات جلا دیئے۔

جب یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اُس کی طلب میں نکلے ہیں تو اُس نے اور اُس کے ہمراہیوں نے (بھاگتے ہوئے) بوجھ ہلکا کرنے کی غرض سے سویق (ستّو) کی بوریاں (راستہ میں جا بجا) پھینکنا شروع کیں، اسی بنا پر اس غزوہ کا نام غزوۂ سویق پڑا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ بھی ابو لبابہؓ بن عبدالمنذر ہی کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔

اسی مہینہ میں (حضرت) علی کرم اللہ وجہہ نے (حضرت) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے زفاف فرمایا۔

مسعودی کہتے ہیں:-

(حضرت) فاطمہؓ کی اُس وقت کیا عمر تھی؟ جو اختلاف اس باب میں ہے ہم اُس کا تذکرہ خلافت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے بیان میں کریں گے جہاں فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کی وفات کا ذکر ہے۔

قربانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے پہل (اسی ماہ ذی الحجہ کی دسویں کو) قربانی کی جو مسلمانوں نے بھی دیکھی اور اس کا حکم بھی ہوا، آنحضرت علیہ السلام مُصَلّیٰ (عیدگاہ) میں تشریف لے گئے اور (بعد نماز) وہیں دو بکریاں اپنے ہاتھ سے ذبح کیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک ہی بکری ذبح کی۔

واقعۂ ذی قار

اسی سال قبیلۂ بکر بن وائل اور اُس فوج کے درمیان، مقام ذی قار میں، جنگ ہوئی، جو خسرو پرویز (پادشاہِ ایران) نے بھیجی تھی۔

بکر بن وائل (کی جمعیت) کا سرِ لشکر حَنظَلہ بن سیّار تھا جو جذیمہ ابن سعد بن عُجل بن لجیم بن صَعب بن علی بن بکر بن وائل بن قاسط بن ہنب ابن افصیٰ بن دُعمی بن جَدِیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار کی اولاد میں تھا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کعب بن سعد بن ضُبَیعہ بن عجل کی اولاد میں تھا۔

خسرو پرویز کی بھیجی ہوئی فوج کا سپہ سالار ہامُرز تھا۔

لڑائی کا سبب یہ ہوا کہ نعمان بن مُنذر لخمی پادشاہِ حیرہ نے قبل اس کے کہ خسرو پرویز اُس کو قتل کرے، اپنے اہل و عیال و مال و اسلحہ کو ہانی بن قبیصہ کے حوالہ کر دیا تھا، پرویز کے طلب کرنے پر ہانی بن قبیصہ بن ہانی بن مسعود بن عامر بن عمرو بن ابی ربیعہ ابن ذُہل بن شیبان بن ثعلبہ بن عُکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل نے حوالہ کرنے سے انکار کیا تو فریقین

میں نہایت سخت جنگ ہوئی۔
آخر کار ایرانی بھاگ نکلے اور اُن کے ساتھ جو عرب تھے وہ بھی منہزم ہوے، یہ عرب:۔
(الف) قبیلۂ تغلب کے تھے جن پر بشر بن سوادۂ تغلبی سردار تھا۔
(ب) قبیلۂ طے کے تھے جن کا سردار ایاس بن قبیصہ طائی تھا۔
(ج) قبیلۂ ضبّہ کے تھے۔
(د) قبیلۂ تمیم کے تھے۔
ان دونوں (قبیلوں کی امدادی جماعت) کا سردار عطارد بن حاجب بن زرارہ تھا۔
(ھ) قبیلۂ نمر کے تھے جن کا سردار اوس بن الخزرج النمری تھا۔
(و) قبیلۂ بہراء۔
(ز) قبیلۂ تنوخ، وغیرہ عربی قبائل بھی شریک تھے۔
اس جنگ میں ہامرز (سپہ سالارِ عجم) قتل ہوا۔
یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے قبل کا ہے، بنی عبد القیس و بنی حنیفہ وغیرہا کہ قبیلۂ بکر بن وائل کی شاخیں تھیں، اُن میں کے کچھ لوگ علاقۂ یمامہ و علاقۂ بحرین سے حج میں آئے تھے اور قبیلۂ بکر بن وائل کی امداد کو جانا چاہتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت قبائل عرب پر اپنے آپ کو پیش کر رہے تھے، اُن کے پاس بھی آ کھڑے ہوے، ابوبکر (رضی اللہ عنہ) آپ کے ساتھ تھے، انہیں دعوت دی کہ خدا پر ایمان لائیں۔
اسی موقع پر ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور دغفل بن حنظلہ بن زید بن عبدہ ابن عبداللہ بن بن ربیعہ بن عمرو بن شیبان کے درمیان، جو علمِ انساب کا ماہر تھا، وہ ماجرا پیش آیا جس کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہنا پڑا کہ :۔

انّ البلاءَ مُوکّلٌ بالمنطق

(حقیقت یہ ہے کہ گفتگو کا لازمہ بلا ہے)

ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے اگر ایرانیوں پر اُنھیں فیروزمند فرمایا تو آنحضرت پر ایمان لائیں گے اور آپ کی نبوت کی تصدیق کریں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو فتح و نصرت کی دعا دی۔
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ ایرانیوں پر عرب غالب آئے تو فرمایا

"ھذا اوّل یوم انتصفت فیہ العرب من العجم وبی نصروا"

(یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے انصاف حاصل کیا ہے، اور ان لوگوں کو مجھ ہی سے مدد دی گئی)

اس جنگ کے نتیجہ میں قبیلۂ بکر بن وائل نے تمام عرب پر فخر کیا ہے، مناقب و مکارم میں اس لڑائی نے اس کی فضیلت بڑھا دی ہے، شعرائے قدیم و مابعد سب نے اس قبیلہ کے محاربات معروفہ و واقعاتِ مشہورہ کے بیان میں اس جنگ کا ضرور تذکرہ کیا ہے۔

ابو تمام حبیب بن اوس طائی (مولفِ حماسہ) نے ابودُلف قاسم بن عیسیٰ بن ادریس بن معقل بن عمیر بن شیخ بن معاویہ بن خُزاعی ابن عبدالعزّیٰ بن دُلف بن جُشَم بن قیس بن سعد بن عجل بن لُجیم ابن صعب بن علی بن بکر بن وائل کی مدح میں جو قصیدۂ بائیّہ نظم کیا تھا اُس میں نہایت لطیف معنے پیدا کئے ہیں، اس قصیدہ کا پہلا (مصرع) یہ ہے:۔

علی مثلھا من اربعٍ وملاعِبِ

(لازم ہے تو ایسے ہی مقاموں اور بازی گاہوں کا نظارہ لازم ہے)

اسی میں کہتا ہے:۔

اذا افتخرت یوماً تمیمٌ بقوسھا

(اگر قبیلۂ بنی تمیم نے کسی دن اپنی کمان پر فخر کیا)

علی الناس اذما وطّدت من مَنَاقِبِ

(تمام لوگوں پر ناز کرنے لگے یا جو فضائل و مناقب اس قبیلہ نے استوار کر رکھے ہیں اُن پر نازاں تھے)

فانتم بذی قارٍ امالت سیوفکم

(تو کیا بڑی بات ہے، تم لوگ تو وہ ہو کہ جنگِ ذی قار میں تمہاری تلواروں نے)

عُروش الّذین استرھنوا قوس حاجب

(اُن لوگوں کے تخت سرنگوں کردیئے جنھوں نے حاجب کی کمان گرو رکھائی تھی)

ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ نے اپنی کتاب میں جس کا نام "الدّیباج" ہے وفادار ارن عرب کا تذکرہ کیا ہے اور اُن میں (تین شخصوں کو) شمار کیا ہے۔

(۱) سَمُوءَل بن عادیاء غسّانی۔

(۲) حارث بن ظالم مرّی۔

(۳) عُمیر بن سلمیٰ حنفی۔

لیکن (تعجب ہے) کہ ابو عبیدہ نے ہانی کا ذکر نہیں کیا حالانکہ عرب میں جتنے وفادار گزرے ہیں وہ سب میں زیادہ صاحبِ عظمت، سب سے زیادہ حق ہمسائیگی کو معزز سمجھنے والا، اور سب سے بڑھ کے ہمسایہ و پناہ گیر کی حفاظت کرنے والا تھا، اس لئے کہ اُس نے اپنی جان کو اور اپنی قوم کو موت کے سامنے کر دیا، تمام مال و دولت کا زوال و استیصال منظور کر لیا، مستورات کے لئے گوارا کر لیا کہ لونڈی باندی بنائی جائیں، مگر نہ امانت میں خیانت کی اور نہ ودیعت، جو اُس کے سپرد ہوئی تھی، ضائع ہونے دی۔

سنۂ تمحیص[1] ہجرت کا تیسرا سال

غزوۂ قرقرۃ الکُدر

محرم کے نصف دن گزرے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سو صحابیوں کی جمعیت میں غزوہ کی غرض سے اُس آب گیر کی جانب تشریف لے چلے جو قَرقَرۃُ الکُدر کے نام سے مشہور ہے، یہ آب گیر علاقۂ معدن بنی سُلیمؔ کے نواح میں اُس سڑک کے متصل واقع ہے جو عراق سے مکّہ کو گئی ہے، معدن اور مدینہ کے درمیان آٹھ چوکیوں کی مسافت ہے۔

اس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سُلیمؔ بن منصور بن عکرمہ ابن خَصَفَہ بن قیس بن عیلان بن مضر بن نزار، اور غطفان بن سعد بن قیس ابن عیلان بن مضر بن نزار کے درپے تھے، مگر یہ لوگ ہٹ گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے، ان کا مال واسباب داخلِ غنیمت ہوا اور آنحضرت نے مراجعت فرمائی، مڈبھیڑ نہ ہو سکی۔

مدینہ میں آنحضرت علیہ السلام نے ابنِ اُمِّ مکتومؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔

سریّۂ محمّدؓ بن مَسلَمہ

بعدہٗ سریّۂ محمّدؓ بن مَسلَمۂ انصاری کی نوبت آئی جو حارثہ بن حارث ابن خزرج بن عمرو بن مالک بن اَوس کی اولاد میں تھے، یہ چار انصاریوں کے ساتھ کعب بن اشرف یہودی کی فکر میں روانہ ہوئے جو قبیلۂ طےؔ کا ایک شخص تھا اور نبہان بن عمرو بن غوث بن طے کی اولاد میں تھا، اُس کی ماں یہودیوں کے قبیلۂ بنی نَضیر کی تھی۔

یہ شخص اپنے کلام میں مسلمان عورتوں کے نام سے تشبیب کرتا تھا (غزلیں کہتا تھا جن میں مستورات اِسلام سے خطاب ہوتا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کو برانگیختہ کرتا تھا اور کنوئیں والوں (یعنی کُفّار اہل بدر) کے ماتم میں مرثیے کہتا تھا۔

---

[1] سنۂ تمحیص سے مراد آزمائش کا سال۔

محمدؓ بن مسلمہ کی جماعت نے اُس کو اُسی کے قلعہ میں قتل کرڈالا، یہ واقعہ ماہ ربیع الاوّل کا ہے جس کے پندرہ دن اُس وقت ہو چکے تھے۔

غزوۂ بحُران

بعدہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوۂ بحران ہے کہ جمادی الآخرہ میں پیش آیا، بحُران معدنِ بنی سلیم کا نام ہے جو حجاز کے نواحِ فُرع میں واقع ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے مگر کفار کو پہلے ہی سے آپ کی خبر پہونچ چکی تھی اور وہ متفرق ہو چکے تھے، آخر مڈبھیڑ نہ ہوئی اور آنحضرت صلوات اللہ علیہ نے مراجعت فرمائی۔

اس سفر میں آپ کو دس روز لگے، مدینہ میں آپ نے اپنا قائم مقام ابنِ اُمّ مکتوم کو مقرر فرمایا تھا۔

غزوۂ بنی غطفان

اسی مہینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ غزوہ بھی فرمایا جس میں چارسو پچاس صحابیوں کی جمعیّت کے ساتھ آپ نجد کو تشریف لے چلے تھے اور قبیلۂ غطفان کے درپے تھے، جب اُس مقام تک پہونچے کہ ذی اَمَر کے نام سے مشہور اور بطنِ نخل کے اِدھر واقع ہے تو کفار آپ کے سامنے سے فرار کر گئے، مڈبھیڑ نہ ہوئی اور آپ نے مراجعت فرمائی۔

اس غزوہ میں دس روز آپ (مدینہ سے باہر رہے تھے، اور عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) کو مدینہ میں آپ نے اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔

سریّۂ زیدؓ بن حارثہ

مُستہَلّ جمادی الآخرہ میں (یعنی ماہ مذکورہ تمام ہو چکا تھا اور اُسی دن چاند رات بھی تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے آزاد غلام زیدؓ بن حارثۂ کلبی کے ماتحت اُس مقام کو سریہ روانہ ہوا جو قَرَدَہ کے نام سے مشہور ہے، یہ مقام علاقۂ نجد میں مقامات رَبذَہ و غمر و ذاتِ عِرق کے درمیان عراق کی سڑک پر واقع ہے۔

سریّۂ مذکورہ کو قریش کے ایک قافلہ سے تعرّض کرنا تھا جو ملکِ شام کو جا رہا تھا۔ زیدؓ اس قافلہ کے مقابلہ میں کامیاب ہوے، خُمس (جو اس قافلہ کے مالِ غنیمت میں سے زیدؓ نے نکالا تھا وہ) بیس ہزار تھا۔

یہ پہلی مہم تھی جس میں زیدؓ (رضی اللہ عنہ) امیر کی حیثیت میں روانہ ہوئے تھے۔

اُمّ المومنین حفصہؓ کے ساتھ نکاح

اسی سال کے ماہِ شعبان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہؓ بنت عمرؓ بن الخطاب سے نکاح کیا، اس سے پہلے وہ خُنَیْسؓ ابن حُذافہ بن قیس بن عدیؔ بن سعد بن سہم کے نکاح میں تھیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہو چکے تھے اور قبیلۂ بنی سہم سے بجز اُن کے کوئی دوسرا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر میں شریک نہ ہوا تھا۔

ماہِ رمضان کے نصف دن ہو چکے تھے کہ حسن بن علی ابن ابی طالب علیہما السلام پیدا ہوئے۔

اسی مہینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت خزیمہ سے نکاح کیا جو اُمّ المساکین (غریبوں کی ماں) کی کنیّت سے مشہور تھیں۔

غزوۂ اُحُد

بعدہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار آدمیوں کی جمعیت سے غزوۂ اُحُد کو نکلے مگر عبد اللہ بن اُبَیّ بن سلول اس جمعیت میں سے ایک ثلث آدمیوں کے ساتھ آنحضرت علیہ السلام سے الگ ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس نے مشورہ دیا تھا کہ کفارِ قریش کے مقابلہ کے لئے (جو مدینہ کی جانب بڑھے چلے آرہے تھے) باہر تشریف نہ لے جائیں بلکہ مدینہ ہی میں اپنی جگہ پر استحکام کے ساتھ جمے رہیں، اس علیحدگی کی توجیہ میں اُس نے یہ کہا:۔
"عصانی ولم یقبل رأیی" (آنحضرت نے نافرمانی کی اور میری رائے قبول نہ فرمائی)۔
نعوذ باللہ من اجترائہ علی النبی صل اللہ علیہ وسلم)۔

اس موقع پر محض سات سو (۷۰۰) آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ گئے۔
قریش اور قبیلۂ کنانہ بن خزیمہ اور اُن کے حلیفوں کی جماعت تین ہزار کی تھی جن میں سات سو زرہ پوش اور دو سو گھوڑے (سوار) تھے، پندرہ عورتیں بھی تھیں جو ان لوگوں کو اُبھار اُبھار کے لڑاتی تھیں، انھیں میں ہند بنت عتبہ کا شمار ہے، فوج کی افسری ابوسفیان صخر بن حرب بن اُمیّہ بن عبد شمس بن عبد مناف کے ہاتھ میں تھی۔

شوال کی سات شبیں گزر چکی تھیں، شنبہ کا دن تھا، کہ مقابلہ ہوا، مسلمانوں میں

ستر (۷۰) آدمی شہید ہوئے، اور بقول بعض پینسٹھ (۶۵) جن میں چار مہاجرین تھے کہ ایک اُن میں حمزہ ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تھے اور باقی انصار تھے۔

مشرکین کے تیئس (۲۳) آدمی قتل ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بعدہٗ) مدینہ واپس تشریف لائے جہاں آپ نے اپنا قائم مقام ابن اُمِّ مکتوم کو مقرر فرمایا تھا۔

واپسی کے دوسرے روز، کہ واقعۂ اُحُد کی نوبتِ ثانیہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان وجماعت قریش کی طلب میں نکلے، تا آنکہ (جاتے جاتے) اُس مقام تک پہونچے جو حَمرَاءُ الاسد کے نام سے مشہور ہے، یہ مقام مدینہ سے براہِ عقیق دس میل کے فاصلہ پر ہے اور ذی الحُلَیْفہ سے بائیں جانب واقع ہے لیکن (قریش کی جماعت روانہ ہو چکی تھی لہٰذا) مطلب فوت ہو گیا، تین دن آپ نے وہاں قیام فرمایا، پھر واپس تشریف لائے۔

بعض لوگ اس کو (یعنی اس دوسری نوبت کی مہم کو بھی) ایک علاحدہ غزوہ کہتے ہیں۔

سنہ ترفیہ[1] ہجرت کا چوتھا سال

سریۂ ابو سلمہؓ بعدہٗ سریۂ ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی ہے جو محرم میں قطن کو روانہ ہوا تھا، علاقۂ نجد کے آخری حصوں میں فیدکی سرزمین واقع ہے اور اُسی کے نواح میں ایک پہاڑی ہے جسے قطن کہتے ہیں۔

سریۂ عبد اللہؓ بن اُنیس بعدہٗ سریۂ عبد اللہؓ بن اُنیس جہنی، منسوب بہ جُہینہ بن زید بن لیث ابن سود بن اسلم بن الحاف بن قضاعہ، بجانب سفیان بن خالد ہذلی، یہ سریہ بھی محرم ہی میں روانہ ہوا جس میں کامیابی ہوئی اور عبد اللہؓ ابن اُنیس نے سفیان بن خالد کو قتل کر ڈالا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عبد اللہ بن اُنیس نے سفیان بن خالد کو قتل تو کیا مگر یہ پانچویں سال ہجرت کا واقعہ ہے۔

ایک تعلیمی مہم ماہِ صفر میں مُنذِر بن عمرو انصاری قبائل انصار کے ستّر (۷۰) آدمیوں کے ساتھ اس غرض سے بھیجے گئے کہ اہلِ نجد کو قرآن پڑھائیں اور دین اسلام کی تعلیم دیں۔

یہ لوگ جب اُس مقام پر پہونچے کہ بیر مَعُونہ کے نام سے مشہور ہے اور مدینہ سے چار مرحلہ کے فاصلہ پر سرزمین بنی سُلیم وعلاقۂ بنی کلاب کے درمیان واقع ہے، تو عامر بن طفیل کلابی نے حملہ کر کے سب کو شہید کر ڈالا۔

جماعت شُہداء میں عامرؓ بن فُہیرہ بھی تھے جو ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے آزاد غلام تھے۔

دوسری تعلیمی مہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اسی) ماہِ صفر میں عاصمؓ ابن ثابت بن ابو اَفلح انصاری ثُمّ الاوسی کو (بھی) نو صحابیوں کے ساتھ روانہ فرمایا۔

ان کی معیت میں ایک گروہ قبیلۂ قارہ کا تھا کہ ہون بن خُزَیمہ ابن مُدرِکہ بن الیاس بن مضر

---

[1] امن وخوشحالی مراد ہے۔

کی اولاد میں ہے، اور ایک دوسرا گروہ فرقۂ عَضَل کا تھا کہ وہ بھی قبیلۂ قارہ ہی میں داخل ہے۔
ان دونوں گروہوں کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں حاضر ہو کے درخواست کی تھی کہ کچھ ایسے لوگ اُن کے ساتھ کردئے جائیں جو اُنھیں دین اسلام کی تعلیم دیں اور اُس کے مطالب سمجھائیں، اسی درخواست کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصم رضؓ بن ثابت اور اُن کی جماعت کو بھیجا تھا۔

عاصم کی جماعت جب اُس مقام پر پہونچی کہ رجیع کے نام سے مشہور ہے تو اُن کے ساتھ غدر و فریب کیا گیا۔

مقام رجیع، مشہور موضع ہدۂ سے سات میل کے فاصلہ پر ہے اور خود ہدۂ علاقہ عُسفان سے سات میل کے فاصلہ پر ہے۔

لحیان بن ہُذیل بن مُدرِکہ بن الیاس بن مضر نے اس تعلیمی جماعت (اسلامیہ) کے سات صحابیوں کو تو (وہیں) شہید کر ڈالا اور دو گرفتار کرلئے جن میں ایک خُبَیب رضؓ بن عدی انصاری تھے جو عمرو ابن عوف بن مالک بن اوس کی اولاد میں تھے، اور دوسرے زید رضؓ ابن دثنہ تھے، دونوں بزرگوں کو مکہ لے گئے اور وہاں دونوں کے دونوں شہید کر ڈالے گئے۔

سریۂ عمرو و سلمہ رضؓ

بعدہٗ سریۂ عمرو رضؓ بن اُمیۂ ضمری و سلمہ رضؓ بن اسلم بن حریش ہے جو مکہ میں اس غرض سے گئے تھے کہ ابو سفیان کو اچانک قتل کر ڈالیں مگر ابو سفیان کو خبر ہو گئی اور دونوں صاحب واپس آئے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ پانچویں سال ہجرت کا ہے۔

غزوہ بنی نضیر

ماہ ربیع الاول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ بنی نضیر کے یہودیوں سے غزوہ فرمایا، کہا گیا ہے۔

(الف) بنی نضیر و بنی قُریظہ (حضرت) ہارون بن عمران (برادر موسیٰ پیغمبر علیہما السلام) کی اولاد میں تھے۔

(ب) بنی نضیر (عرب کے) قبیلۂ جذام کے لوگ تھے جو عمالقہ کے مذہب و بُت پرستی سے بے زار ہو کے شریعتِ موسوی کے پیرو ہو گئے تھے، اور شام سے حجاز کی طرف نقلِ مکان کر کے چلے آئے تھے۔

بنی نضیر کا علاقہ نواحِ غَرس و مضافات و مقبرۂ بنی خَطمہ میں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ اُن لوگوں کی صلح تھی، کچھ روز کے بعد آنحضرت علیہ السلام کے ساتھ غدر کرنا چاہا مگر آپ کو خبر ہوگئی اور اُن کے نقضِ عہد سے پہلے نقض کر لیا، یہ لوگ جنگ کے لئے مستعد ہو گئے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تشریف لے جا کے محاصرہ کر لیا جو پندرہ روز تک قائم رہا، آخر مقاماتِ فدک و خیبر میں اُن کو جلاوطن کر کے جس قدر اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ بکریاں تھیں لے لیں۔

یہ لوگ خیبر کے ارادہ سے باہر نکلے، چلے تو (اس شان سے چلے کہ راستہ میں) دف بجاتے اور گیت گاتے جاتے تھے، عورتیں رنگین اور مُعَصفر کپڑے پہنے، سونے کے زیوروں سے آراستہ تھیں، اس ہیأۃ سے وہ اپنا ثبات واستقلال ظاہر کر رہے تھے۔ انھیں میں جیساکہ ہم کو عمر بن شبۂ نُمیری سے روایت پہونچی ہے، عُروۃ الصعالیک بن الورد العبسی بھی تھا جو بنی عمر بن عوف کا حلیف تھا، یہ شخص بہت اچھا شاعر تھا، اسی نے ایک طویل قصیدہ میں کہا ہے :-

دَعِینِی لِلغِنَی اَسعیٰ فَاِنِّی

(اے عورت مجھے جانے دے کہ مال ودولت حاصل کرنے کی کوشش کروں، کیونکہ میں نے)

رَأَیتُ النَّاسَ شَرُّھُم الفَقِیرُ

(دیکھا ہے کہ سب سے بُرے انسان وہی ہیں جو فقیر و محتاج ہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس مہم کے بعد) مدینہ واپس آگئے جہاں ابنِ اُمِّ مکتوم کو آپ نے اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔

تحریمِ خمر (شراب)

مسعودی کہتے ہیں :-

جیساکہ بیان کیا گیا ہے، اسی مہینہ (ربیع الاوّل) میں شراب حرام ہوئی، یہ امر کہ اس کے حرام ہونے کا سبب کیا تھا؟ اس میں اختلاف ہے۔

اسی سال کے ماہِ شعبان میں حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب (رضی اللہ عنہما) پیدا ہوے۔

شوال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمِّ سَلَمَہ ہند بنت ابو اُمیۂ مخزومی سے نکاح کیا۔

اسی مہینہ میں، جیساکہ بیان کیا گیا ہے، ایک یہودی مرد (نے) ایک یہودی عورت (سے) زنا کی تھی، دونوں سنگسار کیے گئے۔

غزوۂ بدرِ ثالثہ

ذی القعدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار پانچسو (۱۵۰۰) کی جمعیت میں نکلے جس میں دس گھوڑے بھی تھے (یعنی دس سوار اور باقی سب پیدل تھے)

باعث یہ تھا کہ ابوسفیان صخر بن حرب نے اُحد سے واپس جاتے ہوے واپس آنے کا وعدہ کیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں آٹھ دن قیام کیا۔

اس غزوہ کا نام غزوۂ بدرِ ثالثہ ہے۔

ابوسفیان نے قریش کی جماعت کو لے کے مکّہ سے عُسفان کا رُخ کیا، اس جماعت کی تعداد دو ہزار تھی اور اس میں پچاس گھوڑے تھے، مگر قیام نہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ واپس آگئے، جہاں آپ نے عبداللہؓ بن رَوَاحۂ انصاری کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔

اس غزوہ میں آپ سولہ (۱۶) دن مدینہ سے باہر رہے۔

سنۂ احزاب[1] ہجرت کا پانچواں سال

غزوۂ ذات الرقاع

محرم کی دس شبیں گذر چکی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ سو کی جمعیت میں اُس مقام کو روانہ ہوئے جو ذات الرقاع کے نام سے مشہور ہے، یہ ایک پہاڑی ہے جو مقامِ نُخَیل کے قریب اور مقامات سعد و شُقرہ کے متصل واقع ہے، اُس کے (پتھروں کے) مختلف و گوناگوں رنگ ہیں، کچھ سفید، کچھ سیاہ (یہی وجہ ہے کہ اس کو ذات الرقاع کہتے ہیں، یعنی رقعے۔پیوند۔والی پہاڑی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس غزوہ کا نام ذات الرقاع اس لئے پڑا کہ (فوج کے) جھنڈوں میں بہت سے رقعے (یعنی پیوند) لگے ہوئے تھے۔

عرب آنحضرت علیہ السلام کے مقابلہ سے منتشر ہو کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور گھاٹیوں کے اندر چھُپ گئے۔

نمازِ خوف

مسعودی کہتے ہیں:۔

اسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ خوف پڑھی کیونکہ دشمن قریب اور نگراں تھے، لیکن اس امر میں دُنیائے اسلام کے قدیم فقہا مختلف ہیں کہ یہ نماز کیسی تھی اور اس کی کیفیت و ہیأت کیا تھی؟۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس کے بعد) مدینہ واپس آ گئے، جہاں آپ نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔

پندرہ شبیں آپ باہر رہے تھے۔

غزوۂ دُومۃُ الجندل

بعدہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوۂ دومۃ الجندل ہے، اور یہ پہلا غزوہ ہے جو رومیوں کے مقابلہ میں آپنے فرمایا۔

---

[1] احزاب کے معنی گروہ یا جماعت کے ہیں۔ چونکہ ۵ھ میں غزوۂ خندق کے موقع پر مشرکین اور یہودیوں کی گروہوں نے مل کر مسلمانوں کے خلاف مدینہ منورہ پر چڑھائی کی تھی اس لئے اس غزوہ کو غزوۂ احزاب اور اس سال کو سنۂ احزاب کہا جاتا ہے۔

مقامِ دُومَۃُ الجَندل اور دمشق کے درمیان پانچ شبوں کا فاصلہ ہے، اور مدینہ اور دومۃ الجندل کے درمیان پندرہ شبوں کی مسافت ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ (صرف) تیرہ شبوں کا فاصلہ ہے، دُومَۃُ الجندل کا حاکم اُکَیدَر بن عبدالملک تھا جو مذہباً نصرانی اور ہرقل بادشاہ روم کا فرماں بردار تھا۔

مدینہ سے جو لوگ اُدھر کو جاتے اور تجارت کو نکلتے وہ اُن سب سے تعرّض کیا کرتا تھا۔

اُکَیدَر کو آنحضرت علیہ السلام کی تشریف آوری کی خبر ملی تو وہ بھاگ گیا اور دُومَۃُ الجندل میں جتنے لوگ تھے منتشر ہوگئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہونچے تو کسی کو نہ پایا، چند روز مقیم رہے اور پھر مدینہ مراجعت فرمائی جہاں آپ نے ابن اُمّ مکتوم کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔

اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عُیَینہ ابن حِصن بن حذیفہ بن بدر فزاری سے مصالحہ فرمایا۔

غزوہ بنی المُصطَلِق

شعبان کی دو شبیں گزری تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی المصطلق بن سعد بن عمرو سے غزوہ فرمایا۔

انھیں لوگوں کو خزاعہ کہتے ہیں جس کی درمیانی شاخیں یہیں سے نکلی ہیں، مصطلق بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر۔

خزَاعَہ ان کا نام اس لئے پڑا کہ مارب سے نکلتے وقت قبیلۂ اَزْد سے (کہ یہی اُن کا قبیلہ تھا) الگ ہو کر مقامِ بطنِ مَرّ کی جانب مُنخزِع ہو گئے تھے۔

[مُنخزِع :- وہ لوگ جو الگ ہو جائیں، خزاعہ کے بھی یہی معنے ہیں، عربی میں اس پر الف ولام تعریف نہیں آتا، انخزاع :- کسی گروہ سے کٹ کر جدا ہونا]

اسی واقعہ کے متعلق قبیلۂ مذکور کے شاعر نے کہا ہے :-

وَلَمَّا هَبَطْنَا بَطْنَ مَرٍّ تَخَزَّعَتْ

(اوپر کی اونچی زمین سے اُتر کے مقام بطنِ مرّ میں جب ہم لوگ پہونچے تو یہاں پہا

خُزَاعَةُ مِنَّا فِي حُلُولٍ كَرَاكِرِ

(ہم میں سے خزاعہ یعنی جماعت سے کٹ کے جدا ہو جانے والے اُن لوگوں کو لے کے علیٰحدہ ہو گئے جو ہمارے ہی اندر رہنے والے تھے مگر پیچھے ہٹ گئے)

اُمُّ المومنین جُوَیرِیہؓ سے نِکاح

انھیں باندیوں میں جُوَیرِیہؓ بھی تھیں، بنت حارث بن ابی ضرار کہ بنی المصطلق کے سردار تھے، یہ ایک انصاری کے حصہ میں آئی تھیں جنھوں نے ایک رقم مقرر کر دی تھی کہ اس کے ادا کرنے پر آزاد ہو جائیں، وہ رقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کر دی اور جب وہ آزاد ہو گئیں تو اُن سے نکاح کر لیا۔

اُن کی برکت سے تمام صحابہؓ نے، جتنے لونڈی غلام باقی رہ گئے تھے، سب کو آزاد کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کے بعد) مدینہ میں مراجعت فرمائی جہاں آپ نے اپنے آزاد غلام زیدؓ بن حارثہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا۔

مدینہ سے آپ اس مرتبہ اٹھارہ (۱۸) دن باہر رہے۔

واقعۂ اِفک - اُمُّ المومنین عائشہ صدیقہؓ پر بہتان

اسی غزوہ میں عائشہ (رضی اللہ عنہا) کا ہار کھو گیا اور اُن کی نسبت اہلِ اِفک (تہمت لگانے والوں) نے کہا جو کہا، یہ لوگ حسبِ ذیل تھے:-

(۱) مِسْطَحُ بن اُثاثہ بن عَبّادَ بنُ المطلبِ بن عبد مناف، یہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی خالہ کے بیٹے تھے اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہی کے اہل وعیال کے ساتھ رہتے تھے۔

(۲) حسّانُ بن ثابت بنُ المُنذِر بن حَرام بن عمرو بن زید مناۃ ابن عدی بن عمرو بن مالک بن النجّار، اسی کو "تیمُ اللہ" کہتے تھے، ابن ثعلبہ بن عمرو بن الخزرج۔

(۳) عبد اللہ بن اُبَیّ بن سَلُول الخزرجی، ان سب میں یہی اس تہمت کا سرغنہ تھا۔

(۴) حَمنہ بنت جَحْش بن رِماب۔

اسی ذیل میں لوگوں نے صفوان بن المُعطّل السلمی کا نام بھی لیا ہے جو اس غزوہ میں فوجِ ساقہ کے افسر تھے۔

جب (از روے وحی الٰہی)، عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی براءت نازل ہوئی (اور اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اُن کی پاک دامنی کی شہادت دی) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن بہتان باندھنے والوں کو اَسّی اَسّی تازیانہ کی سزا دی، مگر عبد اللہ بن اُبَیّ بن سَلُول کو چھوڑ دیا اور اُس پر حد جاری نہیں کی، اسی باب میں عبد اللہؓ بن رواحہ کہتے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کعب بن مالک نے کہا ہے:-

لقد ذاق حسّان الّذی هو أهله

(حسّان نے وہی مزہ چکھا جس کے وہ مستحق تھے)

وحَمْنَةُ اذ قالوا هَجِیْرًا و مِسْطَحٌ

(اور حمنہ اور مسطح بھی اسی کے لذت یاب ہوئے کیوں کہ ان سب نے بیہودہ بات کہی تھی)

تَعَاطَوْا برجمِ الغیب زوج نَبِیِّهِمْ

(اپنے پیغمبر کی بیوی پر بے جانے بوجھے ناحق بہتان باندھا)

وَ سَخْطَةَ ذِیْ العَرْشِ الْکَرِیْمِ فَابرحُوْا

(خداوند عرش کریم کے غضب وناخوشی کو انہوں نے اپنے لئے حاصل کیا جس کے نتیجے میں سختی بھگتی)

اسی سال آیۂ تیمم نازل ہوا جس کی کیفیت میں (کہ تیمم کیوں کر کرنا چاہیئے اور اس کی کیا صورت ہے) سلف وخلف کے درمیان اختلاف ہے۔[1]

غزوۂ خندق بعدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوۂ خندق ہے، کہ اسی کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔

آنحضرت علیہ السلام کے مقابلہ کو قبائل (۱) قریش (۲) غطفان (۳) سُلَیْم (۴) اَسَد (۵) اشجع (۶) قُرَیْظَہ (۷) نضیر، اور ان کے علاوہ دوسرے یہودی بھی چلے تھے ان سب کی مجموعی تعداد چوبیس ہزار (۲۴۰۰۰) تھی جن میں قریش اور اُن کے ساتھ تین سو گھوڑے اور ایک ہزار چار سو اونٹ بھی تھے، ابوسفیان صخر ابن حرب کو سرلشکری حاصل تھی۔

---

[1] یہ امر کہ آیۂ تیمّم کا نزول اور واقعۂ اِفک یہ دونوں ایک ہی غزوہ میں ہوئے یا جدا جدا غزووں میں، اس میں بھی اختلاف ہے، صحیح بخاری میں حدیث اِفک کے الفاظ یہ ہیں:- "قالت عائشة فاقرع بیننا فی غزوة غزاها فخرج فیها سهمی" اور حدیث نزول آیۂ تیمم کے الفاظ یہ ہیں:- "عن عائشة قالت خرجنا مع رسول الله صلّی الله علیه وسلم فی بعض اسفاره"۔

کتاب السیرۃ النبویہ میں سید احمد زینی وحلان رحمۃ اللہ نے لکھا ہے:- "والتحقیق ان قصة الافك فی غزوة بنی المصطلق قطعاً۔ والاختلاف انما هو فی قصة التیمم هل هی فی تلك الغزوة وبه جزم ابن عبد البر وجماعة او فی غزوة ذات الرقاع او غیرها وبه جزم آخرون والله اعلم"۔

مسلمانوں کی تعداد (صرف) تین ہزار کے قریب تھی۔

یہ واقعہ ماہِ شوال کا ہے، اور بقول بعض ذی القعدہ کا۔

سلمانؓ فارسی نے اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خندق کی صلاح دی جس پر آنحضرت صلوات اللہ علیہ کاربند ہوئے اور گرداگرد خندق کھدوائی۔

کفار نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا اور (محصور مسلمانوں سے) لڑتے رہے، آخر اللہ تعالےٰ نے اپنے پیغمبر کو نصرت و فیروزی عطا فرمائی، احزاب (یعنی مشرکین کی جماعتوں) کو شکست دی، اور ایسے غم و غصہ کے ساتھ پسپا کیا کہ اُنھیں مطلق کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن اُمِّ مکتوم کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ مشرکین و کفار کتنے دن تک خندق کا محاصرہ کیے رہے، بعض تو محاصرہ کی مدّت ایک مہینہ بتاتے ہیں، اور بعض پندرہ دن، اس کے علاوہ دوسرے ضعیف اقوال بھی ہیں۔

غزوۂ بنی قُرَیظَہ

بعدہٗ قُریظہ کے یہودیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ فرمایا، جس کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت علیہ السلام کے مقابلہ میں اُن لوگوں نے قریش کو مدد دی تھی۔

ذی القعدہ کی سات شبیں باقی تھیں کہ خندق سے واپس ہوتے ہوئے ادھر نہضت فرمائی، بنی قریظہ جہاں مقیم تھے وہ مقام مدینہ سے کچھ کم ایک دن کی مسافت پر واقع تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ روز تک، اور کہا گیا ہے کہ اس سے بھی زیادہ اُن لوگوں کا محاصرہ کیے رہے، آخر قبیلۂ اُوس کے سردار سعدؓ بن معاذ بن لغمان ابن امرئ القیس بن زید بن عبد الاشہل کے فیصلہ پر رضامند ہو کر ہتھیار ڈال دیئے، سعدؓ نے فیصلہ کیا کہ اُن میں جو لڑنے کے قابل ہیں قتل کر دیئے جائیں اور اُن کے بال بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا جائے۔

غزوۂ خندق میں سعد کو ایک تیر لگا تھا جس نے نس رگ کاٹ دی تھی، وہ اسی میں علیل و مشرف بموت تھے۔

بنی قُرَیظَہ کے سات سو پچاس آدمی قتل کر ڈالے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کے بعد) مدینہ مراجعت فرمائی جہاں آپ نے ابورُہم غفاری کلثوم بن الحُصین کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔

مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے بعد سعدؓ بن معاذ انتقال کر گئے۔

حضرت زینبؓ سے نکاح

اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینبؓ بنت جحش بن رئاب اسدیہ، منسوب بہ اسد بن خزیمہ ابن مدرکہ بن الیاس بن مضر سے، جو آنحضرت علیہ السلام کی پھوپھی اُمیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں، نکاح فرمایا۔

سریۂ ابو عبیدہؓ

بعدہٗ سریۂ ابو عبیدہؓ بن الجراح الفہری ہے، منسوب بہ فہر قریش، ابو عبیدہؓ کا نام عامرؓ تھا، ابن عبداللہ بن الجراح ابن ہلال بن اُہیب بن ضَبّہ بن حارث بن فہر بن مالک بن النضر ابن کنانہ۔

یہ سریہ ماہ ذی الحجہ میں سیف البحر کو روانہ ہوا تھا۔ [سیف البحر: سمندر کا ساحل]۔

سنۂ استیناس[1] ہجرت کا چھٹا سال

سریۂ محمدؓ بن مسلمہ

محرم میں محمدؓ بن مسلمہ انصاری کا سریہ بنی قُرطاء کی جانب روانہ ہوا جو ابوبکر بن کلاب کی اولاد میں تھے۔

یہ لوگ نواحِ ضریّہ میں اُس مقام پر فروکش تھے جسے بکرات کہتے ہیں ضریّہ مدینہ سے سات دن کی مسافت پر واقع ہے۔

غزوۂ بنی لحیان

بعدہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوۂ بنی لحیان ہے، یہ لوگ قبیلۂ ہُذیل کے تھے اور عسفان کے قریب رہتے تھے، جس دن ربیع الاول کا چاند دیکھا گیا ہے اُسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی طلب میں نکلے، کیونکہ مقام رجیع میں صحابہ اُن کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے اور اُن کا انتقام لینا تھا، مگر اُن لوگوں نے پہاڑ کی چوٹیوں پر پناہ لی (اور بچ گئے)۔

مختصر مہمیں

(۱) اسی دوران میں جیسا کہ کہا گیا ہے، عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کا سریہ بجانب اَلقارہ بھیجا گیا مگر وہ بھی پہاڑیوں میں چھُپ گئے۔

(۲) بنی مالک بن فہر کے مقابلہ میں ہلال بن الحارث المزنی بھیجے گئے، مگر بنی مالک بھاگ گئے۔

(۳) بنی حارث بن کنانہ کے مقابلہ میں بشرؓ بن سوید الجہنی بھیجے گئے، بنی حارث نے ایک جنگل کی جھاڑیوں میں پناہ لی جس میں بشرؓ نے آگ لگا دی اور سب جل مرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو اس حرکت کو ناپسند فرمایا۔

آنحضرت صلوات اللہ علیہ (ان مہمات مختصرہ سے فارغ ہوکر) مدینہ واپس آگئے اور کسی (دشمن اسلام) سے مقابلہ کی نوبت نہ آئی۔

مدینہ میں آپ نے اپنا قائم مقام ابن ام مکتوم کو مقرر فرمایا تھا۔

---

[1] اس سال کے اہم واقعات میں بیعت رضوان اور صلح حدیبیہ ہیں جن میں باہمی طور پر انس و محبت اور رشتہ اخوت کو مضبوط تر کیا گیا اور دوسروں سے مصالحت سے کام لیا گیا۔ اس لئے سنہ استیناس کہلایا۔ استیناس کے معنی انس و محبت کے ہیں۔

چودہ راتیں آپ نے مدینہ سے باہر گزاریں۔

غزوۂ ذی قرد

بعدہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس مقام پر غزوہ فرمایا، جو خیبر کی سڑک پر بنام ذی قرد مشہور اور مدینہ سے دو راتوں کی مسافت پر واقع ہے۔

واقعہ یہ ہوا کہ عُیَینۃ بن حصن بن حذیفہ بن بدر الفزاری نے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دودھ دینے والی اونٹنیوں پر چھاپہ مارا تھا، جو مقام غابہ میں تھیں، کہ مدینہ سے ایک چوکی یا اس سے زائد کی مسافت پر واقع ہے۔

ماہ ربیع الاول کی چار شبیں گزر چکی تھیں، چہارشنبہ کا دن تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس مہم میں) نکلے اور کچھ اونٹنیاں چھڑالیں جس کے بعد مدینہ واپس آگئے جہاں آپ نے ابن اُمِ مکتوم کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔

پندرہ شبیں آپ باہر رہے۔

معمولی اسلامی سرگرمیاں

(۱) سریۂ سعدؓ بن عُبَادہؓ خزرجی بجانب مقام مشہور بہ غَمیم۔
(۲) سریۂ ابو عبیدہؓ بن جرّاح بجانب کوہِ اجاء وکوہ سلمیٰ کہ قبیلۂ طے کی یہ دونوں پہاڑیاں ہیں۔

(۳) سریۂ عکاشہؓ بن مِحصَن اسدی بمقام غَمر جسے غمر مرزوق کہتے ہیں اور کوفہ کی سڑک فید سے دو شبوں کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ مقام بنی اسد کے قبضہ میں تھا۔

(۴) سریۂ محمدؓ بن مسلمہؓ انصاری، یہ ماہ ربیع الاول، بجانب ذی القصّہ، یہ مقام (یعنی ذی القصّہ) عراق کے راستہ میں رَبذہ کی سڑک پر واقع ہے اور اُس کے اور مدینہ کے درمیان بیس میل کی مسافت ہے۔

قبیلۂ بنی ثعلبہ اور بنی تغلب کے کچھ لوگوں پر یہ مُہم روانہ ہوئی تھی، محمدؓ بن مسلمہ کے ساتھ دس صحابی تھے (ایک مقام پر) سورہے تھے کہ سب کے سب شہید کر ڈالے گئے، صرف محمدؓ ابن مسلمہ بچ کے نکل گئے مگر وہ بھی زخمی ہوئے۔

(۵) اسی ذی القصّہ ہی میں سریۂ ابو عبیدہؓ بن جرّاح ماہ ربیع الآخر میں روانہ ہوا۔

(۶) سریۂ زیدؓ بن حارثہ بجانبِ قبیلۂ بنی سُلَیم، بمقام جَمُوم، یہ مقام بُطنِ نخل کے علاقہ اور اُس کے بائیں جانب واقع ہے، اور بطن نخل مدینہ سے چار چوکیوں کی مسافت پر ہے۔

(۷) ماہِ جمادی الاولیٰ میں انھیں زیدؓ بن حارثہ کا سریہ مقامِ عیص کو روانہ ہوا جو ذی المروہ کی سڑک ہے اور اُس کے داہنے جانب سمندر کے متصل ایک رات کے فاصلہ پر ہے اور خود ذی المروہ مدینہ سے چار مرحلہ پر ہے۔

(۸) جمادی الآخرہ میں زیدؓ بن حارثہ ہی کا سریہ طَرَفْ کو بنی ثعلبہ کی جانب روانہ ہوا، طَرَفْ ایک آب گیر کا نام ہے جو مقامِ مُراض کے قریب اور مقامِ نُخَیْل کے پیچھے، عراق کی سڑک پر مدینہ سے چھتیس (۳۶) میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

(۹) جمادی الآخرہ ہی میں زید بن حارثہ کا سریہ قبیلۂ جذام کے اُدھر، علاقہ فلسطین کے متصل، اور ملک شام میں داخل ہے۔

(۱۰) زیدؓ بن حارثہ ہی کا سریہ رجب میں وادی القُریٰ کو روانہ ہوا، کیونکہ قبیلۂ فزارہ کے لوگ وہاں مجتمع تھے، اُمِّ قِرفہ نے یہاں لڑائی کی طیاری کی لہٰذا زیدؓ واپس آگئے۔

(۱۱) سریۂ عبدالرحمٰنؓ بن عوف بن عبد عوف بن عبد بن الحارث ابن زُہرہ بن کلاب، بماہ شعبان بجانب دُومَۃُ الجَنْدَل۔

(۱۲) سریۂ علیؓ بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) بجانب قبیلۂ بنی سعد، بمقام فَدَکْ مدینہ اور فَدَکْ کے درمیان پانچ شبوں کی مسافت ہے۔

(۱۳) سریۂ زیدؓ بن حارثہ بماہِ رمضان، بجانب اُمِّ قِرفہ، اُمِّ قِرفہ کا نام فاطمہ تھا، بنت ربیعہ بن زید الفزاریہ، یہ عورت وادی القُریٰ کے نواح میں مدینہ سے سات شبوں کی مسافت پر رہتی تھی، زیدؓ نے (اس مہم میں) قبیلۂ بنی فزارہ کو شکست دی اور اُمِّ قِرفہ کو قتل کر ڈالا۔

(۱۴) اسی ماہ میں سریۂ عبداللہؓ بن عُتیک، ابو رافع سلّامُ ابن ابی الحقیق نَضَرِی کی جانب خیبر میں روانہ ہوا جس کو عبداللہؓ بن عتیک نے قتل کر ڈالا۔

(۱۵) سریۂ عبداللہ بن رواحۂ انصاری جو کعب بن الحارث ابن خزرج کی اولاد میں تھے، بجانب اُسَیْر بن رزام یہودی بمقام خیبر، عبداللہؓ بن رواحہ نے (اس مہم میں) اس یہودی کو قتل کر ڈالا۔

مرتدوں کی تادیب

شوال میں سریۂ کُرز بن جابر فہری بجانب اہلِ عُرَینہ روانہ ہوا جو مسلمان ہو کے پھر مُرتد ہو گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے چرواہے کو مار ڈالا تھا، اور اونٹوں کو ہنکالے گئے تھے۔

یہ مہم اس مقام کو روانہ ہوئی تھی جو بنام ذی الجدر مشہور، نواحِ قُباء میں ایک چشمہ کے قریب، مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اہل عُرَینہ پکڑ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لائے گئے اُن کی آنکھوں میں سلائی پھیری گئی اور ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے، لیکن فقہائے اسلام میں اختلاف ہے کہ اس روایت کے مفہوم اور آیۂ محاربہ اور احکام محاربین کے درمیان وجہِ توفیق کیا ہے؟۔

ہم سے ابو مسلم ابراہیم بن عبد اللہ الکشّی نے (باسناد المذکور فی الکتاب) اَنَسؓ بن مالک انصاری سے روایت کی کہ" قبیلۂ عُکلؔ یا قبیلۂ عرینہ کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں حاضر ہوئے تھے، مدینہ میں آ کے علیل ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اُنھیں دودھ دینے والی اونٹنیاں دی جائیں جن کا دودھ اور پیشاب یہ استعمال میں لائیں۔

اس فرمان کے مطابق عمل ہونے کے بعد یہ لوگ چلے گئے تندرست ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہوں کو قتل کر ڈالا اور گلّہ کو ہنکالے گئے۔

دن نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی، تلاش میں (کچھ لوگ) روانہ کئے ہنوز (اچھی طرح) دن نہیں چڑھا تھا کہ گرفتار کر کے لائے گئے، انجام یہ ہوا کہ اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے، آنکھوں میں سلائی پھیری گئی (جس کے بعد) گرم پتھروں پر ڈالے گئے (پیاس سے بیتاب ہو کے)، پانی مانگتے تھے مگر نہیں ملتا تھا، حتیٰ کہ اسی حالت میں سب کے سب مر گئے۔

روایت یہ ہے کہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کی آنکھوں میں سلائیاں اس لئے پھروائی تھیں کہ خود اُن لوگوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں بھی سلائی پھروا دی تھی، لہٰذا اُن سے بھی وہی قصاص لیا گیا۔

یزید بن زُرَیع نے بحوالۂ سلیمان التیمی اَنَسؓ بن مالک سے اسی طرح روایت کی ہے۔

مسعودی کہتے ہیں:۔

اہل عُرینہ [جن کو عربی میں بصیغۂ جمع عرنیون، یا عرینیّین" کہتے ہیں] عُرینہ بن نذیر

بن قسر بن عُبقر بن بَجِیلہ کی اولاد ہیں۔

بجیلہ ایک عورت تھی جس کے لڑکے اُسی کے نام سے منسوب و موسوم ہیں۔

اہل عُرَینہ باپ کی طرف سے اَنمار بن اَراش بن عَمرو بن الغوث کی اولاد ہیں، یہ غوث، اَزد بن الغوث کا بھائی تھا۔

جو لوگ ربیعہ اور مُضَر، فرزندانِ نزار کے قبیلوں کے ماہران انساب ہیں۔ اُن کے نزدیک بَجِیلہ، اَنمار بن نزار بن مُعَد کی اولاد میں ہے۔

قبیلۂ کلب میں ایک اور خاندان عرینہ ہے یعنی عرینہ بن ثور ابن کلب بن وَبَرَہ۔

خاندان عکل کے لوگ (جن کا تذکرہ روایت سابقہ میں آیا ہے) عُکل بن عبدِ مناۃ بن اُد بن طانجہ بن الیاس بن مضر کی اولاد میں ہیں۔

غزوۂ حُدَیبِیَہ

ذی القعدہ میں غزوۂ حُدَیبِیَہ پیش آیا، ایک ہزار چھ سو (۱۶۰۰)، صحابیوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عُمرہ کے لیے تشریف لے چلے، قربانی کے لیے ستر (۷۰) جانور آپ کے ساتھ تھے، مُشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا، لہٰذا حُدَیبیہ میں آنحضرت سلام اللہ علیہ نے قیام فرمایا، یہ مقام (حُدَیبِیَہ) مکہ سے نو (۹) میل کے فاصلہ پر سمتِ حرم کے متصل واقع ہے۔

بیعتِ رضوان

اسی مقامِ حدیبیہ میں موت کی شرط پر (یعنی اسلام کی نصرت میں جانیں فدا کر دیں گے) درخت کے نیچے بیعتِ رضوان ہوئی۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) کو یہ پیغام دے کے اہلِ مکہ کے پاس بھیجا کہ آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام جنگ کرنے تشریف نہیں لائے ہیں بلکہ محض عُمرہ ادا کرنے کی غرض سے رونق افروز ہوئے ہیں، اہلِ مکہ نے عثمان (رضی اللہ عنہ) کو قید کر لیا، اور خبر مشہور ہوئی کہ وہ مار ڈالے گئے، یہ ہی واقعہ اس کا باعث ہوا تھا اور اسی موقع پر یہ بیعت منعقد ہوئی تھی۔

اہل مکہ سے مصالحہ

سُہَیل بن عَمرو بن عبد شمس نے کہ عامر بن لُوی بن غالب کی اولاد میں تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں حاضر ہو کے دس برس کے لیے مصالحت کی درخواست کی کہ اس سال آپ واپس تشریف لے جائیں اور اگلے سال معاودت فرمائیں تو اُس وقت تین دن کے لیے مکہ کو آپ کے واسطے خالی کر دیں گے

(آنحضرت صلاۃ اللہ وسلامہ علیہ نے یہ درخواست منظور کرلی، حُدَیبیہ ہی میں قربانی وسر تراشی کے مناسک بجالائے اور اُسی کو عُمرہ قرار دے کے مدینہ میں مراجعت فرمائی جہاں آپ نے ابن اُمّ مکتوم کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔

واقعۂ غدیرِ خُم

حُدَیبیہ سے واپس آتے وقت مقام غدیر خُم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہٗ" (میں جس کا مولیٰ ہوں علیؓ بھی اُس کے مولیٰ ہیں)۔

یہ واقعہ اٹھارھویں ذی الحجہ کا ہے۔

غدیر خُم۔ اُس آب گیر کے قریب ہے جو خرار کے نام سے مشہور اور نواح جحفہ میں واقع ہے۔ اولاد و شیعۂ علی رضی اللہ عنہٗ اس دن کی تعظیم کیا کرتے ہیں۔

اسی سال لوگ مبتلائے قحط ہوے لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان میں نمازِ استسقا پڑھی۔

پیشین گوئی غلبۂ رُوم

اسی سال شہر براز نے جو (خسرو) پرویز بن ہرمزا بادشاہ ایران کا افسر تھا رومیوں سے شکست کھائی اور ایرانیوں پر رومی غالب آئے، انھیں لوگوں کے متعلق (مدتوں پیشتر جب ایرانی غالب اور رومی مغلوب تھے) یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

"اَلٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ، وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ"۔

(ملک کے ادنیٰ علاقہ میں رومی مغلوب تو ہو گئے مگر اس مغلوبیت کے بعد عنقریب وہی غالب آئیں گے)

سنۂ استغلاب[1] ہجرت کا ساتواں سال

غزوۂ خیبر محرم میں رسول اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا غزوہ فرمایا جو مدینہ سے آٹھ چوکیوں کی مسافت پر واقع ہے۔

اس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہزار چار سو (۱۴۰۰) آدمی اور دو سو گھوڑے (سوار) تھے۔

بعض قلعہ والوں نے مقابلہ کیا جنھیں آنحضرت علیہ السلام نے بزور فتح کرلیا، اور بعض صلح کی جانب مائل ہوئے جنھیں جلائے وطن کردیا۔

ان لوگوں نے آنحضرت سے درخواست کی کہ زمین کو اس شرط پر اُنھیں کے ہاتھ میں رہنے دیں کہ وہ خود اس میں کام کریں اور نصف پیداوار اُن کو ملے، آنحضرت نے یہ درخواست منظور کرلی۔ چنانچہ عبداللہؓ بن رواحہ انصاری کو تقسیم پیداوار کے لئے آپ ہر سال بھیجا کرتے تھے، عبداللہؓ غزوۂ موتہ میں جب شہید ہوے تو جبارؓ بن صخر کو اُن کی جگہ روانہ فرمایا۔

(اصل میں ہے، فکان یبعث عبد اللہ فیخرص علیھم، لفظِ "یخرص" اصل میں "خراصت" سے ماخوذ ہے جس کے معنے پھلوں کا اندازہ لگا کر باہم تقسیم کرنے کے ہیں)۔

عرب میں کُفّار و مُشرکین نہیں رہ سکتے عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کے زمانہ تک یہ انتظام قائم رہا لیکن (حضرت) عمرؓ نے (اپنے عہدِ خلافت میں) اُن لوگوں کو حجاز سے نکال باہر کیا، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں انھوں نے آنحضرت کو یہ کہتے سُنا تھا کہ:-

"لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب"

(جزیرۂ عرب میں دو مذہب مجتمع نہیں رہ سکتے)

فقہائے بلادِ اسلام میں اس روایت کے متعلق اختلاف ہے کہ مُلک بَدَر ہونے والے

---

[1] غلبہ کا سال

کس قدر مواشی اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔

[اصل میں ہے، فی ھذا الخبر من التنازع فی المساقاۃ۔ یہ لفظ ساق الماشیۃ سوقاً سے نکلا ہے جس کے وہی معنیٰ ہیں جو ترجمہ میں لکھے گئے۔ اُن دنوں اہل عرب اپنی سب سے بڑی دولت مواشی ودواب ہی کو سمجھتے تھے، لیکن تمدن کی ترقی نے ہر قسم کے مال ودولت کی تعمیم لفظ "المساقاۃ" میں پیدا کر دی جسے جلائے وطن ہونے والوں کو ساتھ لے جانے یا نہ لے جانے دیا جائے]

حضرت صفیہ سے نکاح

قلعۂ قموص کے لونڈی غلاموں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صَفِیّہ (رضی اللہ عنہا) بنت حُیَی بن اَخطَب کو جو قبیلۂ نضیر کی تھیں، انتخاب کر لیا (اس سے پہلے وہ) کنانہ بن ابی الحُقیق کے نکاح میں تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو آزاد فرمایا (اور نکاح کر لیا) اور اُن کی آزادی ہی کو اُن کا زرِ مہر قرار دیا، عبدالعزیز بن صُہَیب ثابت بُنانی، اور شعیب بن حجاب نے انس بن مالک سے ایسی ہی روایت کی ہے۔

لیکن اس روایت کے مفہوم میں (علما کا) اختلاف ہے کہ یہ امر آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے مخصوص تھا کہ نکاح کی صورت میں لونڈی کی آزادی ہی کو اُس کا زرِ مہر قرار دیں اور علیحدہ مہر نہ باندھیں) یا اُمت بھی اس باب میں آنحضرت علیہ السلام کی اقتدا کر سکتی ہے؟۔

قُدُومِ جَعفرِ طیّار

اسی غزوہ میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مع اپنے ساتھیوں کے ملکِ حَبَشہ سے واپس آئے اور جناب نبویؐ میں حاضر ہوئے۔

اُن کی معیت میں اُمِّ حبیبہؓ رَملہ بنت ابی سفیان صَخر بن حَرب بھی تھیں جن کا نجاشی بادشاہ حبشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر دیا تھا اور آنحضرت علیہ السلام کی جانب سے زر مہر خود ادا کیا تھا۔

پہلے وہ عبداللہ بن جَحش بن رِئاب کے نکاح میں تھیں، جو غَنم بن دُوْدان بن اَسَد بن خُزَیمہ بن مُدرکہ بن الیاس بن مُضَر کی اولاد میں تھا۔

عبداللہ نے (مسلمان ہونے کے بعد) ملکِ حبشہ میں ہجرت کی، اُمِّ حبیبہؓ بھی ہمراہ تھیں (وہاں جاکے) وہ نصرانی ہو گیا تو اُمِّ حبیبہؓ اُس سے جدا ہو گئیں۔

جعفرؓ کے آنے کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ما ادری بایھما انا ابشر بفتح خیبر، ام بقدوم جعفر؟ (یہ دو دو خوشیاں ہیں، اور میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کس سے زیادہ مجھے مسرت ہے، خیبر کی فتح سے، یا جعفرؓ کی آمد سے؟)

آنحضرت کو زہر دیا گیا

اسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دستِ گوسفند میں زہر دیا گیا، یہ گوشت آنحضرت علیہ السلام کے حضور میں زینب بنتِ حارث یہودیہ نے ہدیہ بھیجا تھا جو سلام بن مشکمؓ یہودی کی بیوی تھی، پہلے اس نے (لوگوں سے) دریافت کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گوسفند میں کونسا عضو زیادہ پسند ہے، معلوم ہوا تھا کہ دست مرغوب تر ہے۔

زینب نے تمام اعضائے گوسفند کو مسموم کر کے دست میں (اور بھی) اچھی طرح زہر بھر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں لے کے حاضر ہوئی، سامنے رکھ دیا تو آنحضرت علیہ السلام نے تناول فرمانا چاہا، ایک ہی لقمہ لیا تھا کہ ناگوار گزرا، اور آپ نے اس کو نہ کھایا۔

آنحضرت صلوات اللہ علیہ کے ساتھ بشر بن براء بن معرور انصاری نے بھی، کہ قبیلۂ خزرج کے خاندانِ بنی سلمہ میں تھے، اس گوشت کو تناول کیا، بشرؓ تو کھا گئے آنحضرت نے تھوک دیا اور فرمایا:۔

یہ ہڈی مجھے خبر دیتی ہے کہ اس میں زہر ملا ہے۔

زینب کو بلوایا (اور اس سے دریافت کیا)، تو اس نے اعتراف کر لیا۔

پوچھا:۔ کس چیز نے تجھے اس پر آمادہ کیا؟

اس نے کہا:۔ تو نے میری قوم کے ساتھ جو سلوک کیا ہے وہ تجھ پر مخفی نہیں، میں نے کہا کہ اگر یہ پیغمبر ہے تو فوراً اس کو معلوم ہو جائے گا (کہ اس گوشت میں زہر ملا ہے) اور اگر بادشاہ ہے تو مجھے بھی اور میری قوم کو بھی، اس سے نجات مل جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا اور کچھ مواخذہ نہ کیا۔

لیکن بشرؓ نے جو کھایا تھا اسی کے زہر سے جب مر گئے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (زینب سے قصاص لیا اور) اس کو قتل کر ڈالا۔

نعمتِ شہادت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں جب بشرؓ بن براء کی والدہ عیادت کو آئیں تو آنحضرت علیہ السلام

کس قدر مواشی اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔

[اصل میں ہے، فی ھذا الخبر من التنازع فی المساقاۃ۔ یہ لفظ ساق الماشیۃ سوقاً سے نکلا ہے جس کے وہی معنیٰ ہیں جو ترجمہ میں لکھے گئے۔ اُن دنوں اہل عرب اپنی سب سے بڑی دولت مواشی ودواب ہی کو سمجھتے تھے، لیکن تمدن کی ترقی نے ہر قسم کے مال ودولت کی تعمیم لفظ "المساقاۃ" میں پیدا کر دی جسے جلائے وطن ہونے والوں کو ساتھ لے جانے یا نہ لے جانے دیا جائے]

حضرت صفیہ سے نکاح

قلعۂ قموص کے لونڈی غلاموں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صَفِیّہ (رضی اللہ عنہا) بنت حُیَی بن اَخطب کو جو قبیلۂ نضیر کی تھیں، انتخاب کر لیا (اس سے پہلے وہ) کنانہ بن ابی الحُقیق کے نکاح میں تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو آزاد فرمایا (اور نکاح کر لیا) اور اُن کی آزادی ہی کو اُن کا زرِ مہر قرار دیا، عبدالعزیز بن صُہَیب ثابت بُنانی، اور شعیب بن حجاب نے انس بن مالک سے ایسی ہی روایت کی ہے۔

لیکن اس روایت کے مفہوم میں (علما کا) اختلاف ہے کہ یہ امر آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے مخصوص تھا کہ نکاح کی صورت میں لونڈی کی آزادی ہی کو اُس کا زرِ مہر قرار دیں اور علحدہ مہر نہ باندھیں) یا اُمت بھی اس باب میں آنحضرت علیہ السلام کی اقتدا کر سکتی ہے؟۔

قدومِ جعفر طیّار

اسی غزوہ میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مع اپنے ساتھیوں کے ملکِ حَبَشہ سے واپس آئے اور جناب نبویؐ میں حاضر ہوئے۔

اُن کی معیت میں اُمِّ حبیبہؓ رَملہ بنت ابی سفیان صَخر بن حَرب بھی تھیں جن کا نجاشی پادشاہ حبشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر دیا تھا اور آنحضرت علیہ السلام کی جانب سے زرِ مہر خود ادا کیا تھا۔

پہلے وہ عبداللہ بن جَحش بن رِئاب کے نکاح میں تھیں، جو غَنم بن دُوْدان بن اَسَد بن خُزَیمہ بن مُدرکہ بن الیاس بن مُضَر کی اولاد میں تھا۔

عبداللہ نے (مسلمان ہونے کے بعد) ملکِ حبشہ میں ہجرت کی، اُمِّ حبیبہؓ بھی ہمراہ تھیں (وہاں جاکے) وہ نصرانی ہوگیا تو اُمِّ حبیبہؓ اُس سے جدا ہوگئیں۔

جعفرؓ کے آنے کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ما ادری بایّھما انا ابشر بفتح خیبر، ام بقدوم جعفر؟ (یہ دو دو خوشیاں ہیں، اور میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کس سے زیادہ مجھے مسرت ہے، خیبر کی فتح سے، یا جعفرؓ کی آمد سے؟)

آنحضرت کو زہر دیا گیا

اسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دستِ گوسفند میں زہر دیا گیا، یہ گوشت آنحضرت علیہ السلام کے حضور میں زینب بنتِ حارث یہودیہ نے ہدیہ بھیجا تھا جو سَلام بن مِشْکَمْ یہودی کی بیوی تھی، پہلے اس نے (لوگوں سے) دریافت کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گوسفند میں کونسا عضو زیادہ پسند ہے، معلوم ہوا تھا کہ دست مرغوب تر ہے۔

زینب نے تمام اعضائے گوسفند کو مسموم کر کے دَسْت میں (اور بھی) اچھی طرح زہر بھر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں لے کے حاضر ہوئی، سامنے رکھ دیا تو آنحضرت علیہ السلام نے تناول فرمانا چاہا، ایک ہی لقمہ لیا تھا کہ ناگوار گزرا، اور آپ نے اُس کو نہ کھایا۔

آنحضرت صلوات اللہ علیہ کے ساتھ بشر بن بَرَاء بن مَعْرُور انصاری نے بھی، کہ قبیلہ خزرج کے خاندانِ بنی سَلِمہ میں تھے، اُس گوشت کو تناول کیا، بشرؓ تو کھا گئے آنحضرت نے تھوک دیا اور فرمایا:-

یہ ہڈی مجھے خبر دیتی ہے کہ اس میں زہر ملا ہے۔

زینب کو بلوایا (اور اُس سے دریافت کیا) تو اس نے اعتراف کر لیا۔

پوچھا:- کس چیز نے تجھے اس پر آمادہ کیا؟

اُس نے کہا:- تو نے میری قوم کے ساتھ جو سلوک کیا ہے وہ تجھ پر مخفی نہیں، میں نے کہا کہ اگر یہ پیغمبر ہے تو فوراً اس کو معلوم ہو جائے گا (کہ اس گوشت میں زہر ملا ہے) اور اگر بادشاہ ہے تو مجھے بھی اور میری قوم کو بھی اس سے نجات مل جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو چھوڑ دیا اور کچھ مواخذہ نہ کیا۔

لیکن بشرؓ نے جو کھایا تھا اُسی کے زہر سے جب مر گئے تو اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (زینب سے قصاص لیا اور) اُس کو قتل کر ڈالا۔

نعمتِ شہادت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں جب بشرؓ بن براءؓ کی والدہ عیادت کو آئیں تو آنحضرت علیہ السلام

نے فرمایا :-

"اے بشرؓ کی ماں! تیرے بیٹے کے ساتھ خیبر میں جو کھانا میں نے کھایا تھا، اس وقت میں ایسا پاتا ہوں کہ میری رگِ قلب اُس سے کٹ گئی۔"

مسلمانوں کی رائے تھی کہ، اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کی بزرگی تو عطا فرمائی ہی تھی، مگر اُسی کے ساتھ آپ شہید بھی ہوئے[1]، سلمہ بن فضل نے محمد بن اسحاق سے اور اُنھوں نے مروان بن عثمان بن ابی سعید بنُ المعلیؓ سے ایسی ہی روایت کی ہے۔

مسعودی کہتے ہیں :-

ابو عبیدؒ قاسم بن سلام نے کتاب "غریب الحدیث" میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

"ما زالت اکلۃ خیبر تُعادُّنی فی کل عام فھٰذا اوان قطعت ابھری"

(خیبر کا کھانا بار بار ایک خاص وقت میں ہر سال مجھے زحمت دیتا رہا حتّٰی کہ اب یہ وقت ہے کہ میری گردن کی رگ کٹ گئی)۔

تشریحِ الفاظ

حدیثِ مذکور کی تشریح میں ابو عبیدؒ کہتے ہیں :-

لفظ "تعادُّنی" (بار بار، ایک وقتِ خاص میں مجھے زحمت دیتا ہے) "عِداد" سے ہے جو اُس شے کو کہتے ہیں کہ ایک وقتِ معلوم میں تم پر اُس کی نوبت آئے، مثلاً "حُمّٰی رِبعی" (چوتھے دن کا بخار) اور وہ زہر جو ایک خاص وقت میں قتل کا موجب ہوتا ہے، اس لئے کہ جسے زہر دیا جائے کچھ کچھ دنوں کے بعد رہ رہ کے اُس پر زہر کا دورہ ہوتا ہے حتّٰی کہ وہ وقت

---

[1] ابتدائی دور کے مورخین کا بیان تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت اُس زہر کے اثر سے ہوئی جو غزوہ خیبر کے موقعہ پر آپؐ کو دیا گیا تھا۔ لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز سے منسوب رسالہ "سرالشہادتین" میں یہ عجیب و غریب انکشاف کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت کے مرتبہ پر فائز کرنے کے لئے دونوں نواسوں کو شہید کرایا گیا۔ ایک کو سری شہادت سے سرفراز کیا گیا۔ دوسرے کو علانیہ شہادت دلائی گئی۔

اول تو یہ بات ہی محل نظر ہے کہ اشرف الانبیا کے لئے شہادت کوئی ضروری شے تھی۔ تاہم اگر شہادت کو تکملہ نبوت سمجھ بھی لیا جائے تب بھی آپ کے لئے وہی شہادت معتبر ہو سکتی ہے جس سے خود آپ کو نوازا گیا ہو۔ نہ کہ وہ شہادت جو آپ کے نواسوں کو نصیب ہوئی۔

آجاتا ہے جس میں مسموم کی جان چلی جاتی ہے، اس لفظ کی اصلیت (مادّہ) عدد سے نکلی ہے۔

لفظِ "اَبہر" (رگِ گردن) جسم کی اُس اندرونی رگ کو کہتے ہیں جس کے متصل قلب ہے، جب یہ رگ کٹ گئی تو پھر زندگی ممکن نہیں۔

فَدَکؔ

خیبر والوں پر جو گزری تھی جب فدک والوں نے اُس کی خبر سُنی اور یہ بھی ہوا کہ اُن میں سے کن کن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کرلی تھی جنھیں آنحضرت علیہ السلام نے (مصالحین کے حسبِ خواہش) مع حواشی کے نکل جانے دیا تھا، تو اہلِ فدک نے جنابِ نبویؐ میں سفارت بھیج کے درخواست کی کہ اُنھیں جان کی اماں دی جائے اور وہ مال و دولت کو آنحضرت کے لئے چھوڑے دیتے ہیں۔

آنحضرت نے ایسا ہی کیا چنانچہ فدک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص تھا، کیونکہ مسلمانوں نے اُس کو پے سپر نہیں کیا تھا، نہ گھوڑے سے نہ اونٹ سے (یعنی فدک پر مسلمان حملہ آور نہیں ہوے تھے۔)

خیبر سے چل کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی القُریٰ کو روانہ ہوے، چند روز تک اہلِ وادیُ القُریٰ کا محاصرہ کیے رہے، تا آنکہ بزور فتح کیا۔

تسخیرِ تَیماء

اہل تیماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے اُن کے سردار سَمُوءَل بن عادیاء بن حَیا بن رفاعہ بن حارث بن ثعلبہ بن کعب ابن عمرو بن مُزَیقِیاء بن عامر کی اولاد میں تھے۔

سَمُوءَل وفادارانِ عرب میں ایک (مشہور) شخص تھا، وہ قلعہ اُسی کا تھا جو "اَبلقِ فرد" کے نام سے معروف ہے، اعشیٰ نے کہ قیس بن ثعلبہ کی اولاد میں تھا شُریح بن سَمُوءَل کی مدح کرتے ہوے اُس قلعہ کا بھی تذکرہ کیا ہے، وہ کہتا ہے:۔

بالاَبلَقِ الفردمن تیماءَ مَنزِلُهٗ

(تیماء کے قلعۂ ابلق فرد میں اُس کی فرودگاہ ہے)

حِصنٌ حَصِینٌ وجَارٌ غَیرُ غَدَّار

(قلعہ ہے تو مستحکم و استوار ہے اور ہمسایے ہیں تو بے وفا و غدار نہیں ہیں)

اہلِ تَیماءؔ کو جب وادیُ القُریٰ والوں کا انجام معلوم ہوا تو اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کرلی کہ جزیہ دیا کریں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ان مہمات کے بعد) مدینہ واپس آگئے جہاں آپ نے سباعؓ بن عُرفُطہؓ انصاری کو اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا۔

نقشِ خاتم

محرم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی جس پر الفاظ "محمدؐ رسول اللہ" نقش کرائے، ماہ ربیع الاوّل میں آنحضرت علیہ السلام نے پادشاہوں کو خطوط لکھوائے جنھیں (خاص) قاصد لے گئے۔

ان خطوط میں اُن پادشاہوں کو اسلام کی دعوت دی تھی اور جتنے خط ان سب کے نام لکھوائے تھے سب کی ابتدا "بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم" سے کی تھی۔

بسم اللہ کی ابتدا

قریش اپنی تحریروں کا افتتاح "باسمکَ اَللّٰھُمّ" (یا اللہ تیرے نام سے شروع ہے) سے کیا کرتے تھے، یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شروع میں لکھا کرتے تھے، حتّٰی کہ یہ آیت نازل ہوئی:۔

اِرکبوا فیہا بسم اللہ مجرٖاھا

(کشتی میں سوار ہو، اللہ کے نام پر اُس کی رفتار ہے)

اب آنحضرت "بسم اللہ" کہنے لگے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی:۔

"قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن ایًّا ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ"

(کہہ دے کہ تم لوگ، اللہ کو پکارو، یا رحمٰن کو پکارو، جو چاہو پکارو، اسماءِ حُسنیٰ اُسی کے لئے ہیں)

اب آنحضرت "بسم اللہ الرّحمٰن" لکھنے لگے۔

جب یہ آیت آپ پر نازل ہوئی کہ:۔

انہ من سلیمان انہ بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

(یہ سلیمان کی جانب سے ہے اور سلیمان اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع کرتا ہے)

تو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم" لکھنے لگے۔

کتاب "الاخبار المسعودیات" میں جو ہمیں سے منسوب ہے اُمیّہ بن ابی الصّلت ثقفی کے حالات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ قریش "باسمک اللّٰھم" کیوں لکھتے تھے اور اس کا کیا سبب تھا؟

شاہِ ایران کو دعوتِ اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن حُذافہؓ سہمی کو خسرو پرویز بن ہرمز پادشاہ فارس

کے پاس بھیجا جو اُن دنوں عراق کے شہر مدائن میں تھا، خسرو پرویز نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پھاڑ ڈالا اور باذام[1] کو، جو ملک یمن میں اُس کی جانب سے فرماں روا تھا، لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے پاس بھیج دے۔

باذام نے آنحضرت کی جناب میں دو اُسْوَارْ[2] بھیجے جو ساز و سامان و طاقت کے ساتھ روانہ ہوئے۔

جو گرفتار کرنے آئے تھے وہ مسلمان ہو گئے

باذام نے دو اُسْوَارْ جو بھیجے تھے اُن میں ایک فیروز ابن دیلمی تھا دوسرا خرخسرہ، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ (خرخسرہ نہیں) بابویہ تھا، اُس نے اُن سے کہہ دیا تھا کہ رسول اللہ

---

[1] یہ لفظ باذان بھی پڑھا جاتا ہے۔

[2] اِسْوَار :۔ بضم و بکسر آجکل تو اسوار یا سوار محض راکب کو کہتے ہیں، لیکن ایرانیوں میں جن کی زبان کا یہ لفظ ہے، اسوار یا سوار اُس شخص کو کہتے تھے جو :۔

(۱) کسی قدر فوج کا سالار ہوتا۔

(۲) بہت ہی اچھا تیر انداز ہوتا۔

(۳) گھوڑے پر خوب سوار ہو سکتا۔

اس موقع پر بھی اسوار سے انہیں اوصاف کا سوار مُراد ہے۔

عربی میں اسوار کی جمع اَسَاوِرَہ آتی ہے، مگر یاد رہے اساورہ قدیم ایرانیوں کی ایک خاص جماعت کا نام بھی تھا جو بعہدِ اسلام بصرہ میں آکے آباد ہوئے تھے، اسی طرح سُرخ پوش ایرانیوں کی ایک جماعت کوفہ میں آکے آباد ہوئی تھی جنھیں اَحَامِرہ کہتے تھے، یہ دونوں جماعتیں اپنے قدیم مذہب پر قائم تھیں، جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ :۔

(۱) فاتحانِ اسلام نے ایرانی مجوسیوں کو تبدیلِ مذہب پر کبھی مجبور نہیں کیا۔

(۲) فاتحانِ اسلام نے ایرانی مجوسیوں کو جلائے وطن ہونے پر کبھی مجبور نہیں کیا۔

(۳) فاتحانِ اسلام کی جانب سے اجازت تھی کہ خاص ترین اسلامی مرکزوں میں بھی ایرانی مجوسی اگر چاہیں تو بود و باش رکھ سکتے ہیں۔

بہرحال یہاں جن اسواروں کا تذکرہ ہے اُن کو اساورۂ بصرہ سے تعلق نہ تھا۔

عربی میں اس لفظ کا تلفّظ دو طرح پر ہے (۱) اُسْوَارْ (۲) اِسْوَارْ۔

علیہ وسلم کو باذام کے پاس لے کے آئیں۔

مدینہ پہونچ کے یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا کہ شیرویہ بن پرویز نے اپنے باپ (خسرو پرویز) کو کہ اُن کا پادشاہ تھا، آج شب میں قتل کرڈالا ہے۔

یہ سُن کے دونوں باذام کے پاس لوٹ گئے اور اُسے بھی خبر دی، آخر جب وہی بات نکلی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی، تو وہ دونوں مسلمان ہوگئے، باذام بھی اسلام لایا، اور اَبْناء بھی جو صَنْعا میں تھے (خدا و رسول پر) ایمان لائے۔

اَبْنَاءُ — اَبْناءُ[1] وہ تھے جو خُرزاد بن نرسی بن جاماسپ، برادر قباذ بن فیروز پادشاہ کے ساتھ مُلک یمن کو روانہ ہوئے تھے۔

ایرانی مُہِمِ یَمَن — نوشیرواں (پادشاہِ ایران) نے اسی خُرزاد کے منصب کا نام وَہْرَز رکھا تھا، یہ درجہ اُسے اُس وقت ملا ہے جب سیف ابن ذی یَزَن حِمیری (پادشاہِ یمن) کے ساتھ خُرزاد کو بھیجا ہے کہ وہ اہلِ حبشہ کے مقابلہ میں، جو یمن پر چھا گئے تھے، سیف بن ذی یزن کو مدد دے۔

ایرانیوں نے مسروق بن اَبْرَہۃ الاشرم کو شکست دی جو یمن کے حبشی فرماں رواؤں میں آخری حکمراں تھا۔

اس فتح کے بعد خود ایرانیوں نے وہیں قیام کیا اور اُسی مُلک میں رہ پڑے۔

یمن کے حبشی فرماں روا — اہلِ حبشہ میں سے چار فرماں رواؤں نے یمن پر حکومت کی:

(۱) اَرْیَاط :۔ اور بقول اَبْرَہَۃَ اَشْرَم۔

(۲) اَبْرَہۃ، یہ وہی اَبْرَہہ ہے کہ ہاتھی لے کے کعبہ کی جانب چلا تھا جس کا تذکرہ

---

[1] اَبْناء کے لفظی معنے تو بیٹوں کے ہیں، لیکن در اصل یہ قدیم ایرانیوں کی وہ جماعت تھی جو ایران سے نکل کے یمن میں رہ پڑی تھی، اس کا پورا نام "اَبْنَاءُ الفرس" تھا، یعنی فارسی زاد، اور یہ لقب عربوں نے دیا تھا جسے دوسرے لفظوں میں "مُوَلَّدْ" کہتے ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو ایرانی عرب میں آئے تھے خود اُنہیں اَبْناء نہیں کہتے تھے، بلکہ اَبْناءُ اُن کی نسل کا نام تھا، عربی میں، اس جماعتِ اَبْناء سے جب کسی کو منسوب کرتے ہیں تو اُسے اَبْنادی یا بَنَوی لکھتے ہیں۔

قرآن میں ہے۔

(۳) یکسوم بن اَبْرَہَہ۔

(۴) مَسْرُوْق بن اَبْرَہَہ۔

ان لوگوں نے کچھ اوپر ستر (۷۰) برس حکومت کی۔

ساحل حبشہ سے ساحلِ یمن کی جانب آنے کے لئے اُنھوں نے اُس مشہور مقام سے سمندر کو عبور کیا تھا جسے مَنْدَب کہتے ہیں، یہ دو پہاڑیاں ہیں۔

اس سمندر میں جتنے مقاماتِ عبور ہیں اُن میں یہ سب سے تنگ مقام ہے، اس کا عَرض فقط ایک میل کے قریب ہے، سواحلِ یَمَنْ میں اسی مَنْدَب کے متصل ساحلِ مُخَا واقع ہے جو (شہر) زَبید کے ساحل غَلَافقہ کے نزدیک ہے، آجکل (بعہد مصنّف) غلَافقہ ابن زیاد کے علاقہ میں شامل ہے۔

ایک تاریخی شُبہ کا ارتفاع

بعض لوگ (بجائے خُرزاد کے جو ایران کا سرلشکر اور مُلک یمن کا فاتح تھا) وَہرزدَیلمی کہتے ہیں (لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی شخص کے ہیں۔ خُرزاد اُس کا نام تھا اور وَہرِز خطاب)، علاقۂ دَیلم وکوہستان کی مرزبانی (صوبہ داری) اُس کو (ایرانی سلطنت کی جانب سے) ملی تھی اس لئے دَیلمی (یعنی قوم دیلم کی نسل میں) نہ تھا۔

دعوت نامۂ اسلام بادشاہوں کے نام

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دِحْیَہ بن خلیفۂ کلبی کو ہرقل بادشاہ روم کے پاس بھیجا، دِحْیَہ کا پورا سلسلۂ نسب یہ ہے:۔

دِحْیَہ بن خلیفہ بن فَرْوَہ بن فَضَالَہ بن زید بن اِمرئِ القَیس ابن خَزْرَج، خَزْرَج کے معنے ٹڈی کے ہیں (یہ لقب تھا) اور نام زید مناۃ تھا، بن عامر بن بکر بن عامر اکبر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات ابن رُفَیْدَہ بن ثَوْر بن کلب۔

(۲) عَمْرو رضؓ بن اُمَیَّۂ ضمری کو نجاشی بادشاہِ حبشہ کے پاس بھیجا، جس کا نام اصحمہ بن ابحرہ تھا۔

(۳) قبیلۂ عبد القیس کے مُنذر بن ساوی کے پاس، جو علاقۂ بحرین کا حاکم تھا، علاءؓ بن الحضرمی کو بھیجا۔

(۴) سَلیط بن عمرو العامری کو ہَوْزَہ بن علی حنفی فرماں روائے یمامہ کے پاس بھیجا۔

(۵) شجاع رض بن وہب الاسدی کو حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس بھیجا جو ہرقل پادشاہ روم کی جانب سے دمشق و مضافات کا فرماں روا تھا، حارث مقامات جولان و مرج الصفر میں رہا کرتا تھا۔

(۶) حاطب رض بن ابی بلتعہ لخمی کو مُقَوقِس کے پاس بھیجا جو اسکندریہ و مصر میں قبطیوں کا حاکم تھا۔ حاطب رض کو (بجائے لخمی کے) عَبسی (بھی) کہا گیا ہے، یہ قبیلۂ بنی اسد ابن عبدالعزیٰ کے حلیف تھے۔ مقوقس کا نام فرقب نونی تھا بحرف نون (مُقَوقِس لقب تھا) نون اصل میں قبطیوں کا ایک قبیلہ ہے، مسعودی کہتے ہیں:۔

ان سفیروں کے حالات اور جو لوگ اُن کے ساتھ بھیجے گئے تھے اُن کے واقعات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء و سلاطین کے پاس جو سفیر بھیجے، تمام پادشاہوں اور قوموں کے پاس جو وفد گئے۔ اُن سب کی کیفیت، آج تک کہ مطیع عباسی کا عہدِ خلافت اور سنہ ۳۳۵ھ ہے، ہم اپنی کتاب "فنون المعارف وما جریٰ فی الدہور السوالف" میں بیان کر چکے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے چھٹے سال فتح خیبر سے پیشتر، ان پادشاہوں کے پاس سفیر بھیجے تھے۔

سرایا

ان واقعات سے فراغت ہوئی تو شعبان میں عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کا سریہ اُس مقام کو روانہ ہوا جو تُرَبہ کے نام سے مشہور ہے، تُرَبہ نواحِ عبلاء میں مکہ سے چار شبوں کی، اور بعض کا قول ہے کہ پانچ شبوں کی، مسافت پر واقع ہے، یہ مُلک یمن کے شہر صَنعاء و نجران کا راستہ ہے۔

(۲) اسی مہینہ میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کا سریہ روانہ ہوا بجانب کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صَعصَعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن ابن منصور بن عکرمہ بن خَصَفہ بن قیس بن عیلان بن معز بن نزار۔

یہ سریہ نواحِ ضریہ کو روانہ ہوا تھا۔

(۳) اسی مہینہ میں سریۂ بشیر رض بن سعد انصاری خزرجی مقامِ فَدَک کی جانب بنی مرّہ کے مقابلہ میں روانہ ہوا۔

بنی مرّہ بن عوف بن سعد بن ذُبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان ابن سعد بن قیس بن عیلان بن معز۔

بشیرؓ بن سعد کے جتنے ساتھی تھے سب مجروح یا مقتول ہوئے اور وہ خود مقتولین میں سے زخمی اُٹھا کے (مدینۂ شریفہ) لائے گئے۔

ایک کلمہ گو کا قتل

(۴) ماہ رمضان میں سریۂ غالبؓ بن عبداللہ اللیثی مقام میفعہ کو روانہ ہوا جو نواحِ نقرۂ میں کہ نجد کے متصل ہے، بطنِ نخل کے ادھر مدینہ سے آٹھ چھ کیول کے فاصلہ پر واقع ہے۔

اسی سریہ میں اُسامہؓ بن زید بن حارثہ نے اس شخص کو قتل کیا جس نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مراجعتِ سریّہ کے بعد یہ واقعہ سن کے) اُسامہ کو اُس کلمہ گو کے قتل پر ملامت کی۔

اُسامہ نے عرض کی:۔ انما قالھا احتجاساً (اُس نے تو کلمۂ توحید محض قتل سے بچنے کے لئے کہا تھا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

هلاّ شققتَ عن قلبه فتعلم أصادقٌ هو ام كاذبٌ ؟

(کیوں نہ اس کا دل چیر کے دیکھ لیا کہ معلوم ہو جاتا کہ وہ سچّا ہے یا جھوٹا؟)

اللہ تعالےٰ نے اسی امر کے متعلق وحی نازل فرمائی:۔

ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مؤمناً

(جو تم کو سلام کرے اُس کو یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے)

(۵) شوال میں سریۂ بشیرؓ بن سعد انصاری یُمن وجُبار کو روانہ ہوا، یہ دونوں مقامات جناب کے پاس پاس ہیں اور مقام جناب خیبر اور وادی القُریٰ کے مقابل واقع ہے۔

عُمرۃ القضاءُ

ذی القعدہ کی چھ شبیں گزر چکی تھیں کہ دوشنبہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۂ قضا کے لئے برآمد ہوئے جس کے ادا کرنے سے (پچھلے سال) مشرکوں نے آنحضرت علیہ السلام کو حُدَیبیہ میں روک دیا تھا۔

مشرکین (حسب شرائط صلح نامۂ حُدَیبیہ) مکہ سے نکل گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (شہر میں) تشریف لائے اور مع صحابہؓ کے تین دن قیام فرما کر مدینہ مراجعت فرمائی جہاں آپؐ نے سباعؓ بن عُرفطہ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا۔

اُم المومنین میمونہؓ سے نکاح

قدوم مکہ ہی کے دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ ہلالیہ (رضی اللہ عنہا) سے نکاح کیا جو عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہا) کی خالہ تھیں۔

بلادِ اسلام کے فقہائے متقدمین کا اس باب میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نکاح کیا ہے تو اُس وقت آپ حالتِ احرام میں تھے یا نہیں۔

میمونہ (رضی اللہ عنہا) حارث کی بیٹی تھیں، بن حزن بن بجیرہ ابن الہزم بن رُوَیبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ ابن بکر بن ہوازن۔

اُن کی والدہ ہند تھیں، بنت عوف بن زُہیر بن الحارث ابن حماطہ بن جُرش جو قوم حمیر کے تھے۔

ہند ہی کا لقب عجوزِ جرشیہ ہے (یعنی خاندان جُرش کی بوڑھی بی بی) اور وہ تمام لوگوں میں باعتبار اپنی ماؤں کے شریف تر خاتون مانی جاتی تھیں، اُن کی آٹھ بیٹیاں تھیں۔

(۱) میمونہ۔

(۲) لُبابۂ کبریٰ۔

(۳) لُبابۂ صغریٰ۔

(۴) عصماء۔

(۵) عزہ۔

یہ سب حارث بن حزن کے صُلب سے تھیں۔

(۶) سلمیٰ۔

(۷) اسماء۔

(۸) سلامہ۔

ان تینوں کے والد عُمیس تھے، بن معد بن حارث بن تیم بن کعب ابن مالک بن قحافہ بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن معاویہ بن زید بن مالک ابن نسر بن وہب اللہ بن شہران بن عِفرس بن اَفتَل، یہ خثعم بن انمار کی جماعت کے لوگ ہیں، اگرچہ انمار کے نسب میں اختلاف ہے کہ قبیلۂ نزار ابن معد بن عدنان کی اولاد میں شامل کرتے ہیں، اور قبیلۂ قحطان کے ماہرانِ فن انساب اُسے اراش بن عمرو بن غوث بن نبت بن زید بن کہلان بن سبا بن

یعرب بن قحطان کے خاندان میں داخل مانتے ہیں۔

خواہران حضرت میمونہ اور اُن کی اولاد

جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میمونہ (رضی اللہ عنہا) سے نکاح کیا، اور حمزہ بن عبد المطلب نے (اُن کی بہن) سلمیٰ رضؓ سے نکاح کیا جن کے بطن سے اُمَۃُ اللہ اور بقول بعض، امامہ بنتِ حمزہ رضؓ پیدا ہوئیں۔

عباس رضؓ بن عبد المطلب نے لُبابہ رضؓ کبریٰ سے نکاح کیا جن کی کنیت اُمّ الفضل تھی۔ لُبابہ رضؓ کے بطن سے عباس رضؓ کے چھ لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی۔

(۱) فضل جو لاولد تھے۔

(۲) عبد اللہ رضؓ جو خلفائے بنی عباس کے مورث تھے۔

(۳) عبید اللہ رضؓ۔

(۴) مُعبد رضؓ، یہ دونوں صاحب اولاد تھے۔

(۵) قُثم۔

(۶) عبد الرحمٰن رضؓ، ان دونوں صاحبوں کے اولاد نہ تھی۔

(۷) اُمّ حبیب رضؓ۔

ایک ہی ماں باپ کی اولاد میں نہ ان چھئوں بھائیوں سے زیادہ کوئی شریف ہے اور نہ اتنی دور دور کسی کی قبریں ہیں، فضل رضؓ نے ملک شام میں طاعون عمواس میں انتقال کیا، عبد الرحمٰن رضؓ و معبد رضؓ افریقہ میں مرے، قثم رضؓ نے سمرقند (ترکستان) میں وفات پائی، عبد اللہ رضؓ طائف میں جاں بحق ہوئے، اور عُبَید اللہ رضؓ مدینہ میں۔

جعفر رضؓ بن ابی طالب نے اسماء رضؓ سے نکاح کیا جن سے تین لڑکے ہوئے، عبد اللہ رضؓ، عون رضؓ، محمد رضؓ۔ پھر اسماء رضؓ (حضرت جعفر رضؓ کے شہید ہونے پر) ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے نکاح میں آئیں جن سے محمد رضؓ پیدا ہوئے۔

بعدہٗ علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) نے اُن سے نکاح کیا اور اُن سے بھی دو لڑکے یحییٰ رضؓ و عون رضؓ ہوئے، یہ دونوں صاحب لاولد تھے۔

ولید بن مغیرۂ مخزومی نے لُبابہ صغریٰ سے نکاح کیا جن سے خالد رضؓ بن ولید پیدا ہوئے۔

باقی لڑکیاں دوسرے مختلف شوہروں کے عقد نکاح میں آئیں جو سبقتِ اسلام و شرافت

نسب میں ان بزرگوں کے مماثل نہ تھے۔

سال تمام کی مہمیں

(۱) ذی الحجّہ میں سریۂ ابن ابی العوجاء السُلمی بنی سُلیم کی جانب روانہ ہوا جس میں ابن ابی العوجاءؓ کے ساتھی کام آئے اور وہ خود بھی زخمی ہوئے مگر بچ گئے۔

(۲) ذی الحجّہ ہی میں سریۂ عبداللہ بن ابی حَدْرَد اَسلَمی مقام غابہ کو روانہ ہوا جس میں عبداللہؓ نے رفاعہ بن زید جُشمی کو قتل کیا۔

(۳) سریۂ مُحَیصَہؓ بن مسعود بطرفِ نواحِ فَدَک۔

(۴) ذی الحجہ ہی میں (دوسرا) سریۂ عبداللہ بن ابی حَدْرَدْ کی سرگروہی میں مقام اِضَمْ کو روانہ ہوا، اس جماعت میں ابوقتَادہ اور مُحَلِّم بن جَثَامہ بھی تھے۔

مُحَلِّم اور عامر بن اَضبَط اشجَعی کے درمیان عہدِ جاہلیت کا پُرخاش (کینہ) تھا جس کی بناء پر مُحَلِّم نے عامر کو قتل کر ڈالا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عامر نے مُحَلِّم کو اسلامی سلام کیا تھا، اس پر بھی مُحَلِّم نے اُنھیں قتل کر ڈالا، یہ آیت بہ روایت بعض اسی کے متعلق نازل ہوئی:۔

"ولا تقولوا لمن القٰی الیکم السّلام لست مومناً تبتغون عرض الحیاۃ الدنیا"

(جو تمہیں سلام کرے اُس کو یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے، دُنیاوی زندگی کے مال ومتاع کی خواہش رکھتے ہو)۔

سنہ فتح ہجرت کا آٹھواں سال

(۱) سریۂ غالب بن عبداللہؓ لیثی ماہِ صفر میں قبیلۂ بنی مُلوّح کی جانب مقام کدید کو روانہ ہوا جو مقاماتِ عُسفان و قُدَید کے درمیان واقع ہے۔

(۲) صفر ہی میں ایک سریہ بنی مُصاب کی جانب روانہ ہوا، یہ لوگ مقام یُسَیر کے تھے کہ علاقۂ فدک میں واقع ہے۔

اسی ماہ میں (الف) عمروؓ بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سُعَید، ابن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لُوَیّ بن غالب اور (ب) خالدؓ ابن الولید بن المُغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن یَقظہ بن مُرّہ بن کعب، ابن لویّ، مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے۔

(۳) ماہِ ربیع الاوّل میں سریۂ شجاعؓ بن وہب اسدی مقام سِیّ میں بنی عامر کی جانب روانہ ہوا، یہ مقام نواحِ رُکبہ میں موضع تُربہ کے متصل واقع ہے، اور رُکبہ علاقۂ معدن بنی سُلَیم کے اُدھر مدینہ سے پانچ شبوں کی مسافت پر ہے۔

(۴) اسی ماہ (ربیع الاول) میں سریۂ کعبؓ بن عُمَیر غِفاری مقام ذاتِ اُطلاح کو روانہ ہوا جو وادی القُریٰ کے اُدھر ملک شام کے علاقۂ دمشق میں مقاماتِ تبوک و اَذرِعات کے درمیان واقع ہے۔

اس مُہم میں کعبؓ بن عُمیر کے تمام رُفقاء شہید ہوئے اور مدینہ میں وہ خود زخمی اُٹھا کے لائے گئے۔

نصرانیوں سے جنگ :-

(۱) سریۂ مُوتہ

(۵) جمادی الاولیٰ میں رومیوں سے جنگ کے لئے وہ سریہ روانہ ہوا جس کے افسر (الف) زیدؓ بن حارثہ (ب) جعفرؓ بن ابی طالب (ج) اور بنی حارث بن خزرج کے عبداللہ بن رواحہ انصاری تھے۔

یہ مہم مقامِ موتہ کو بھیجی گئی تھی جو مُلکِ شام کے علاقۂ دمشق کے نواحِ بلقاء میں واقع ہے۔
سبب یہ تھا کہ شُرَحبیل بن عمرو الغسّانی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حارثؓ بن عُمیر اَزدی کو جو حکمرانِ بصریٰ کے پاس بھیجے گئے تھے، شہید کر ڈالا تھا، اُن کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی قاصد شہید نہیں ہوے۔

تین ہزار صحابہؓ اس مُہم میں تھے جن کے ساتھ رومیوں نے ایک لاکھ کی جمعیت سے مقابلہ کیا، یہ فوج ہرقل نے ان کے مقابلہ کے لئے بھیجی تھی جو اُن دنوں انطاکیہ میں مقیم تھا۔
رومیوں کا سرلشکر تیادوقس بطریق تھا اور قبائل غسّان و قضاعہ مُتنَصِّرۂ عرب کا (یعنی اُن عربوں کا جو رومیوں کے اثر سے نصرانی ہو گئے تھے) شُرَحبیل بن عمرو غسّانی افسر تھا۔

اس جنگ میں زیدؓ بن حارثہ، جعفرؓ بن ابی طالب اور عبداللہؓ ابن رواحہ شہید ہوے۔
جعفرؓ بن ابی طالب ایسی حالت میں شہید ہوے کہ (جان پر کھیل گئے تھے) اپنے گھوڑے کے پچھلے پانوں کاٹ ڈالے تھے، یہ پہلا گھوڑا تھا جس کے پچھلے پانوں عہدِ اسلام میں کاٹے گئے (شہادت کے بعد جعفرؓ کی لاش اس حالت میں ملی کہ اُن کے جسم پر کچھ اوپر نوّے (۹۰) زخم تھے اور یہ سب زخم آگے ہی کی جانب تھے)۔
خالدؓ بن ولید لوگوں کو لے کے واپس آ گئے۔

(۲) سریّۂ ذات السلاسل

(۶) جمادی الآخرہ میں عمروؓ بن العاص کا سریّہ مقام ذات السلاسل کو روانہ ہوا جو وادی القریٰ کے اُدھر واقع ہے اور اُس کے اور مدینہ کے درمیان دس دن کی مسافت ہے۔
رومیوں اور مُتنَصِّرۂ عرب کی جماعتوں سے عمروؓ بن العاص کو مقابلہ پیش آیا تو اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امداد طلب کی، آنحضرت علیہ السلام نے ایک امدادی سریّہ روانہ فرمایا جس میں ابوبکر و عمر و ابوعبیدہ بن الجراح (بھی) تھے (رضی اللہ عنہم)۔
اس مہم میں عمروؓ بن العاص سے بعض قابلِ اعتراض افعال سرزد ہوے، مثلاً غسل کی ضرورت ہوتے ہوئے اُنھوں نے نمازِ باجماعت ادا کی اور باوجود اس کے کہ سردی کی شدّت اور زخموں کی کثرت سے لوگوں کو (شب میں) آگ جلانے کی ضرورت تھی لیکن اُنھوں نے ممانعت کردی، وغیر ذٰلک۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرزِ عمل کی اطلاع پہونچی تو آپ نے اس کو جائز

قرار دیا، کیونکہ عمروؓ بن العاص نے بیان کیا کہ فوجی مصلحت اسی بات کی مقتضی تھی۔

(۷) رجب میں سریۂ ابو عبیدہؓ بن جراح، سرزمینِ جُہَینہ کی جانب روانہ ہوا جو علاقۂ ساحلِ بحر کے نواح میں واقع ہے اور اُس کے اور مدینہ کے درمیان پانچ شبوں کی مسافت ہے۔

(۸) سریۂ ابو قتادہؓ بن نعمان بن ربعیؓ انصاری خزرجی شعبان میں مقام خَضِرَہ کو روانہ ہوا جو ولایتِ نجد کے علاقۂ محارب میں واقع ہے۔

(۹) اسی مہینہ میں ابو قتادہؓ کا دوسرا سریۂ بطن اِضَم کو روانہ ہوا جو مقاماتِ ذی خُشُب وذی المَرْوَہ کے درمیان، مدینہ سے تین چوکیوں کے فاصلہ پر ہے۔

فتحِ مکہ

ماہِ رمضان کی تین شبیں گزر چکی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ مکہ کے لئے، کہ اسی کو "غزوۂ فتح" بھی کہتے ہیں، دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ تشریف لے چلے اور مکہ میں داخل ہو گئے۔

مدینہ میں آپ نے اپنا قائم مقام ابورہم غفاری کو مقرر فرمایا تھا۔

مسعودی کہتے ہیں:-

اس باب میں اختلاف ہے کہ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مُصالحانہ داخل ہوئے تھے یا محاربانہ؟ ابو عمرو عبدالرحمٰن بن عمرالاوزاعی جو قوم حمیر کے قبیلۂ اوزاع کے تھے، اور دوسرے فقہائے شام وعراق، نیز اصحاب ظاہر مثلاً ابو سلیمان داؤد بن علی اصفہانی وغیرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو بزورِ شمشیر فتح کیا تھا۔

حُرمتِ مکہ کے متعلق بحث

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین صحابہؓ کو مکہ میں اُن کی جس قدر زمینیں تھیں اور جو مکانات تھے، اجازت دیدی کہ اُن سب پر قابض ہو جائیں، اور ان زمینوں اور مکانوں کو مالِ غنیمت نہیں قرار دیا۔

یہ لوگ جو بزورِ شمشیر فتح مکہ کے قائل ہیں اُن کی دلیل یہ ہے:-

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"اِلا ان اللہ حبس الفیل عن مکۃ وسلّط علیھم رسولہ والمومنین،

الا انھا لم تحلّ لاحدٍ قبلی ولا تحل لاحدٍ بعدی۔"

(آگاہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھی کو مکہ پر حملہ کرنے سے روک لیا تھا، مگر اپنے پیغمبر اور مسلمانوں کو

اُس نے اہل مکّہ پر مسلّط کر دیا، آگاہ رہو کہ مکّہ مجھ سے پیشتر کسی پر حلال نہیں ہوا اور نہ میرے بعد کسی پر حلال ہوگا)۔

(۲) پھر آنحضرتؐ ہی نے ارشاد فرمایا تھا کہ "سفلگانِ قریش کو دیکھتے ہو، یہ جہاں ملیں انھیں کاٹ کے ڈال دو۔"

(۳) پھر آپ نے ابن خُطَل، عبداللہ بن سعد بن ابی سَرح، اور مُقَیس بن صُبابہؓ وغیرہم کے قتل کر ڈالنے کا حکم دیا تھا۔

اسی طرح کی اور بھی دلیلیں ہیں۔

امان کا اعلان

لیکن ابو عبداللہ محمد بن ادریس الشّافعیؒ اور اُن کے موافقین کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ میں بزورِ شمشیر نہیں داخل ہوئے تھے بلکہ صلح و امن کے ساتھ داخل ہوئے تھے اور اہل مکّہ کو پہلے ہی امان مل چکی تھی، کیونکہ آپ نے فرما دیا تھا۔

"جو اپنے گھر کے اندر چلا جائے اُسے امان ہے، جو ہتھیار ڈال دے اُسے امان ہے۔"

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:-

"وھو الّذی کفّ اَیدِیَھُم عنکم وایدیکم عنھم ببطن مکّۃ من بعد ان اظفرکم علیھم"

(وہی خدا ہے جس نے مشرکین کو تم پر دراز دستی سے باز رکھا، اور تمہیں اُن پر مکّہ کے اندر مظفر و منصور بنانے کے بعد تمہارے ہاتھ اُن سے روک دیئے)۔

روایت ہے کہ یہ آیہ غزوۂ حُدَیبیَہ میں نازل ہوئی تھی، ابو جعفر محمّد بن جریر الطبری نے ہم سے اسی طرح روایت کی ہے:-

"عن بِشر ابن معاذ عن یزید بن زریع عن سعید عن قتادۃ"

مفتوحین کا مال بھی محفوظ رہا

یہی مذہب (جو امام شافعی سے ماثور ہے) ابو عبداللہ مالک بن اَنَس الاَصبَحی کا بھی ہے جو قومِ حِمیَر کے ذی اَصبَح بن مالک کی اولاد میں ہیں۔

اور اُن کے علاوہ دوسرے فقہائے مدینہ بھی یہی کہتے ہیں کہ جب اہل مکّہ کو جان کی امان حاصل ہوئی تو اُن کا مال بھی اسی امان کے ضمن میں تھا (یعنی جان کے ساتھ مال بھی محفوظ رہا اور اُنہیں کچھ بھی نقصان نہ ہونے پایا)۔

مفتوحین پر احسان

دوسرے فُقہَا جن میں ابو عُبَیْد قاسم بن سلام بھی شامل ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ کو (بزور شمشیر) فتح کرنے کے بعد اہلِ مکہ پر یہ احسان کیا کہ سب مال و متاع اُن کو واپس دیا نہ اس کو (فاتح لشکر پر) تقسیم کیا اور نہ مالِ غنیمت قرار دیا۔

اسی طرح کے اور بھی مختلف استدلال کئے گئے ہیں۔

معاندین کی تلاش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی شخصوں کے قتل کر ڈالنے کا حکم دیا تھا۔

(۱) ان میں ایک عبداللہ تھے، ابن سعد بن ابی سرح ابن حُبَیْب بن جَذِیمَہ بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لُوَی، یہ عثمان بن عفّان (رضی اللہ عنہ) کے ماں جائے بھائی اور کاتبِ وحی بھی تھے۔

لیکن پھر یہی شخص مرتد و مشرک ہوگیا اور مکّہ میں جا رہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قتل کا حکم دیا تو عثمان (رضی اللہ عنہ) نے عبداللہ کو چھپا دیا اور پھر لے کے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے کہ اس واجب القتل کی نسبت کیا حکم ہے؟

آنحضرت دیر تک خاموش رہے، پھر فرمایا:۔ ہاں (اس شخص کا اسلام قبول ہے)۔

عثمان (رضی اللہ عنہ) جب عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو لئے ہوئے واپس گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین صحابہ سے خطاب کیا۔

آگاہ رہو کہ واللہ میں دیر تک اسی لئے خاموش رہا تھا کہ تم میں سے کوئی اُٹھ کے اُس کی گردن مار دے۔

ایک انصاری نے عرض کی:۔

"فهلا اومأت یا رسول الله؟" (یا رسول اللہ پھر آپ نے اشارہ کیوں نہ کیا؟)

آنحضرت صلوات اللہ علیہ نے فرمایا:۔

"ان النبی لا یقتل بالاشارة" (پیغمبر اشارہ سے قتل کا حکم نہیں دیا کرتے)

(۲) عبداللہ بن خَطَل کہ تیم بن غالب بن فہر بن مالک کی اولاد میں تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس شخص کا نام ہلال بن خَطَل تھا مگر اسی کو عبداللہ بھی کہتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو مُصَدِّق[1] مقرر کیا تھا۔

ابن خطل کے ساتھ ایک انصاری اور اُن کا ایک لڑکا بھی تھا۔ لڑکے نے کچھ مخالفت کی جس پر ابنِ خطل نے اُسے شہید کر ڈالا اور مُرتد و مشرک ہو گیا۔

اس کی دو لونڈیاں تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں گیت گایا کرتی تھیں آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ اسی کے ساتھ یہ دونوں بھی قتل ہوں۔

(۳) مِقْیَس بن صُبَابَہ، یہ شخص خاندانِ بنی کلب کا تھا، کلب ابن عوف بن کعب بن عامر بن لیث بن بکر بن عبدِ مناۃ بن کنانہ بن خزیمہ ابن مُدرِکہ بن الیاس بن مُضَر، ایک انصاری نے غلطی سے مقیس ابن صبابہ کے ایک بھائی کو قتل کر ڈالا تھا، مقیس نے اُن انصاری کو شہید کیا اور مرتد ہو کے مکّہ واپس چلا گیا تھا۔

(۴) عِکْرِمَہ بن ابی جہل المخزومی (یہ مسلمان ہو گئے اور نصرانیوں سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے، ان کی شہادت حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ کے ابتدائے عہد خلافت کا واقعہ ہے)۔

(۵) حُوَیرِث بن نُقَیذ بن وہب بن عبدِ قُصَیّ، مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہونچایا کرتا تھا، علی بن ابی طالب علیہ السلام نے اُس کو قتل کیا۔

(۶) سَارَہ خاندان عبد المطلب کی یہ ایک آزاد لونڈی تھی، مکّہ میں یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیّت دیتی تھی۔

مُہِمّاتِ نواحِ مکّہ :-

بُت شکنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بعد فتح و نصرت) مکہ سے اِرد گرد سرایا بھیجے :-

(۱) پہلا سریۃ خالدؓ بن الولید کا تھا جو عُزّیٰ کو توڑنے کے لئے ماہِ رمضان میں بمقام نخلۂ یمانیہ روانہ ہوا تھا، خالدؓ نے اُس بُت کو توڑ ڈالا۔

(۲) ماہِ رمضان ہی میں سریۂ عمرو بن العاص مقام رُہاط کو روانہ ہوا، عمروؓ نے اس بُت کو توڑ ڈالا۔

---

۱ [مُصَدِّق :- محصّل زکاۃ، وہ شخص جو لوگوں سے مالِ زکوٰۃ وصول کر کے بیت المال میں داخل کرنے پر مامور ہو]

(۳) اسی مہینہ میں مَناۃ کو توڑنے کے لئے بہ مقامِ مُشَلَّل سریّۂ سعدؓ بن زید الاشہلی روانہ ہوا جو قبیلۂ اَوسؔ کے تھے، سعدؓ نے اس بُت کو توڑ ڈالا۔

(۴) سریّۂ خالد بن سعید بن العاص بمقام عُرَنہ۔

(۵) سریّۂ ہشامؓ بن العاص بمقام یَلَملَم۔

(۶) شوال میں سریّۂ طُفَیلؓ بن عمرو دَوسی ذِی الکَفَّین کی جانب روانہ ہوا جو عمرو بن حُمَمَہ دَوسی کا بت تھا، طُفَیلؓ نے اس بُت کو توڑ ڈالا۔

(۷) سریّۂ خالدؓ بن الولید بجانب بنی جذیمہ بن عامر بن عبد مناۃ ابن کنانہ بن خزیمہ بن مُدرِکہ یہ لوگ مکہ سے نشیب میں اُس مقام پر فروکش تھے جو یَلَملَم کے قریب مکّہ سے ایک رات کی مسافت پر واقع ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن الولید کو محض دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا تھا، مگر خالدؓ بن الولید نے مقامِ غُمَیصَاء میں اُن لوگوں کو قتل کر ڈالا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بنی جذیمہ کے بقیّۃُ السَّیف کو) مقتولین کا خوں بہا عنایت فرمایا۔

غَزوۂ حُنَین

بعدہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ ہوازن سے غزوہ فرمایا۔ کہ اسی کو غزوۂ حُنَین بھی کہتے ہیں۔

مسعودی کہتے ہیں:۔

حُنین ایک وادی کا نام ہے جو مقام ذی المجاز کی سمت واقع ہے، اس وادی میں اور مکّہ میں تین شبوں کا فاصلہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار اہل مکّہ کی جمعیّت میں تشریف لے چلے تھے اور اس جمعیت کے ساتھ دو سو گھوڑے بھی تھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گھوڑوں کی تعداد اس سے زیادہ تھی۔

صفوان بن اُمیّہ کے پاس کچھ زِرہیں تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے مستعار طلب فرمائیں وہ اُن دِنوں مُشرک تھے، اُن کے مسلمان ہونے سے یہ دو مہینے پہلے کا واقعہ ہے۔

صفوان نے عرض کی:۔ أَغصباً یا محمّد؟ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا غصب کرنا مقصود ہے؟)۔

فرمایا:۔ بل عاریة مضمونة حتی نؤدیھا الیک (نہیں غصب کرنا مقصود نہیں بلکہ ضمانت کے ساتھ مستعار لینا مقصود ہے، یہاں تک کہ پھر تمہیں واپس کر دیں)

صفوان نے سو زرہیں پیش کیں اور اُن کے لوازم جو ہتھیار درکار تھے وہ بھی دیئے۔

لیکن اس روایت میں اختلاف ہے، الفاظ بھی مختلف ہیں اور سندیں بھی مضطرب ہیں۔

مسائلِ عاریہ

عاریت میں آیا ضمانت شرط ہے (یا نہیں) لوگوں نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے:۔

(۱) عاریت میں ضمانت مشروط ہے، جیسا کہ (امام) شافعی کا قول ہے، عاریت دینے والا خواہ یہ شرط کرے یا نہ کرے (بہر حال ضمانت لازم ہوگی) یہ قول عبداللہ بن عباس و ابوہریرہ (رضی اللہ عنہما) سے منسوب ہے، اور ان کے علاوہ دوسرے بھی اس کے قائل ہیں۔

(۲) عاریت میں ضمانت مشروط نہیں جیسا کہ (امام) ابو حنیفہ نعمان بن ثابت، وصاحبین (امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ) وسفیان ثوریؒ واہلِ ظاہر کا قول ہے، اور امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام و عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے یہ منسوب ہے۔

(۳) عاریت دینے والا جب شرط کرے گا اُس وقت ضمانت مشروط ہوگی، جیسا کہ قتادہؒ وغیرہ کا قول ہے۔

(۴) مالکؒ کا قول ہے کہ عاریت کی جو چیزیں علانیہ ظاہر ہوں، مثلاً لونڈی، غلام، جانور، مکان، اُن میں ضمانت نہ ہوگی، اور جو چیزیں سونے، چاندی، زیور، وغیرہ کی قسم سے ہوں گی اُن میں ضمانت ہوگی، البتہ اگر کوئی قدرتی حادثہ معذوری پیش آئے یا معذوری کا کھلا ہوا سبب ہو تو ان صورتوں میں ضمانت کی قید نہ ہوگی، اسی طرح کے اور اقوال بھی ہیں، لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ:۔

(الف) عاریت لینے والا اُس چیز کا مالک نہیں ہو جاتا۔

(ب) مالک سے جو چیز عاریت لی ہے، اگر اُس نے اجازت دی ہے تو اُس کو استعمال کر سکتے ہیں۔

(ج) عاریت لینے والا اگر اُس عاریت کو تلف کر دے تو اُسے ضمانت (یا نقصان) بھرنا پڑے گا۔

ہوازِن سے مقابلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام اوطاس میں ہوازِن سے ملاقی ہوئے جن کے افسر (الف) مالک بن عوف نضری، منسوب

بہ نصر بن معاویہ بن بکر بن ہَوازِن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس ابن عیلان بن مضر بن نزار (ب) اور دُرَید بن الصِمّۃ الجُشَمی، منسوب بہ جُشَم بن بکر بن ہَوازِن تھے۔

دُرَید عرب کا ایک مشہور شہسوار اور بہادر تھا، اُس وقت وہ بہت ہی بوڑھا بالکل اندھا ہوچکا تھا اور دوسو برس سے عمر متجاوز ہوچلی تھی، اب اُس میں کچھ نہ تھا، فقط تبرک ہی تبرک رہ گیا تھا کہ اُس کی رائے سے برکت حاصل کریں۔

قبیلۂ ہوازن کے (سرداروں میں سے) جو لوگ اس معرکہ میں شریک ہوئے اُن میں نَصَر و جشم پسران معاویہ بن بکر بن ہوازن، اور سعد بن بکر بن ہوازن، اور کچھ لوگ بنی ہلال بنی عامر بن صَعْصَعَہ ابن معاویہ بن بکر بن ہوازن کے تھے۔

بنی نُمَیر یعنی اولادِ عامر بن صَعْصَعَہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن کا کوئی ایک شخص بھی شریک نہ ہوا، نہ کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صَعْصَعَہ کا، نہ اولادِ کعب بن ربیعہ بن عامر بن صَعْصَعَہ جو (۱) عُقَیل (۲) حَرِیش (۳) قُشَیر (۴) جَعْدہ (۵) عبداللہ (۶) حبیب پسران کعب تھے، اللہ تعالیٰ نے آخر کار سب کو ہزیمت دی اور سب کے مال واسباب و ذُرّیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غنیمت میں دلائے، اسی معرکہ میں دُرَید بن الصِمّۃ ہَوازن کے تقریباً ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ مارا گیا اور مالک بن عوف نے بھاگ کے جان بچائی۔

غزوۂ تبوک ۹ھ

رجب[1] میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک فرمایا جو ملکِ شام میں دمشق کے متصل واقع ہے، تبوک اور مدینہ کے درمیان نوّے (۹۰) فرسنگ یعنی بارہ (۱۲) شبوں کی مسافت ہے۔

اس غزوہ میں آنحضرت صلوات اللہ علیہ کے ساتھ تیس ہزار کی جمعیّت تھی جس میں گھوڑے دس ہزار اور اونٹ بارہ ہزار تھے۔

اس مہم کا نام "جیش عُسْرَۃ" (فوجِ تنگ دستی) ہے اس لئے کہ (بمقابلۂ کفار) اُس وقت نکلنے کا حکم ملا کہ میوے اور پھل خوش مزہ ہوچلے تھے، گرمی سخت ہوچکی تھی، سایہ میں لطف آنے لگا تھا، اور بُعدِ مسافت، پانی کی تنگی، خرچ کی کمی، اور سواری کی کمیابی سے مقابلہ کے لئے نکلنا گراں گزر رہا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس موقع پر) دولت مندوں کو خرچ و سواری (یا بار برداری) فراہم کرنے کی ترغیب دی۔

[1] مطابق اکتوبر و نومبر ۶۳۰ء

تبوک میں پہونچ کے آنحضرت علیہ السلام نے کچھ اوپر دس شبیں گزاریں، دو دو رکعتیں (ان ایام میں) نماز ادا کرتے رہے (یعنی نمازیں قصر فرماتے رہے) اس کے بعد آنحضرت نے مدینہ میں عود فرمایا جہاں علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کو اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا۔

کچھ لوگ اس جانب گئے ہیں کہ :۔

(الف) مدینہ میں آنحضرت صلوات اللہ علیہ نے ابو رہم غفاریؓ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا، اور اپنے اہل بیت کی نیابت و نگرانی علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کے سپرد کی تھی۔

(ب) ابن اُمّ مکتومؓ کو قائم مقام فرمایا تھا۔

(ج) محمدؓ بن مسلمہ کو قائم مقام فرمایا تھا۔

(د) سباع بن عُرفُطہ کو قائم مقام فرمایا تھا۔[1]

---

[1] ابن ہشام، ابن سعد اور ابن خلدون کے نزدیک قوی روایت یہ ہے کہ اس موقعہ پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بنایا تھا۔ طبری نے سباع بن عرفطؓ کا نام دیا ہے۔ ابن ہشام نے بھی دوسرا نام سباع بن عرفطہ کا لکھا ہے۔ ابن خلدون نے دوسری روایات سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ سباع بن عرفطؓ یا علی بن ابی طالبؓ کو اپنا نائب بنایا تھا۔ ابتدائی دور کے مورخوں نے حضرت علیؓ کے متعلق یہی لکھا ہے کہ اُن کو آنحضرت نے اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے لئے چھوڑا تھا۔ یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر حضرت علیؓ کو قائم مقام بنایا جاتا تو منافقین ہرگز یہ نہ کہتے کہ تمہیں نکما سمجھ کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ پہلے بھی تو حضور اکرم اپنا قائم مقام چھوڑ کر جاتے تھے۔ اُس وقت کوئی یہ طعنہ نہیں دیتا تھا۔ اس مرتبہ چونکہ یہ بات غیر معمولی تھی لہذا منافقین کو اس طرح کی یاوہ گوئی کرنے کا موقع مل گیا پھر حضور کا یہ فرمانا کہ "اے علی کیا تم اس کو اچھا نہیں سمجھتے کہ تم کو میرے پاس وہ درجہ نصیب ہو جو ہارون کو موسیٰ کے پاس تھا" اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت علیؓ صرف حضورؐ کے اہل و عیال کی حفاظت کے لئے چھوڑے گئے تھے۔ ورنہ پہلے اور بعد کو جو لوگ قائم مقام بنا کر مدینہ میں چھوڑے گئے ان کی بھی حضور سے وہی نسبت قائم ہو جاتی ہے۔

ابن سعد نے تمام روایتوں کو جانچنے کے بعد فیصلہ کیا ہے :۔

"مدینہ پر محمد بن مسلمہ کو قائم مقام کیا۔ یہی ہمارے نزدیک اُن لوگوں سے زیادہ ثابت ہے جو کہتے ہیں کہ آپ نے کسی اور کو خلیفہ بنایا۔"

ابن سعد کا یہ فیصلہ کن بیان ہی صحیح ہے۔

عبداللہ بن اُبی (منافق) ایک مقام میں جو بنام جُرف مشہور تھا کچھ فوج کے ساتھ پیچھے رہ گیا اور شرفِ رفاقتِ نبویؐ و فریضۂ جہاد کا حق ادا نہ کیا۔

حدیثِ منزلت

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کو اس سے پیشتر کبھی مدینہ میں نہیں چھوڑا، اب جو اپنی قائم مقامی میں انہیں ٹھہرنے اور شریکِ جہاد نہ ہونے کا حکم دیا تو آثار کراہت و ناگواری (اُن کے بشرہ سے) محسوس ہونے لگے، اسی موقع پر اور اسی غزوہ میں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"أفلا ترضى ان تكون منّى بمنزلة هارون من موسٰى؟ الا انه لا نبی بعدی"

(کیا تو راضی نہیں کہ بلحاظ میرے وہی منزلت تجھے حاصل ہو جو بلحاظ موسٰیؑ کے ہارونؑ کو حاصل ہوئی تھی۔ لیکن آگاہ رہ کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں)۔

سببِ تخلّف

مشہور ترین روایت یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا تھا کہ جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے اور جن کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں، کس لئے پیچھے رہ گیا؟ تو اس کا سبب "کتاب الاستذکار لما جرے فی سالف الاعصار" میں ہم بیان کر چکے ہیں جس کے مابعد ہماری یہ کتاب (التنبیہ والاشراف) ہے۔

ثلاثۂ متخلّفہ

اسی غزوہ میں اُن تین صاحبوں کا قصّہ پیش آیا جو پیچھے رہ گئے تھے (اور اس مہم میں شریک نہ ہو سکے تھے) انھیں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیہ نازل فرمایا:۔

"وعلى الثلاثة الذين خُلّفوا حتّٰى اذا ضاقت عَلَيْهِم الارض بما رحبت"

(اور اُن تینوں پر جو پیچھے رہ گئے تھے، تا آنکہ زمین باہمہ فراخی وکشادگی اُن پر تنگ ہو گئی)

یہ تینوں صاحب انصاری تھے (اور اُن کے نام یہ ہیں):۔

(الف) کعب بن مالک الخزرجی۔

(ب) مُرارۃ بن الربیع الاوسی۔

(ج) ہلال بن اُمیّۃ الاوسی۔

قیصرِ روم سے مراسلت

اسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہرقل پادشاہ روم سے مراسلت ہوئی، اور یہ اُس وقت کی بات ہے جب

آنحضرت علیہ السلام تبوک میں مقیم تھے اور قیصر اُن دِنوں شہر حمص، وبقول بعض دمشق میں، تھا، ان مراسلات کے واقعات وحالات ہم اپنی پچھلی کتابوں میں لکھ چکے ہیں۔

فتح دُومتہ الجندل

تبوک ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید مخزومی کو اُکیدر بن عبدالملک کندی فرمانروائے دُومتہ الجندل کے پاس بھیجا، خالدؓ نے (جب اُکیدر کو برسرِ پرخاش پایا کہ عداوۃِ اسلام میں ہنایت سرگرم ہے تو) اُس کو گرفتار کرلیا اور اس طرح اللہ تعالےٰ نے دومتہ الجندل کو آنحضرت علیہ السلام کے لئے مفتوح فرمایا۔

نصرانیت اسلام کی پناہ میں

اُسقُفِ اَیلہ (یعنی علاقۂ اَیلہ واقع ملکِ شام کا بڑا پادری جو وہاں کا حاکم تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں حاضر ہوا،

یہ اُس وقت کی بات ہے کہ آنحضرتؐ ہنوز تبوک ہی میں تھے، اس پادری کا نام یُحَنَّہ (یوحنا) بن روبہ تھا، اُس نے آنحضرتؐ سے مصالحت کی قرارداد کرلی جس کی شرط یہ تھی کہ اس علاقہ میں جتنے بالغ انسان ہیں سب کی طرف سے ایک دینار (جزیئہ سالانہ) حضورِ نبوی میں ادا کرتا رہے گا۔

علاقۂ اَذرُح کے لوگ بھی پیش گاہِ نبوت میں حاضر ہو کے صُلح کے خواستگار ہوئے کہ وہ بھی جزیہ دیتے رہیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مان لیا اور اُن کو ایک عہدنامہ لکھ دیا۔

اسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کو آختہ کرنے کی ممانعت فرمائی۔

غزوۂ تبوک آنحضرتؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری غزوہ تھا۔

جنابِ نبوی کے شہید کرنے کی سازش

غزوۂ تبوک سے واپس ہوتے ہوئے کچھ منافقوں نے سازش کی کہ دھوکہ دے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب میں ناگاہ شہید کرڈالیں اور ثنیۃ میں ڈال دیں، یہ وہی لوگ ہیں جو اصحابِ عقبہ کے نام سے مشہور تھے۔

ان لوگوں نے یہ سازش جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کی تھی، اللہ تعالیٰ اُن کے اور اس سازش کے درمیان حائل ہوگیا اور آنحضرت صلاۃ اللہ وسلامہ علیہ کو اُن پر غالب فرمایا، کتاب الاستذکار میں جہاں ہم نے اس غزوہ کا ذکر کیا ہے وہیں اُنکے

واقعات اور نام بھی بیان کیے گئے ہیں۔

مسجدِ ضرار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد ضرار (جو تفریق کلمۂ مُسلمین کے لئے تھی) ڈھادی جائے اور جلادی جائے، یہ مسجد بنی سالم بن عوف کے محلہ میں تھی جو قبیلۂ اَوس کے لوگ تھے، اللہ تعالٰی نے اسی باب میں یہ آیہ نازل فرمایا:-

"اَلَّذِینَ اتَّخَذُوا مَسجِدًا ضِرَارًا وَّ کُفرًا وَّ تَفرِیقًا بَینَ المُومِنِینَ وَاِرصَادًا لِّمَن حَارَبَ اللہَ وَرَسُولَه"۔

(یعنی وہ لوگ جنہوں نے ایسی مسجد بنائی کہ اُس سے ضرر رسانی و کفر اور ایمان داروں کے درمیان پھوٹ ڈالنا اور جن لوگوں نے اللہ و رسول سے جنگ کی اُن کا انتظار کرنا مقصود ہے)

شعبان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی اُمّ کلثوم رضؓ انتقال کر گئیں (نومبر ۶۳۰ء ۹ھ)

ہلاکِ نفاق اسی سال کے ماہ ذی القعدہ میں عبداللہ بن اُبی بن مالک ابن الحارث بن عُبَید بن مالک بن الحُبلٰی نے وفات پائی (۹ھ مطابق فروری ۶۳۱ء) حُبلٰی کا اصلی نام سالم بن غنم بن عوف بن الخزرج بن حارثہ تھا۔

عبداللہ بن اُبیؔ کی دادی سلول قبیلۂ خزاعہ کی تھی، اور ابن اُبیؔ اسی کی نسبت سے مشہور تھا۔

یہ شخص ایک منافق تھا، رسول اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے جب مدینہ تشریف لائے ہیں تو یہ وہ وقت تھا کہ اسے (قبائل مدینہ کا) حاکم بنانے کے لئے تاج تیار ہو رہا تھا لیکن آنحضرت علیہ السلام کے آتے ہی اس کا بازار سرد ہو گیا اور یہی وجہ تھی کہ بربنائے ظاہر اگرچہ اس کو ناچار مسلمان ہونا پڑا مگر دل میں اسلام سے عداوت ہی رہی۔

آمدنی کا مخصوص حصہ اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خدا کے حکم سے) صدقات کے فرائض مقرر فرمائے، اور زمین کی پیداوار میں جس کی آب پاشی آبِ رواں (یعنی نہر و تالاب) سے ہوئی ہو عُشر (یعنی پیداوار کا دسواں حصہ) اور جو زمین کنویں سے سینچی گئی ہو اُس کی پیداوار میں نصف عُشر واجب ٹھہرایا، اس باب میں فقہائے بلادِ اسلام کا اختلاف ہے کہ وسق و حصر یعنی بارش کے پانی اور اُس پانی سے جو روک رکھا گیا ہو اگر آب پاشی کی جائے تو اُس کی پیداوار کے کیا احکام ہیں۔

نیابت نبوی موسم حج میں

ذی الحجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سالار حج بنا کر روانہ فرمایا کہ اپنی پیشوائی میں لوگوں کو حج کرائیں۔

سورۂ براءۃ (توبہ) نازل ہوا تو اس کی سات ابتدائی آیتیں علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کو تلقین کر کے انہیں حکم دیا کہ منیٰ میں جب لوگ فراہم ہوں تو انہیں سنادیں اور اعلان کر دیں کہ۔

(۱) بہشت میں کوئی کافر داخل نہ ہو گا۔

(۲) اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرنے پائے گا۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کسی کے حق میں (جس مدت کے لئے) کوئی عہد و پیمان کیا ہوا انقضائے میعاد تک وہ نافذ رہے گا اور اس کی پابندی ہوگی۔

(۴) فرمایا کہ اعلان کے دن سے لوگوں کو چار مہینہ کی مہلت دو کہ سب اپنی اپنی جائے پناہ میں چلے جائیں، اس مدت کے بعد کسی مشرک کے لئے نہ کوئی عہد ہو گا اور نہ ذمہ داری باقی رہجائیگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کو خاص اپنی اونٹنی عضباء پر سوار کر کے بھیجا۔

فرقۂ شیعہ کے اصحاب نص میں اور معتزلہ کے اصحاب اختیار میں (یعنی اُن لوگوں میں جو امامت و خلافت کو منصوص من اللہ مانتے ہیں اور جو انتخاب اُمت پر اس کو منحصر گردانتے ہیں) نیز خوارج و مرجیہ و فقہائے بلاد اسلام وغیرہم، مثلاً حشویہ و نابتہ، غرض کہ اہل قبلہ کے جتنے فرقے ہیں اس روایت کے متعلق سب کے درمیان اختلافات و تاویلات ہیں۔

نتیجۂ اعلان احکام

مسلمانوں نے بھی حج کیا اور مشرکوں نے بھی اپنے اپنے مقامات و منازل شرک کے مطابق یہ رسم ادا کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ارشاد (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) نے منیٰ میں حق تبلیغ ادا کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورا ایک سال بھی نہیں گزرنے پایا تھا کہ تمام عرب، جن کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی، دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے، شرک سے ننگ و نفرت کرنے لگے، اور اس پر قائم رہنے سے پشیمان ہوئے۔

سنۃ حجۃ الوداع

ہجرت کا دسواں سال

ملکِ شام کے علاقۂ فلسطین میں (واقعاتِ سال گزشتہ کے بعد) اسامہؓ بن زید کا سریّہ مقاماتِ یُبْنیٰ و اَزْدُود کی جانب روانہ ہوا۔

ربیع الاول میں خالدؓ بن الولید کا سریّہ مُلکِ یمن کے علاقۂ نجران میں جماعت عبدالمدان کی جانب روانہ ہوا جو بنی الحارث بن کعب کے لوگ تھے، بنی الحارث بن کعب وہی ہیں جو عُرَیب بن زید بن کہلان کی اولاد میں ہیں۔

پیغمبر زادہ کی وفات

اسی ماہ ربیع الاول میں ابراہیمؑ بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی، روزِ ولادت سے وفات تک ایک سال دس مہینے دس دن کی عمر پائی تھی۔

سورج میں اُسی دِن گہن لگ گیا، کچھ لوگوں نے کہا:۔

یہ محض اُن کی موت کے باعث گہن لگا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ کسوف ادا کی اور پھر فرمایا:۔

"ایہا النّاس ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ عزوجل لا یکسفان لموت احد ولا لحیاتہ فاذا رأیتم ذلک فافزعوا الی اللہ"

لوگو! سورج اور چاند خدائے بزرگ و برتر کی دو نشانیاں ہیں، یہ کسی کے مرنے جینے سے گہنایا نہیں کرتے، جب تم یہ دیکھو (کہ ان آیاتِ الٰہی میں گہن لگا ہے)، تو اللہ کی طرف توجہ کرو)

یمن میں اِسلام کی اشاعت

ماہ رمضان میں سریّۂ علی بن ابی طالب مُلکِ یمن کو روانہ ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں ایک تحریر لکھ دی جس میں اہل یمن کو اسلام کی دعوت دی تھی، اس تحریر سے آگاہ ہونے کے لئے لوگ جمع ہوئے تو (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) نے پڑھ کے سُنادی اور سب کو اسلام کی دعوت دی، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی دن میں تمام قبیلۂ ہمدان مسلمان ہو گیا۔

ہمدان کا (اصلی) نام اُوسلہ تھا، ابنِ ربیعہ بن خیار بن مالک ابن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان۔

اس قبیلہ کا مسلمان ہونا تھا کہ پے در پے تمام اہلِ یمن دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اُن کے وفد بھی پہونچے جنھیں آنحضرت علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک تحریر لکھ دی کہ اُن کا زر ومال واسباب و زمین، غرض کہ جس حالت میں وہ مسلمان ہوے ہیں وہ سب کچھ اُن کے لئے باقی رہے گا، آنحضرتؐ نے اپنے عامل بھی اُن کے پاس بھیجے کہ:-

(۱) اسلامی شریعت کی اُنھیں تعلیم دیں اور اُس سے رُوشناس کرائیں۔

(۲) اُن سے مقررہ زکوٰۃ وصول کریں۔

(۳) ان میں جو لوگ عیسائی و مجوسی و یہودی مذہب پر قائم ہیں اُن سے جزیہ لیں۔

اَسّی ہزار بانٹ دیئے

علاء بن عبد اللہ بن ضماد الحضرمی نے کہ بنی اُمیہ کے حلیف تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں علاقۂ بحرین کی آمدنی روانہ کی جس کی مقدار اسّی ہزار (۸۰۰۰۰) درم تھی۔

یہ پہلا مال تھا جو مدینہ میں آیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کا سب لوگوں میں تقسیم کر دیا اور کچھ باقی نہ رکھا۔

وفودِ عرب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اب تمام عرب کے وفد ہر جانب سے حاضر ہوے، قبائل مَعَدّ کے بھی اور قبائل یمن کے بھی، یہ سب لوگ مسلمان ہونے کا انتظار کر رہے تھے (اور وقت وموقع کے منتظر تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکّہ فتح کر لیا اور قریش مطیع ہو گئے تو تمام عرب نے اطاعت کر لی اور اسلام کے انقیاد میں آ گئے۔

پیش گاہِ نبوت میں جو وفد حاضر ہوے تھے اُن میں قبیلہ بنی حنیفہ کا بھی ایک وفد تھا کہ علاقۂ یمامہ سے آیا تھا۔

بنی حَنِیفَہ بن لُجَیم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل۔

مُسَیلَمَہ بن ثمامہ بن کثیر بن حبیب بن الحارث بن عبد الحارث ابن عدّی بن حنیفہ۔

مسیلمہ کی کنیت ابو ثمامہ تھی (اور وہ اس شان سے آیا تھا کہ) بنی حنیفہ اُس کو ڈھانکے

چھپائے اور کپڑے اُڑھائے ہوئے تھے۔ جب یہ لوگ واپس گئے تو مُسَیلمہ نے ادعائے نبوت کرتے ہوئے اپنے آپ کو پیغمبری کی صورت میں پیش کیا۔

اسی سال میں اہلِ نجران کی جانب سے دو شخص، سید اور عاقب نے آکے صُلح کی درخواست کی جس سے اس شرط پر صلح ہوئی کہ اہل نجران کو ہر سال دو ہزار حُلّے دینے پڑیں گے۔

ایسے ہی اور بھی (چھوٹے چھوٹے) واقعات دوران سال میں پیش آئے۔

حجۃ الوداع

ذی القعدہ میں پانچ شبیں باقی رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کو چلے قربانی کے لئے آپ نے ساٹھ اونٹ ساتھ لئے تھے، اس تعداد میں کمی وبیشی بھی بیان کی گئی ہے۔

جب آنحضرت صلوات اللہ علیہ اُس مقام پر پہونچے کہ سَرِف کے نام سے مشہور ہے تو حکم دیا کہ بہ استثناء اُن لوگوں کے جو قربانی کے جانور ساتھ لائے ہیں اور حدودِ مکّہ کے اندر آگئے ہیں باقی سب لوگ عمرہ کی نیت کرلیں۔

حج کی نیّت سے علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہٗ) یمن کے علاقہ نجران سے پہونچے تو آنحضرت نے پوچھا:۔

تم نے کیا نیّت باندھی؟

عرض کی:۔ میں نے احرام باندھتے ہوئے کہا تھا کہ یا اللہ میں بھی وہی نیّت کرتا ہوں جو تیرے بندے اور تیرے پیغمبر نے کی ہے۔

پوچھا:۔ کیا تمہارے ساتھ کچھ سامانِ قربانی بھی ہے؟

عرض کی:۔ نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی میں اُن کو شریک کرلیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ اسی احرام پر ثابت وقائم رہے، تا آنکہ حج سے فراغت ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی، اپنی جانب سے بھی اور (حضرت) علی (کرم اللہ وجہہٗ) کی جانب سے بھی۔

آخری تعلیماتِ نبوّت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ حج کیا۔

(۱) مناسکِ حج لوگوں کو بتائے۔

(۲) حج کے طریقوں اور سنتوں سے روشناس کرایا۔

(۳) تعلیم دی کہ جان ومال کا تلف کرنا اُن پر حرام ہے (یعنی ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنے پرائے

سب کی جان ومال کی عزت واحترام کو مرعی رکھے)۔

(۴) ہر ایک خون گرا دیا گیا (یعنی عہدِ جاہلیت میں جن لوگوں نے خون کئے اور جو لوگ اُن سے بدلہ لینے کے درپے چلے آتے ہیں اسلام نے اُن سب کو میٹ دیا، اب انتقام کے درپے نہ ہونا چاہیئے)

اس حج کا نام حجۃ الوداع ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں لوگوں کو وداع فرمایا اور اس کے بعد آپ کو حج کرنے کا اتفاق پیش نہ آیا۔

حجۃ البلاغ

اسی حج کو حجۃ البلاغ بھی کہتے ہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو وداع کرتے ہوئے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا کہ:۔

"الا انّ الزمان قد استدار کھیأتہ یوم خلق اللہ السموات والارض"

(آگاہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن آسمان پیدا کئے تھے، زمین پیدا کی تھی، زمانہ کی شکل وہیأت جو اُس دن تھی وہی آج بھی ہے اور اُس وقت سے اب تک وہ ایک دائرہ کی صورت میں چلا آتا ہے)

زمانہ کی گزشتہ وآیندہ حالت کے متعلّق آپ کا یہ فرمانا "نسیٔ" کی ابطال کا ثبوت تھا، جیسا کہ ہم اسی کتاب کے (پہلے حصہ) میں اس کا مفصل بیان کرچکے ہیں۔

یہ سب کچھ ارشاد فرمانے کے بعد خطاب کیا:۔ اَللّٰھُمَّ ھل بلّغت؟ (یا اللہ کیا میں نے تبلیغ کی؟)۔

لوگوں نے کہا:۔ بیشک۔

فرمایا:۔ اَللّٰھم اشھد (اے میرے اللہ گواہ رہنا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہی ساتھ اپنی تمام بیویوں اور اپنی صاحبزادی (حضرت) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو حج کرایا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ:۔

(۱) آپ نے حج میں افراد فرمایا۔

(۲) قِران فرمایا۔

(۳) تمتّع فرمایا۔

(۴) اسی حج میں خانۂ کعبہ پر دھاری دار کپڑے کا غلاف چڑھایا۔

سنۂ وفات

ہجرت کا گیارھواں سال

فرماں روایانِ عمان کا قبولِ اسلام

اس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمروؓ بن العاص کو جیفرؔ و عبادؔ کے پاس بھیجا، یہ دونوں صاحب علاقۂ عمان کے فرماں روا اور جُلَنْدی بن مسعود ازدی کے فرزند تھے، بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ انہیں اسلام کی دعوت دی جائے، چنانچہ (یہ غرض پوری ہوئی) دونوں صاحب مسلمان ہو گئے۔

اَسود عَنسی

یمن میں اس سال اسود عَنسی کا معاملہ زور پکڑ گیا، یہ شخص جھوٹا خود ساختہ پیغمبر بن بیٹھا تھا، اس کا اصل نام عَبْہلَہ تھا، ابن کعب بن الحارث ابن عمرو بن عبداللہ بن سعد بن عَنس بن مَذحج، مَذحج کا اصلی نام مالک تھا، ابن اُدد بن زید بن یشجب بن عُریب بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب ابن یعرب بن قحطان۔

ذی الحمار

اسود عَنسی کو ذی الحمار (گدھے والا) کہتے تھے، کیونکہ اُس کے پاس ایک گدھا تھا جسے اُس نے سدھا رکھا تھا۔ اُس سے کہتا:-

سجدہ کر، وہ سجدہ کرتا،

کہتا، دوزانو بیٹھ جا، وہ بیٹھ جاتا۔

اسی طرح کی اور بھی (شعبدہ بازی) کی باتیں تھیں جن کا وہ مدعی تھا اور خوارقِ عادات دکھا کر اپنے پیروؤں کے دلوں کو اپنی جانب جذب کر لیا کرتا تھا۔

جماعتِ اَبناء جو ذُہرز کے ساتھ یمن میں آکر مقیم ہو گئے تھے اور مسلمان بھی ہو چکے تھے اُن کے سردار باذام کو اسود نے قتل کر ڈالا اور باذام کی بیوی سے عقد کر لیا۔

جماعتِ ابناء کے ایک شخص فیروز بن دَیلمی نے اسود سے انتقام لینے کی طیاری کی جس میں زادویہ اور قیس بن مکشوح مرادی نے فیروز کی اعانت کی اور سب نے مل کر اُسے قتل کر ڈالا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (اس باب میں) ان لوگوں کو لکھا تھا۔

آنحضرت علیہ السلام نے (جس دن اسود قتل ہوا ہے اُسی دن) صحابہ کو اُس کے مارے جانے کی خبر دی تھی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسود کا سر مدینہ میں لایا گیا تھا، مگر یہ اُس وقت کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کر چکے تھے۔

اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حین حیات ہی میں اسود قتل ہوا ہے یا وفات کے بعد مارا گیا۔

قیس بن مکشوح مرادی (کہ قتل اسود میں فیروز و زادویہ کا شریک تھا) اُس نے یہ مصلحت سوچی کہ ذی الحمار (اسود) کی قوم میں جو قبیلۂ عنس کے لوگ تھے، تقرب پیدا کرنے کے لئے زادویہ کو قتل کر ڈالا، کہتا ہے:-

قد علمہ الاحیاءُ من مذحج

(قبیلۂ مذحج کی جماعتوں کو خوب معلوم ہو چکا ہے)

ما قتل الاسود الا انا

(کہ اسود عنسی کو بجز میرے اور کسی دوسرے نے قتل نہیں کیا)

طلبت ثارًا کان لی عندہ

(مجھے اُس سے ایک خون کا انتقام لینا تھا جو میں نے لیا)

بقتلہ الاسود مُستمکِنا

(یہ بدلہ قائم چلا آتا تھا جس کی بنا پر اسود کا واقعۂ قتل پیش آیا)

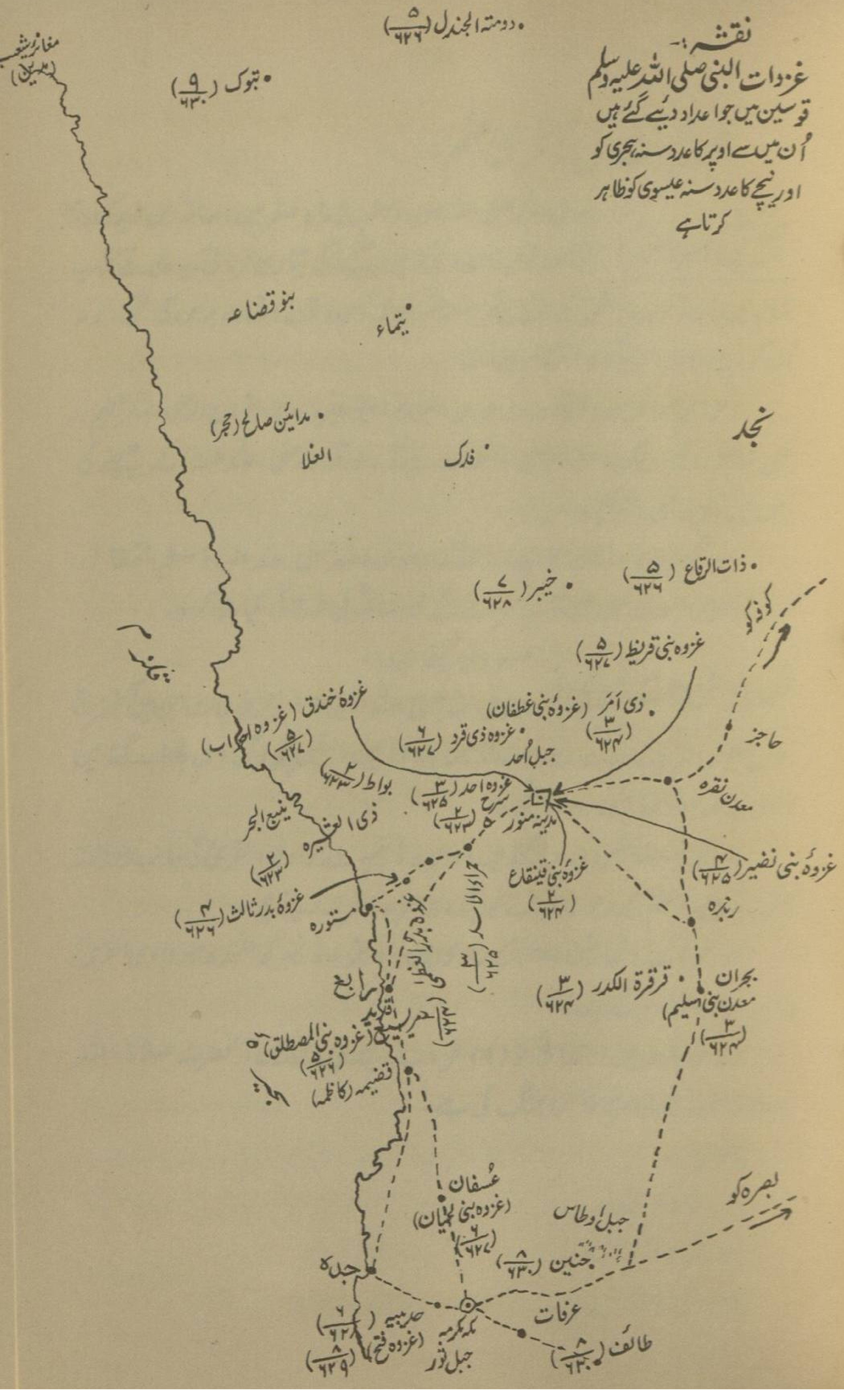
اس میں بہت سے اشعار ہیں، جن کا مطلع یہ ہے:-

اِلمم بسلمیٰ قبل ان تظعنا

(قبل اس کے کہ سلمیٰ یعنی معشوقہ یہاں سے کوچ کر جائے اُس کی جانب توجہ کر)

انّ بنا من حبّها دَیْدُنا

(کیونکہ اُس کی محبت نے ہم میں ایک یہ عادت پیدا کر دی ہے کہ بے اُسکے دیکھے نہیں رہ سکتے)



نقشہ:-
غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قوسین میں جو اعداد دئیے گئے ہیں
اُن میں سے اوپر کا عدد سنہ ہجری کو
اور نیچے کا عدد سنہ عیسوی کو ظاہر
کرتا ہے
دومتہ الجندل (۵/۶۲۶)
تبوک (۹/۶۳۰)
بنو قضاعہ
تیماء
مدائین صالح (حجر)
العلا
فدک
نجد
ذات الرقاع (۵/۶۲۶)
خیبر (۷/۶۲۸)
غزوہ بنی قریظہ (۵/۶۲۷)
ذی امر (غزوہ بنی غطفان) (۳/۶۲۴)
غزوہ ذی قرد (۶/۶۲۷)
جبل احد
غزوہ خندق (غزوہ احزاب) (۵/۶۲۷)
بواط (۲/۶۲۳)
غزوہ احد (۳/۶۲۵)
مدینہ منورہ (۲/۶۲۳)
ذی العشیرہ
ینبع البحر
حاجز
معدن نقرہ
غزوہ بنی نضیر (۴/۶۲۵)
غزوہ بنی قینقاع (۲/۶۲۴)
ربذہ
غزوہ بدر ثالث (۴/۶۲۶)
مستورہ
رابع
قرقرة الکدر (۳/۶۲۴)
بحران
معدن بنی سلیم (۳/۶۲۴)
غزوہ بنی المصطلق (۵/۶۲۶)
قضیمہ (کاظمہ)
عسفان
(غزوہ بنی لحیان) (۶/۶۲۷)
جبل اوطاس
بصرہ کو
حنین (۸/۶۳۰)
جدہ
عرفات
حدیبیہ (۶/۶۲۸)
مکہ مکرمہ
(غزوہ فتح) (۸/۶۲۹)
جبل ثور
طائف (۸/۶۳۰)

عہدِ نبوّت کی آخری مہم :-

جیشِ اسامہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ صفر میں اسامہؓ بن زید کو علاقۂ بلقاء و اذرعات و مُوتہ میں بھیجنے کی تیاری فرمائی، یہ علاقے مُلکِ شام میں (اُن دنوں) دمشق کے تابع تھے۔ اسامہؓ کی عمر اُس وقت اٹھارہ برس کی تھی اور اُن کو اپنے والد (زیدؓ) کا انتقام لینا تھا۔

اس مہم میں عُمر بن الخطاب، زبیر بن العوام، ابو عبیدہ بن جراح (رضی اللہ عنہم) بھی شامل تھے، لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے بھیجنے کی اس میں تجویز تھی یا نہیں۔

روانگی مہم کا سامان ہو ہی رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کر گئے، مرض الموت میں بھی آپ فرماتے تھے کہ اسامہؓ کی فوج کی تیاری کرو۔

تعدادِ غزواتِ نبوی مسعودی کہتے ہیں :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات، جن میں آنحضرتؐ بنفسِ نفیس شریک ہوئے تھے، ستائیس (۲۷) ہیں، لیکن کچھ لوگ اس جانب گئے ہیں کہ ان کی تعداد اٹھائیس (۲۸) تھی۔

جو لوگ ستائیس (۲۷) کہتے ہیں وہ غزوۂ خیبر سے وادی القریٰ کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رجوع فرمانے کو ایک ہی غزوہ قرار دیتے ہیں۔

اور جو لوگ اٹھائیس (۲۸) کے راوی ہیں وہ غزوۂ خیبر کو علٰحدہ اور وادی القریٰ کو دوسرا غزوہ شمار کرتے ہیں۔

ان غزوات میں ابتدائی نَو (۹) غزوے ایسے ہیں جن میں آنحضرت صلاۃ اللہ وسلامہٗ علیہ نے بذاتِ خاص جنگ کی ہے۔

یعنی :-

(۱) غزوۂ بدر۔
(۲) غزوۂ اُحُد۔
(۳) غزوۂ خندق۔

(۴) غزوہ بنی قُرَیظہ -
(۵) غزوہ مُصطلق -
(۶) غزوہ خیبر -
(۷) غزوۃ الفتح -
(۸) غزوہ حُنین -
(۹) غزوہ طائف -

یہ قول محمد بن اسحاق کا ہے جن کے ہمنوا دوسرے راویان مغازی بھی ہیں۔
واقدی نے محمّد بن اسحاق سے اس باب میں اتفاق کیا ہے کہ ان نو (۹) غزووں میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قتال فرمایا، لیکن وہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ وادیٔ القریٰ و یوم غابہ میں بھی آپ نے قتال فرمایا تھا، لہذا نو (۹) غزوات میں آنحضرت علیہ السلام کا قتال فرمانا متفق علیہ ہے، البتہ واقدی نے (دو کا) اضافہ کیا ہے جس کا ہم نے تذکرہ کر دیا ہے۔
ان دونوں صاحبوں کے اختلافات ہم نے اس لئے بیان کر دیئے کہ تمام علمائے غزوات وسیَر کے یہ دونوں صاحب پیشوا ہیں اور اس میں انہیں کی جانب رجوع کرنا پڑتا ہے۔

سرایا وسوارِب وبُعُوث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرایا وسوارب وبُعوث جیسا کہ ہم اسی کتاب میں ترتیب دے چکے ہیں، تہتر (۷۳) تھے، لیکن تاریخ وسیرت میں مصنّفین نے اس باب میں اختلاف کیا ہے:۔[۶۶]
(۱) ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت علیہ السلام کے سرایا وسوارب چھیاسٹھ تھے۔
(۲) دوسروں کا قول ہے کہ کچھ اوپر پچاس (۵۰) تھے۔
(۳) محمد بن اسحاق، جن کے ہم صفیر متعدد علمائے سیَر و مغازی ہیں، کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ پینتیس (۳۵) تھے۔
(۴) محمد بن عمر الواقدی، کہ ان کے ساتھ بھی دوسرے اصحابِ مغازی وسیَر ہیں، کہتے ہیں کہ صرف اڑتالیس (۴۸) سرایا وسوارب تھے۔

وجہ اختلاف

مسعودی کہتے ہیں۔
میری رائے میں ان سرایا کی تعداد کے متعلق جس امر نے یہ اختلاف پیدا کئے

ہیں وہ یہ ہے کہ بعض مورخین نے ایسی مہم کو سریہ قرار دیا ہے جن کو دوسرے مورخین سریہ نہیں قرار دیتے۔

بات یہ ہے کہ ایسے سرایا بھی ہیں جو مغازی کے ضمن میں پیش آئے بعض نے تو اُن کو مستقل سریہ سمجھ کر شمار کیا اور بعض اُنھیں مغازی کا ضمیمہ سمجھے۔

خیبر میں مشرکین کی ہزیمت کے بعد اکثر غزوات میں ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تشریف فرما ہیں وہاں سے قریب قریب کے شہروں میں سریہ بھیجے ہیں، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

فتح مکہ کے بعد اُن بتوں کو توڑنے کے لئے جو مکہ کے ارد گرد تھے متعدد سرایا بھیجے۔

اسی بنا پر اختلاف پیدا ہوا۔

ہم نے ان سب کو اس کتاب میں جمع کر دیا ہے، اِنحصار، تعداد کی کوشش بھی باقی نہیں چھوڑی ترتیب بھی دے دی، اور علمائے سیرت کے اختلافات سے بھی اس کو خالی نہیں رہنے دیا تاکہ فائدۂ عام و نفع تام پر حاوی رہے۔

اِس کتاب کی فضیلت

ہم نے (فن تاریخ کے) کسی مصنّف کو ایسا نہیں پایا، جس نے ہماری طرح اسے حاصل کیا ہو اور ہماری جیسی ترتیب دی ہو، اس ذیل میں جس کو معلومات کی خواہش ہو تو سلف و خلف کے اُن مصنّفوں کی کتابیں دیکھے جو اس فن میں مانے ہوئے ہیں، جو کچھ ہم نے کہا ہے، مطالعہ کے بعد، اُس کی حقیقت سے وہ آگاہ ہو جائے گا اور جو کام ہم نے کیا ہے اُس کی فضیلت روشن ہو جائے گی، مطالعۂ کتاب و احاطۂ ابواب کے بعد تو اس کا سمجھنا آسان ہے مگر بغیر اس کے مشکل ہے۔

یہ باتیں شرح و توضیح کے ساتھ مع تذکرۂ اختلافات ہم اپنی کتاب (۱) فنون المعارف وما جری فی الدہور السوالف (۲) الاستذکار لما جری فی سوالف الاعصار میں بیان کر چکے ہیں۔

ہماری یہ کتاب (التنبیہ والاشراف) اسی دوسری کتاب (یعنی الاستذکار) کا تتمہ اور اُسی پر مبنی ہے، البتہ ہم نے اس میں اسناد کو حذف کر دیا ہے کہ واقعات کا تحمل آسان ہو جائے اور جو بات اخذ کرنے کی ہے وہ قریب آجائے۔

فوجی مراتب

مسعودی کہتے ہیں :۔

جنگی سیاست، تدبیر لشکر، تنظیم سپاہ، مقدار فوج، اور اُس کے

اسماء و اصطلاحات سے جو لوگ باخبر ہیں ان میں متعدد واقف کاروں کا یہ بیان ہے:۔

(۱) سرایا (جمع سریّہ) وہ ہیں جن کی تعداد تین سو سے پانچسو تک کے درمیان ہو، رات کو نکلنے والی مہم ہے۔

(۲) دن کو نکلنے والی مہم کو سوارِب کہتے ہیں (جمع سارب)، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

ومن ھو مستخف باللیل وسارب بالنھار

(رات میں چھُپ کے اور دن میں علانیہ نکلنے والے)

(۳) جس مہم میں پانچسو سے زیادہ مگر آٹھ سو سے کم افراد ہوں ایسے مہمات مناسر ہیں (جمع منسر، بوزن منبر و مسجد)۔

(۴) جو آٹھ سو کی مہم ہو وہ جَیْش ہے، اور یہ کمترین تعداد ہے جو کسی جیش میں ہوسکتی ہے۔

(۵) جو آٹھ سو سے زیادہ اور ہزار سے کم ہو وہ خشخاش ہے۔

(۶) جو ہزار کی مہم ہو وہ جیش الآن ہے۔

(۷) جس میں چار ہزار ہو وہ جیش جحفل ہے۔

(۸) جس میں بارہ ہزار ہوں وہ جیشِ جرّار ہے۔

(۹) سرایا و سوارب نکلنے کے بعد جب متفرق ہو جائیں اور چالیس نفر سے کم کے ہوں تو وہ جرائد کہے جائیں گے (جمع جریدہ)۔

(۱۰) جو چالیس سے لے کے کچھ کم تین سو تک ہوں وہ مَقَانِبْ ہیں (جمع مقنب)۔

(۱۱) جو تین سو سے لے کے کچھ کم پانچسو تک ہوں وہ جَمَرَاتْ ہیں (جمع جمرہ)۔

(۱۲) چالیس آدمی کو بھیجتے تو ایسی مہم کو عُقبہ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

اہل عرب کا یہ قول تھا کہ:۔

"خیر السرایا اربع مائۃ وخیر الجیوش اربعۃ الاف ولن یوتی اثنا عشر الفا من قلۃ"

(بہترین سریّہ وہ ہے جو چار سو کا ہو، بہترین جیش وہ ہے جس میں چار ہزار ہوں، اور جس فوج میں بارہ ہزار ہوں گے وہ قلّتِ تعداد کے باعث کبھی مغلوب نہیں ہوسکتی)۔

کچھ لوگوں کی یہ رائے ہے کہ مقنب و منسر ایک ہی جیسے ہیں، دونوں میں تیس سے چالیس آدمی تک ہوتے ہیں، ان دونوں کے ملِے جُلے ہونے کی دلیل میں شاعر کی یہ شہادت پیش کرتے ہیں۔

واذا تواکلت المقانب لم یزل

(افواجِ مقانب میں جب سُستی آگئی ہو اور وہ باہم دست و گریبان ہو چکی ہوں)

بالثغر منا منسر وعظیم

(اُس وقت بھی سرحد پر ہم میں سے کوئی نہ کوئی منسر اور کوئی نہ کوئی سردار موجود ہی ہوتا ہے)

(۱۳) کتیبہ، وہ جمعیت جو منتشر نہ ہو۔

(۱۴) حضیرہ، وہ لوگ جن سے دس یا دس سے کم کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔

(۱۵) نقیضہ، وہ جماعت جس کے بل پر مقابلہ کیا جائے مگر (بہ لحاظِ تعداد) جیش نہ ہو۔

(۱۶) ارعن، جیش کثیر جو پہاڑ کے رعن کی طرح ہو (رعن :- پہاڑ کا وہ سنگین حصہ جو ناک کی طرح آگے نکلا ہو)۔

(۱۷) خمیس، جیش عظیم۔

(۱۸) جرّار وہ فوج جو اپنی کثرت کے باعث بغیر انبوہ کے کوچ نہ کر سکے، جیشِ جرّار بیشتر اوقات جیش عظیم ہی کے شمار و قطار میں ہے۔

ہم نے جو بیان کیا ہے اس باب میں لوگوں نے بہت کچھ کلام کیا ہے مگر ان سب میں جو سب سے بڑھ چڑھ کے اور سب سے مختصر بات تھی ہم نے وہی بیان کی ہے۔

وفاتِ جنابِ نبویؐ

اس بات پر تو سب کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ ربیع الاول میں دوشنبہ کے دِن رحلت فرمائی، مگر اس امر میں اختلاف ہے کہ تاریخِ رحلت کیا تھی :-

(۱) اکثروں کا قول یہ ہے کہ جب آنحضرت علیہ السلام کی وفات ہوئی ہے تو اس مہینہ کی بارہ شبیں گزر چکی تھیں۔

(۲) ربیع الاول کی دو شبیں گزر چکی تھیں۔

(۳) ربیع الاول کی نو شبیں گزر چکی تھیں۔

ایرانیوں کے مہینہ کی تاریخ ۱۶۔ اسفندار ماہ تھی۔ سنۂ بخت نصر ۱۳۸۰۔

حزیران (یعنی رومیوں کے مہینہ کی) تیسری تاریخ تھی۔ سنۂ پادشاہ اسکندر بن فلیپس ۹۴۳۔

کسریٰ نوشیرواں بن قباذ (پادشاہِ ایران) کا سنۂ جلوس ۱۰۰ تھا۔

چودہ دن تک آنحضرتؐ بیمار رہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایامِ بیماری کی مدت اس سے کم تھی۔

تجہیز و تکفین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (۱) علی ابن ابی طالب (۲) عباس ابن عبدالمطلب اور اُن کے دو صاحبزادے (۳) فضل (۴) قثم (۵) اسامہ بن زید (۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد غلام شقران نے غسل دیا (رضی اللہ عنہم)۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلوات اللہ علیہ کا کفن کیا تھا؟

جعفر بن محمدؑ اپنے والد محمدؑ بن علی سے اور وہ اپنے والد علی بن الحسین سے روایت کرتے ہیں (رضوان اللہ و سلامہٗ علیہم) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب غسل دے چکے تو تین کپڑوں میں تکفین کی، دو کپڑے تو صُحارِی، اور بقولِ بعض سَحُولی تھے اور ایک دھاری دار چادر تھی کہ جسمِ مبارک پر لپیٹ دی گئی۔

مسعودی کہتے ہیں :-

صُحاری کپڑے صُحار کی جانب منسوب ہیں جو علاقہ عمان کا ایک بڑا مقام ہے، اور سَحُولی کپڑے سفید رنگ کے سوتی ہوتے ہیں جو یمن کے ایک مقام میں کہ سَحُولا کے نام سے مشہور ہے بنتے ہیں۔

کفن اہلِ بیت

یہی روایت (جو اوپر بیان ہو چکی ہے)، اہلِ بیتؑ و شیعۂ اہلِ بیتؑ کا مذہب ہے، امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کو بھی یہی کفن دیا گیا تھا، البتہ ایک چوٹ کے باعث آپ کے سر میں عمامہ بھی باندھا گیا تھا، لہذا کفن میں عمامہ کا ہونا اہلِ بیت میں سنّتِ ماثورہ ہے اور اسی پر عمل ہوتا ہے۔

لیکن کفن جو فرض ہے اُس میں عمامہ و مئیزر داخل نہیں، اہلِ بیتؑ کے نزدیک جب دوسرا کپڑا دستیاب نہ ہو تو کفن میں صرف ایک کپڑا فرض ہے، اور جس کو کشائیش و وسعت ہو وہ تین کپڑے اور پانچ کپڑے کفن میں دے سکتا ہے۔

بعض نے پانچ کپڑوں سے زیادہ کی نسبت یہ روایت کی ہے کہ اُسے رہنے دیں اور اُنہیں کپڑوں میں سے ایک کے بیچ میں چاک کر کے قمیص بنا دیں مگر سلا نہ ہو۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کفن تین سوتی کپڑوں کا تھا جس میں نہ قمیص تھا نہ عمامہ۔

انہیں سے ایک دوسری روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں سحولا کے تین کپڑے تھے جن میں نہ قمیص تھا نہ عمامہ۔

ابراہیم سے یہ حکایت بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں ایک حُلّۂ یمانی تھا اور ایک قمیص۔

جنازہ تجہیز و تکفین کے بعد لوگوں نے فوج فوج، بغیر کسی امام کے، نماز جنازہ ادا کی، اور وفات کے دوسرے دن سہ شنبہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے حجرہ میں دفن ہوئے (ضعیف روایتوں میں) یہ بھی کہا گیا ہے کہ :-

(۱) چہار شنبہ کی رات میں دفن ہوئے۔ (۲) وفات کے تین دن بعد دفن ہوئے۔

قبر میں علی بن ابی طالب و فضل و قثم فرزندانِ عباس و شقران اُترے (رضی اللہ عنہم) جن کے نام (تذکرۂ غسل میں) ہم دے چکے ہیں۔

کاتبانِ حضرت نبویؐ جو کاتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہوتا وہی لکھتا بھی تھا۔

(۱) خالدؓ بن سعید بن العاص بن اُمیّہ بن عبد شمس بن عبد مناف، پیشی کے کاتب تھے ہر قسم کے کام جو آنحضرتؐ کو پیش آتے سب میں وہی کتابت کرتے۔

(۲) مُغیرہ بن شعبۂ ثقفی۔

(۳) حُصَین بن نُمیرؔ[۱]، یہ دونوں صاحب آنحضرتؐ کے ضروریات لکھتے تھے۔

(۴) عبداللہ بن الارقم بن عبد یغوث الزّہری۔

(۵) علاء بن عُقبہ، یہ دونوں صاحب قرض کے وثیقے، دستاویزیں، ہر قسم کے شرائط، اور معاملات کے کاتب تھے۔

(۶) زُبیر بن العوّام۔

(۷) جُہیم بن الصّلت، یہ دونوں صاحب آمدنی زکوٰۃ و صدقات کے کاتب تھے۔

(۸) حُذیفہ بن الیمان، حجاز کی آمدنی کا تخمینہ (موازنہ) لکھتے تھے۔

---

[۱] یہ وہی حصین بن نمیر ہیں جنھوں نے یزید بن معاویہ کے زمانہ میں واقعہ حرہ کے بعد لشکر شام کی قیادت کی تھی اور مکہ میں حضرت عبداللہ ابن زبیر کا محاصرہ کیا تھا۔ لوگ اپنی لاعلمی کی وجہ سے عموماً ان کا نام نہایت بے ادبی سے لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک رسولؐ کے کسی صحابی کی شان میں کوئی گستاخی جائز نہیں اور پھر ایسے صحابی جو حضور کے کاتب رہے ہوں۔

(۹) مُعَیقِبؓ بن ابی فاطمۃ الدوسیؓ منسوب بہ دوس بن عُدنان ابن عبداللہ بن زہران بن کعب بن الحارث بن کعب بن عبداللہ ابن مالک بن نصر بن الازد، جو قبلیۂ بنی اسد کے حلیف تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مالِ غنیمت کی کتابت کرتے تھے اور اسی خدمت پر آنحضرت سلام اللہ علیہ کی جانب سے مامور تھے۔

(۱۰) زیدؓ بن ثابت الانصاری ثم الخزرجی کہ خاندانِ بنی غنم ابن مالک بن النجار کے تھے، پادشاہوں کو (بمن جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) خط لکھتے تھے اور حضور نبویؐ میں خطوط کا جواب دیتے تھے، ان کا یہ بھی کام تھا کہ فارسی و رومی و قبطی و حبشی زبانوں کے خطوط کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ترجمہ کرتے تھے، ان زبانوں کے جو لوگ اہلِ زبان تھے زیدؓ نے اُنھیں سے مدینہ میں یہ سب زبانیں سیکھی تھیں۔

(۱۱) حَنظَلَہؓ بن الربیع بن صَیفی الاُسَیدیّ التمیمی، حضورِ نبویؐ میں جب ان کاتبوں میں سے کسی شعبہ کا کوئی کاتب موجود نہ ہوتا تو اُن کے خاص فرائض میں یہ اُن سب کی نیابت کرتے تھے اور اُن کا کام آپ انجام دیتے تھے، یہ حنظلہ کاتب کے نام سے مشہور تھے، عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کے زمانہ میں جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ممالک فتح کرائے اور مسلمان اُن میں پھیل گئے تو علاقۂ دیارِ مصر کے شہر رُہاء میں (جسے بہ اصطلاح فرنگ "ایڈسا" کہتے ہیں) حَنظَلَہ نے اقامت کی اور وہیں انتقال کر گئے، اُن کی بیوی نے کہ اُنہیں کی قوم کی تھیں، اُن کا مرثیہ کہا ہے:-

یا عجبَ الدّھرِ لمحزونۃٍ

(اُس رنجیدہ عورت کے لئے عجائبِ زمانہ میں سے یہ کتنی عجیب بات ہے)

تبکی علی ذی شیبۃٍ شاحب

(کہ اُس شخص کو روتی ہو جو بوڑھا بھی ہو، اُس کے بال بھی سفید ہوں، اور لاغر و نحیف بھی ہو)

ان تسالینی الدھرِ ماشفّنی

(اے عورت زمانہ نے میرے ساتھ جو سلوک کیا ہے اگر تو اُس کو پوچھتی ہے)

اُخبرکِ قیلاً لیس بالکاذب

(تو میں تجھ کو ایک ایسی بات بتاتی ہوں جو مطلق جھوٹ نہیں)

انّ سواد الرّاس اودی بہ

(سیاہی موے سر کی ہلاکت نے اس کو ہلاک کیا)

حزنی علیٰ حنظلۃ الکاتب

(جس سے حنظلہ کاتب کی نسبت میرا رنج و غم بھی ہلاک ہو گیا)

(۱۲) عبداللہ بن سعد بن ابی سَرح نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابت کی، یہ بنی عامر بن لوی بن غالب کے خاندان میں تھے، (کچھ روز کتابت کر کے) مرتد ہو کر مکہ میں مشرکوں سے ملاپ کر لیا لیکن فتح مکّہ کے بعد از سرِ نو مسلمان ہو گئے اور تا بمرگ اسلام پر قائم رہے۔[1]

(۱۳) شُرحبیلؓ بن حَسَنہؓ طابخی نے بھی آنحضرت علیہ الصلاۃ والسّلام کی کتابت کی، یہ قبیلۂ خِندِف کے تھے اور قریش کے ساتھ ان (کی جماعت) کا معاہدہ تھا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ خِندفی نہ تھے بلکہ کِندِی تھے۔

(۱۴) اَبانؓ بن سعید۔

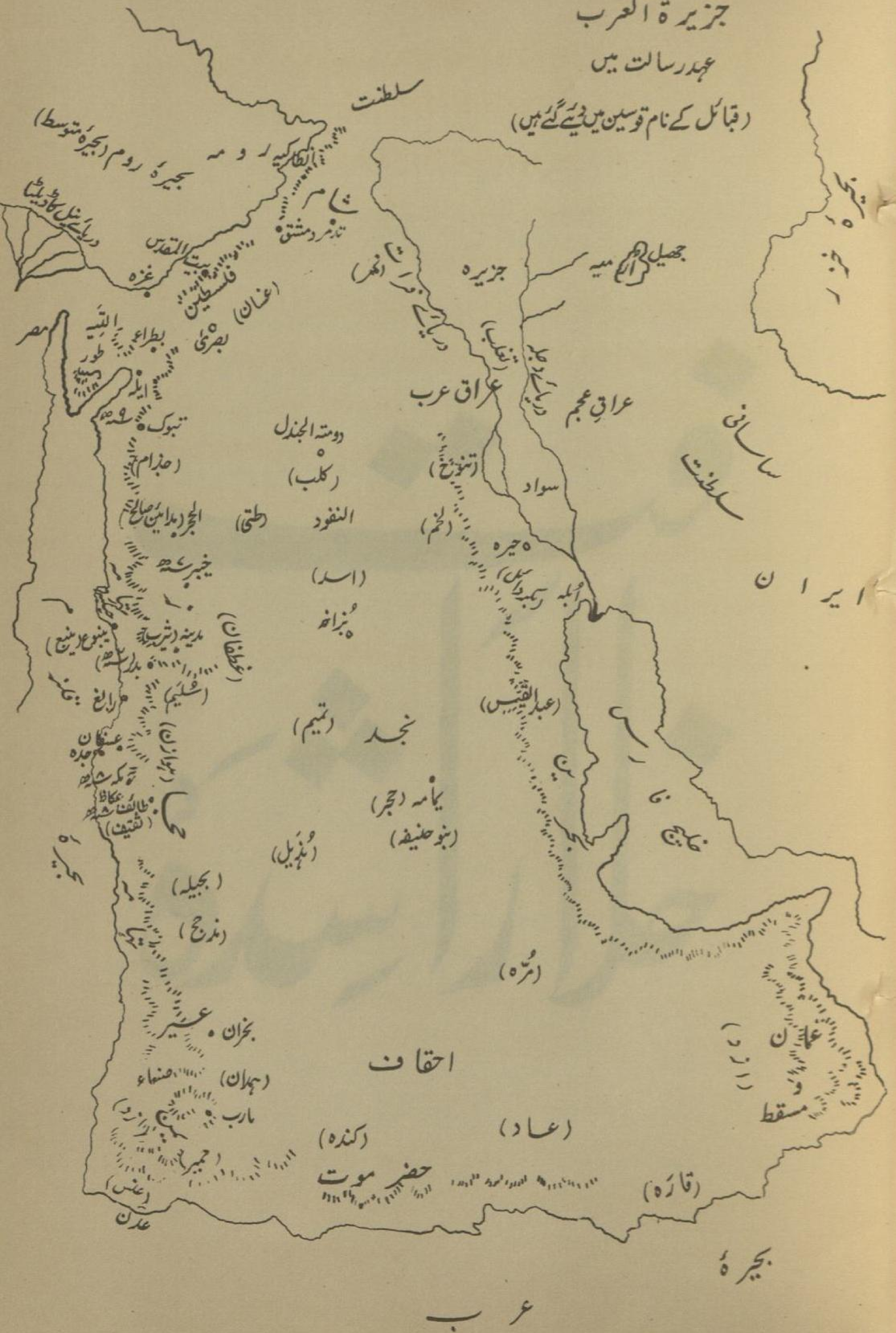
(۱۵) علاءؓ بن الحضرمی، ان دونوں صاحبوں نے بھی کبھی کبھی پیش گاہِ نبویؐ میں کتابت کی ہے۔

(۱۶) وفاتِ حضرتِ نبویؐ سے چند مہینہ پیشتر معاویہؓ نے بھی آنحضرت صلوات اللہ علیہ کی کتابت کی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں ہم نے صرف اُنہیں صاحبوں کے نام لکھے ہیں جو استقلال کے ساتھ آپ کی کتابت کرتے رہے، اس فرض کے ادا کرنے میں مشغول تھے، ایک مدت دراز اُس میں بسر کی۔ اور اُن کی کتابت کے متعلق صحیح روایتیں بھی وارد ہیں۔ وہ لوگ جنھوں نے فقط ایک دو تین خطوط لکھے تھے اُن کے نام نظر انداز کر دیئے، کیونکہ اتنی سی بات پر وہ کاتبِ وحی کہلانے کے مستحق نہ تھے اور نہ کاتبانِ حضرت نبویؐ کے ذیل میں اُن کا شمار ممکن تھا۔

---

[1] نہ صرف اسلام پر قائم رہے بلکہ اسلام کی بڑی خدمات انجام دیں۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مصر کے گورنر بنے انھوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ ملکر جہازی بیڑہ تیار کیا تھا اور اُسی کی مدد سے "ذات السواری" کی جنگ میں رومیوں کو شکست دے کر اُن کا جہازی بیڑہ تباہ کر دیا تھا۔


جزیرۃ العرب
عہد رسالت میں
(قبائل کے نام قوسین میں دیئے گئے ہیں)
سلطنت
رومہ
بحیرۂ روم (بحیرۂ متوسط)
دریائے نیل کا ڈیلٹا
مصر
شام
دمشق
تدمر
بیت المقدس
غزہ
فلسطین
بصریٰ
(غسان)
طور
ایلہ
تبوک
(جذام)
دومۃ الجندل
(کلب)
النفود
(طی)
(اسد)
بزاخہ
خیبر
مدینہ
ینبوع
رابغ
(غطفان)
(سلیم)
(ہوازن)
عسفان
جدہ
مکہ
طائف
عکاظ
(ثقیف)
نجد
(تمیم)
یمامہ (حجر)
(بنو حنیفہ)
(ہذیل)
(بجیلہ)
(مذحج)
(مرہ)
عسیر
نجران
(ہمدان)
صنعاء
مارب
(حمیر)
(عنس)
عدن
احقاف
(عاد)
(کندہ)
حضرموت
(قارہ)
عمان
(ازد)
مسقط
جزیرہ
جھیل ارمیہ
عراق عرب
عراق عجم
(تنوخ)
(لخم)
سواد
حیرہ
ابلہ
(عبد القیس)
ساسانی سلطنت
ایران
بحیرۂ
عرب

خلا آراستہ

خلافتِ ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ)

ابوبکرؓ عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ ابن کعب بن لوی، سلسلۂ نسب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مرہ بن کعب میں جا ملتے ہیں، آنحضرت سلام اللہ علیہ بھی اور ابوبکر صدیقؓ بھی مرہ بن کعب سے یکساں تفاوت رکھتے ہیں، آنحضرتؐ اور مرہ کے درمیان بھی چھ آباو اجداد ہیں، اور اسی طرح ابوبکر صدیقؓ اور مرہ کے درمیان بھی چھ آباو اجداد ہیں۔

عہدِ جاہلیت میں ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کا نام عبد الکعبہ تھا، جب مسلمان ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ نام رکھا، ان کا لقب عتیق ہے (بمعنی آزاد و حسین وجمیل) کہا جاتا ہے کہ:-

(۱) اُن کے حسن و جمال کے باعث یہ لقب پڑا۔

(۲) آتشِ دوزخ سے آزاد ہونے کے باعث یہ لقب پڑا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جاہلیت میں اُن کا نام ہی عتیق تھا۔

اُن کی والدہ اُمّ الخیر تھیں بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد ابن تیم بن مُرہّ۔

سقیفۂ بنی ساعدہ

بنی ساعدہ بن کعب بن الخزرج کے سقیفہ میں ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر اُسی دن بیعت ہوئی جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا ہے۔

یہ دوشنبہ کا دن تھا جب کہ ربیع الاوّل ۱۱ھ کی بارہ (۱۲) شبیں گزر چکی تھیں۔

انصار نے سعدؓ بن عبادہ بن ولیم الانصاری ثم الخزرجی کو بیعت کے لئے منتخب کر لیا تھا (یعنی تمام مسلمانوں کا خلیفہ و نائب پیغمبر وہ سعد کو بنانا چاہتے تھے)

اسلام میں پہلا اختلاف[1]

سقیفہ میں جو مہاجرینؓ موجود تھے اُن میں اور سعدؓ بن عبادہ میں سخت نزاعیں اور بڑے بڑے جھگڑے ہوئے، علی وعباس (رضی اللہ عنہما) وغیرہ مہاجرین اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز اور دفن میں مشغول تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ پہلا اختلاف تھا جو اسلام میں حادث ہوا۔

ارتداد

وفات حضرتِ نبویؐ کے بعد اکثر عرب مرتد ہوگئے، کافر ومنکر اور مانعِ زکوٰۃ وصدقہ بھی، ان میں سب سے بڑی شوکت اور خوفناک حالت یمامہ میں مُسیلمۂ کذاب حنفی اور قبیلۂ اسد بن خُزیمہ میں طُلَیحہ ابن خُوَیلدُ الاسدی ثمّ الفقعسی کی تھی، عُیَینہ بن حصن فزاری بھی قبیلۂ غطفان کے ساتھ طُلیحہ کا دست وبازو بن گیا تھا۔

مرتدوں کی تادیب

ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے اُن مُرتدوں اور نیز نواحِ مُضر کے تمام مرتدوں کے مقابلہ کے لئے خالد بن الولید بن المغیرۃ المخزومی کو بھیجا۔

خالد نے طُلَیحہ سے مقابلہ کر کے اُس کو ہزیمت دی، اُس کی جمعیت درہم وبرہم کر دی،

---

[1] یہ عنوان نہایت گمراہ کُن ہے۔ خلافت کا مسئلہ جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی واضح حکم یا ارشاد نہیں تھا جب اُمت کے سامنے پیش ہوا تو اُس میں بحث مباحثہ اور اختلاف رائے کا ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ اس کو اسلام میں پہلا اختلاف کیسا کہا جاسکتا ہے۔ اگر واقعات کی تشریح اس انداز میں کی جائے تو عہدِ رسالت کے کئی واقعات ایسے ہیں جن کو "اسلام میں اختلاف" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً بدر کی جنگ کے بعد قیدیوں کے بارے میں اختلاف ہوا، غزوہ احد کے موقعہ پر یہ اختلاف تھا کہ جنگ شہر کے اندر رہ کر لڑی جائے یا شہر سے باہر نکل کر۔ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضرت عمرؓ نے یہ اعتراض کیا کہ "جب ہم راہ حق پر ہیں تو دب کر صلح کیوں کریں"۔ یہ ضرور ہے کہ بعد میں آپ اپنی جرأت پر پشیمان ہوئے تاہم اختلاف کر ہی چکے تھے۔ اسی طرح کے اور بھی کئی واقعات ہیں جن کو "اسلام میں اختلاف" کا نام دیا جاسکتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ وہ اختلافات تھے نہ سقیفہ بنو سعدہ میں خلافت کے مسئلہ پر بحث اور افہام وتفہیم پر "اسلام میں پہلا اختلاف" کا لیبل چسپاں کیا جاسکتا ہے۔

اور عُیَنیہ کو گرفتار کرلیا، یہ واقعہ ؁۱۱ھ کا ہے۔

وہاں سے بُطاح گئے، بنی تمیم کے ملک میں جنگ کی اور مالک ابنِ نویرہ بوعی کو قتل کیا۔

وہاں سے یمامہ گئے تو بنی حنیفہ نے سخت جنگ کی تا آنکہ مُسَیلِمَہ مارا گیا اور باقی لوگوں نے مصالحت کرلی، یہ واقعہ ؁۱۲ھ کا ہے۔

یمامہ میں مسلمانوں سے بارہ سو (۱۲۰۰) شہید ہوئے جن میں قریش کے (۲۳) تھے اور انہیں میں عمر بن الخطابؓ کے بھائی زید بن الخطاب بھی تھے، رضی اللہ عنہما، انصار میں ستر (۷۰) شہید ہوئے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے کم تعداد تھی۔

جتنے لوگ مرتد ہوئے تھے خالد (رضی اللہ عنہ) اُن میں سے ہر فرقہ کو یکے بعد دیگرے پامال کرتے رہے، حتیٰ کہ سب ارتداد سے باز آئے۔

نبوّت کی مُدّعی سَجَاح

سَجَاح بنت حارث بن سُوَید بن عُقفان، قبیلۂ تمیم میں بنی یَربُوع کے خاندان سے تھی، یَربُوع بن حنظلہ بن مالک بن زید بن مناۃ ابن تمیم، وہ پیغمبر بن بیٹھی تھی اور بہت سے لوگ اُس کے پیرو بھی ہوگئے تھے جن میں:-

(۱) زبرقان بن بدر (یہ ایک مشہور خطیبِ عرب تھے اور بعد مسلمان ہوگئے)۔

(۲) عطارد بن حاجب بن زرارہ (نہایت نامور عرب سردار)۔

(۳) شَبَث بن رِبعی، یہ سجاح کے مؤذّن تھے۔

(۴) عمرو بن الاَہتم (یہ بھی ایک نامور سردار عرب تھے اور بعد مسلمان ہوگئے) یہ لوگ سب بنی تمیم ہی کے تھے۔

سَجَاح (کی جمعیت جب مکمل ہوگئی تو مقابلہ کی غرض سے) مُسَیلِمَہ کی جانب یمامہ کو روانہ ہوئی (کہ اُسے بھی اپنا تابع کرلے اور اس طرح تمام ملکِ یمن سجاح کا مرید ہوجائے) وہاں پہونچی مُسَیلِمَہ نے اُس سے عقد کرلیا اور وہ تین دن تک وہیں ٹھہری رہی، یہی واقعہ ہے جس پر طِرِمّاح بن حکیم الطائی نے کہا ہے:-

لعمری لقد سارت سجاحُ بقومها

(مجھے اپنی جان کی قسم ہے کہ یہ عجیب (واقعہ ہے، سجاح اپنی قوم کو لیکر تو چلی)

فلما اتت عزّا لیمامۃ حلّت

(مگر یمامہ کی عزت کے پاس پہونچی ہی تھی کہ ٹھہر گئی اور کھل کھیلی)

فدار سها البکریّ حتّی استنزلّها

(قبیلۂ بنی بکر والے یعنی مُسَیلمہ نے کچھ ایسی پٹّی پڑھائی کہ اُسے بالکل ہی بہکالیا)

فاضحت عروساً فیھم قد تجلّتِ

(نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اُن میں جاکر دُلہن بن گئی اور حقیقت میں اُس کا جلوہ بھی رہا)

فتلکَ بنیّ الحنظلیّین اصبحت

(دیکھو، یہ ہے قبیلہ بنی حنظلہ والوں کی پیغمبر)

مضمّخۃ فی خدرھا قد تظلّتِ

(جو اپنے مُقْعنہ اور دوپٹہ کے اندر خوشبوؤں سے لبی ہوئی ہے)

عطارد بن حاجب بن ازارہ کہتا ہے:۔

امست نبیّتنا انثیٰ نُطِیفُ بھا

(ہم کو پیغمبر بھی ملا تو مادّہ جسے ہر جگہ ہم لئے لئے پھرتے ہیں)

واصبحت انبیاءُ الناس ذکرانا

(حال آنکہ تمام لوگوں کے جتنے پیغمبر ہیں وہ سب نر ہیں)

اس شعر میں "پیغمبروں" سے عطارد کی مراد (۱) اسود عنسی (۲) طُلَیحہ بن خُوَیلد (۳) اور مُسَیلمہ ہے۔

نصرانیوں پر لشکر کشی

مُلکِ شام میں رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے لشکر ترتیب دیئے اور (مندرجۂ ذیل) سپہ سالار مقرر کئے:۔

(۱) یزیدؓ بن ابی سفیانؓ۔

(۲) عمرو بن العاصؓ۔

(۳) ابو عُبَیدہ بن الجرّاحؓ۔

(۴) شرحبیل بن حَسَنہؓ

(۵) خالد بن الولیدؓ کو جو نواحِ عراق میں (فوج لے کر) گئے تھے (اور وہاں ایرانیوں سے لڑ رہے تھے) لکھ بھیجا کہ اُنہیں سرلشکروں کے ساتھ وہ بھی شامل ہو جائیں، اس حکم کے مطابق خالدؓ بھی اُنہیں کے ساتھ ہو لئے اور مُلکِ شام کے علاقہ۔

(۱) بُصریٰ (۲) حوران (۳) بَثْنیہ (۴) بَلقاء جو دمشق کے توابع سے تھے

سب فتح کر لئے، رومیوں نے اجنادین میں اور اس کے بعد مرج الصفر میں مقابلہ کیا اور شکست کھائی، ان گنت مارے گئے۔

ان فتوحات کے بعد مسلمانوں نے چل کر دمشق کا محاصرہ کر لیا، ہنوز اس کو گھیرے ہی تھے کہ (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) انتقال کر گئے۔

وفات حضرت صدیق اکبرؓ

(حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی وفات مدینہ میں ہوئی، سہ شنبہ کی شب تھی، جمادی الآخرہ ۱۳ھ کی آٹھ راتیں گذر چکی تھیں، ترسٹھ (۶۳) برس، اور بروایتِ ضعیف اس سے زیادہ کی عمر تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (اُمّ المومنین) عائشہ (صدیقہ رضی اللہ عنہا) کے حجرہ میں دفن ہوئے، مدتِ خلافت دو برس تین مہینہ دس دن، اور بروایتِ مجہول بیس دن۔

حُلیہ

(حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) بلند بالا، گندم گوں، دُبلے پتلے آدمی تھے، ڈاڑھی بہت گھنی نہ تھی، آنکھیں حلقوں کے اندر دھنسی ہوئی تھیں۔ پیشانی اُبھری ہوئی، اور دونوں رُخسارے بھرے ہوئے تھے، مہندی اور وسمہ کا خضاب لگاتے تھے۔

عہدہ دارانِ خلافت

کاتب:-

(۱) عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ)

(۲) زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ)

(۳) عبداللہ بن الارقم (رضی اللہ عنہ)

نقشِ خاتم:- نعم القادر اللہ (اللہ تعالیٰ بہترین قدرت والا ہے)۔

قاضی:- عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

حاجب:- شدید جو اُن کے آزاد غلام تھے۔

اَوْلَادْ

(حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے تین فرزند تھے۔

(۱) عبداللہ، جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محاصرۂ طائف میں، پہلے تذکرہ ہو چکا ہے، اُن کی اولاد کا خاتمہ ہو گیا، آخری صاحب اسماعیل تھے، ابن عبداللہ بن ابی بکر (رضی اللہ عنہ)۔

(۲) عبدالرحمٰن بن ابی بکر (رضی اللہ عنہما) یہ صحابی تھے، کثرتِ تعداد انہیں کی اولاد میں ہے۔

طلحیین انہیں میں ہیں، فرزندانِ طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ اکثر ان میں صحرا نشین ہیں، ان کی فرودگاہیں مقامات حانذہ وصُفَینہ و فُنَیعیہ وغیرہ ہیں۔ صُفَینہ علاقۂ قعا میں ہے جو ایم کے تابع اور عراق کی سڑک پر مسلح کے متصل واقع ہے۔ یہ سب علاقے اس وقت تک (یعنی تا بعہد مصنف) انہیں صاحبوں کے قبضہ میں ہیں۔ ان کی تعداد بھی کثیر ہے اور طاقت بھی۔

(۳) محمدؒ بن ابی بکرؓ، ان کی اولاد قاسمؒ بن محمدؒ سے چلی جو مدینہ کے ایک فقیہ اور تابعین صحابہ میں ایک بہت ہی اچھے بزرگ تھے، مگر اولاد میں کثرت نہیں، محمدؒ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن قاسم ابن محمدؒ اسی سلسلہ میں ہیں، صاحبزادیاں تین تھیں:۔

(۴) عائشہؓ زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۵) اسماءؓ والدہ عبداللہؓ بن زبیرؓ۔

(۶) [مصنف نے تیسری صاحبزادی کا تذکرہ نہیں کیا جو وفات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے چند ماہ بعد پیدا ہوئی تھیں]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک کوئی ایسا خلیفہ نہیں ہوا جس کے والد بھی اُس کے عہدِ خلافت میں زندہ موجود ہوں، یہ صرف (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی خصوصیت ہے۔

ابو قحافہ رضی اللہ عنہ

جب (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی وفات ہوئی ہے تو اُن کے والد ابو قحافہ مکہ میں مقیم تھے، موت کی خبر سُنی تو کہا:۔

یہ بڑا حادثہ ہے۔

(حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے ترکہ میں چھٹے حصہ کے وارث ہوئے، ابو قحافہ کو چھٹا حصہ میراث میں ملا مگر انہوں نے خود نہ لیا کہ بہترین وارث اولادِ ابوبکر ہیں (رضی اللہ عنہ)۔

(حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی وفات کے سات مہینہ بعد، اور بروایت مجہول چھ مہینہ بعد، ابو قحافہؓ بھی انتقال کر گئے، وہ اُس وقت نابینا ہو چکے تھے، ستانوے (۹۷) برس کی عمر تھی، فتحِ مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے۔

ابو قحافہؓ کی وفات اور ہند بنتِ عتبہ کی وفات ایک ہی دن ہوئی، ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبدِ شمس بن عبد مناف، یہ معاویہؓ ابن ابو سفیانؓ کی والدہ تھیں۔

وفات سیدة النسا فاطمۃ الزہراء رضؓ

سلہ شعبہ کی شب میں فاطمہ رضؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کر گئیں،

یہ سلاہ کا واقعہ ہے جب کہ رمضان کی تین راتیں گزر چکی تھیں، روایتِ مجہولہ میں ہے:-

(۱) وفات حضرتِ نبوی کے تین ماہ بعد (حضرتِ) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) نے وفات پائی۔

(۲) چھ مہینہ بعد،

(۳) ستّر (۷۰) دن کے بعد، اسی طرح کے اور بھی اقوال ہیں۔

اُن کی عمر میں بھی اختلاف ہے:-

(۱) ایک فریق کہتا ہے، وہ تینتیس (۳۳) برس کی عمر میں واصل بحق ہوئیں۔

(۲) دوسرا فریق کہتا ہے، نہیں، بلکہ تیس (۳۰) برس۔

(۳) ایک اور فرقہ کا قول، اُنتیس (۲۹) برس ہے، اور یہ قول اکثر اہلِ بیت و شیعۂ اہل بیت کا ہے۔

روایتِ مجہول میں اس سے بھی کم عمر بتائی گئی ہے۔

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اُن کو غسل دیا اور شبا شب (گورستان) بقیع میں دفن کر دیا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُن کو غسل دینے والے اور دفن کرنے والے کوئی اور صاحب تھے۔

(حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو (تجہیز و تکفین و نمازِ جنازہ میں) شرکت کی اجازت نہ ملی[1]، کیونکہ

---

[1] زیادہ قوی روایت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نہ صرف تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے بلکہ آپ نے چار تکبیروں سے نماز جنازہ پڑھائی۔ یہ بات کسی طرح باور نہیں کی جاسکتی کہ رحمۃ للعالمین کی پیاری بیٹی اور وہ دنیا کی متاعِ قلیل کی وجہ سے نہ صرف ایک مسلمان بلکہ جلیل القدر صحابی اور خلیفۃ المومنین سے ایسا عناد رکھیں کہ اپنے جنازہ میں بھی شرکت کی اجازت نہ دیں آج بھی اگر کوئی مسلمان اس قسم کا کام کرے تو لوگ اسے اچھا نہیں سمجھتے چہ جائیکہ رسول اللہ کی صاحبزادی اس طرح کا طرزِ عمل اختیار کریں۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ کی تعلیم و تربیت کا اپنی اولاد تک پر یہ اثر ہوا تو پھر دوسروں کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے اور یہ کیسے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے ایک ایسا اعلیٰ معاشرہ پیدا کیا جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی در اصل ہمارے قدیم مورخین نے اس قسم کی پوچ روایتیں تاریخ کی کتابوں میں شامل کر کے تاریخ اسلام کی شکل کو مسخ کر دیا ہے۔

(حضرت) فاطمہ (رضی اللہ عنہ) نے جب سے فدک وغیرہ کے متعلق اپنے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت وترکہ کا مطالبہ کیا تھا اُسی زمانہ سے (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے قطع تعلق کر چکی تھیں، ان میں باہم بحث بھی ہوئی تھی، تا آنکہ وہ انتقال کر گئیں۔

جب تک وہ زندہ رہیں علی علیہ السلام نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی، اس بیعت کی کیفیت میں اختلاف ہے، ہم اس کی تفصیل کتاب الاستذکار لما جری فی سالف الاعصار میں درج کر چکے ہیں[1]۔

---

[1] یہ روایت بھی بے بنیاد ہے۔ صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت علی رضؓ کو جیسے ہی پتہ چلا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ منتخب ہو گئے ہیں اور مسجد میں لوگ بیعت کر رہے ہیں تو آپ بہ عجلت مسجد میں گئے اور بیعت کی۔ بلکہ آپ کو کسی قدر دیر سے بیعت کرنے کا افسوس رہا۔

خلافت عمرؓ بن الخطاب (رضی اللہ عنہ)

عمرؓ بن خطاب بن نُفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قُرط ابن رزاح بن عدی بن کعب بن لوئی کی کنیت ابو حفص تھی، ان کی والدہ حنتمہ تھیں، بنت ھشام بن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم، جس وقت (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے وفات پائی اُسی وقت (حضرت) عمرؓ (رضی اللہ عنہ) کی بیعت ہوئی، اللہ تعالےٰ نے اُن کے ہاتھ سے اکثر ممالک فتح کیے۔

اوّلیات فاروقی[۱]

(۱) اُنہوں نے فوجیں مرتب کیں۔

(۲) شہر بسائے۔

(۳) محاکم و دفاتر بنائے۔

(۴) عطاء کی طرح ڈالی (یعنی تمام مسلمانوں کے لئے بیت المال سے حسب حیثیت تنخواہیں مقرر کردیں۔)

(۵) تاریخ تحریر کی۔

(۶) ماہ رمضان میں نماز تراویح سنّت قرار دی۔

شہادت ذی الحجہ ۲۳ھ کی چار راتیں باقی تھیں۔ چہارشنبہ کا دن تھا کہ مدینہ میں شہید ہوئے، ترسٹھ (۶۳) برس کی عمر تھی، اور بروایت مجہول اس سے کم، مگر زیادہ مشہور پہلی ہی روایت ہے، ایرانی غلام ابو لولوہ نے جو مُغیرہ ابن شعبہ کا غلام تھا اُن کو شہید کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے ساتھ (ام المومنین) عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے حجرہ میں دفن ہوئے۔

مزارات حجرۂ شریفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کی

---

[۱] اولیات فاروقی کے لئے "الفاروق" از شبلی ملاحظہ کیجئے۔

قبریں کیوں کر ہیں؟ ان کی کیفیت (جو بیان کی گئی ہے)، اس میں اختلاف ہے۔

(۱) ہشام بن عُروہؒ اپنے والد (عُروہؓ بن زبیر بن عوامؓ) سے راوی ہیں کہ اُمّ المومنین عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا:۔

ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے جب وفات پائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوے، اُن کا سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں مونڈھوں کے درمیان تھا۔

عمر (رضی اللہ عنہ) نے انتقال کیا تو ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے پہلو میں دفن ہوئے، اُن کا سر ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے دونوں شانوں کے درمیان تھا۔

(۲) قاسم بن محمّد بن ابی بکر کہتے ہیں:۔ میں نے (اُمّ المومنین) عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس آکر خواہش کی:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرتؐ کے دونوں ساتھیوں کی قبریں مجھے دکھا دیجئے۔

اُنھوں نے مجھے تین قبریں دکھائیں جو نہ بہت اونچی تھیں نہ بالکل زمین کے برابر تھیں سرخ رنگ کے سنگ ریزوں سے سطح ہموار تھی۔

میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر آگے ہے، ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کا سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے پاس پیچھے واقع ہے، اور عمر (رضی اللہ عنہ) کا سر ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کے قدموں کے پاس ہے۔

(۳) ابو عبداللہ جعفر بن محمّد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ میرے والد نے کہا:۔ یہ قبریں زمین سے ایک بالشت اونچی، مربع، ایک کے بعد ایک، ترتیب کے ساتھ واقع ہیں۔

شکل وصورت

(حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) دس برس چھ مہینہ اٹھارہ دن خلیفہ رہے۔ گندم گوں، بلند بالا، درازیِ قد کے باعث لوگوں سے اونچے نظر آتے ایسا معلوم ہوتا گویا سوار ہیں، بائیں ہاتھ سے کام کرتے، ڈاڑھی گھنی تھی۔

لوازمِ خلافت

کاتب:۔ (۱) زیدؓ بن ثابت (۲) عبداللہؓ بن الارقم۔

نقشِ خاتم:۔ کفیٰ بالموت واعظاً یا عمر (اے عمرؓ نصیحت اور وعظ کے لئے موت ہی کافی ہے) اور بقولِ بعض:۔ امنت بالذی خلقنی (جس نے مجھے پیدا کیا ہے میں اُسی پر ایمان لایا ہوں)۔

حاجب :- یرفأ، جو اُن کے آزاد غلام تھے۔

قاضی :- ابو اُمیہ شریح بن الحارث بن قیس بن الجہم بن معاویہ ابن عامر بن الرائش بن الحارث بن معاویہ بن کندہ۔

کندہ ہی کو ثور کہتے ہیں، ابن عفیر بن عدی بن الحارث بن مرہ ابن اُدو بن زید بن یشجب بن عُریب بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب ابن یعرب بن قحطان۔

بروایت مجہول پہلے پہل سلیمان بن ربیعہ باہلی عراق میں (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کی جانب سے قاضی مقرر ہوئے تھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) ہی کے عہد میں وہ قاضی مدینہ تھے۔

اُن کے بعد سائب بن یزید قاضی ہوئے جو نمر کندی کے بھانجے تھے۔

اولاد (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کے نو (۹) اولاد تھی :-

عبد اللہ۔

عبد الرحمٰن اکبر۔

زید اکبر۔

عبید اللہ، جو صفین میں قتل ہوئے۔

عاصم۔

زید اصغر۔

عبد الرحمٰن اصغر۔

عیاض۔

عبد اللہ الاصغر۔

ان میں سلسلۂ اولاد چار ہی صاحبوں سے چلا :-

عبد اللہ الاکبر۔

عاصم

عبید اللہ

عبد الرحمٰن الاصغر۔

چار لڑکیاں تھیں جن میں ایک (اُم المومنین) حفصہؓ ہیں، زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تاریخ ہجری

(حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کے عہدِ خلافت میں ایسے واقعات پیش آئے جن کا وقت نہ معلوم ہو سکا کہ یہ کب کے حوادث ہیں، لوگوں سے (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) نے تاریخ کی نسبت مشورہ کیا، تاریخِ عجم وغیرہ میں بڑی بحث ہوئی، (حضرت) علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کے اشارہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اور سرزمینِ شرک کے ترک کرنے کا زمانہ تاریخی سنہ قرار پایا، محرّم تاریخ کا سرآغاز ہوا جو مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے دو مہینہ بارہ دن قبل پڑتا تھا، لیکن بہتر یہی سمجھے کہ آغازِ سال سے (جس کا پہلا مہینہ محرم ہوتا تھا) تاریخ کی ابتدا ہو۔

یہ واقعہ، باختلافِ روایات (ہجرتِ نبوی) کے ستّرھویں یا اٹھارھویں سال کا ہے۔

تحقیق تاریخ

مسعودی کہتے ہیں:۔

زُہریؔ (یعنی) محمّد بن مسلم بن علبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب ابن عبد اللہ بن الحارث بن زہرۃ بن کلاب نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر جب مدینہ تشریف لائے تو تاریخ (ہجری) کا حکم دیا۔

لیکن بحیثیت خبر احاد و مُرسَل ہونے کے، جن لوگوں کے نزدیک مُرسَل روایتیں مقبول نہیں ہیں، یہ روایت متروک و مہجور ہے، کیونکہ اس میں واقعۂ تاریخ کا وقت تک معلوم نہیں، اور نہ اس کی کیفیت منقول ہے، ہم نے پہلے جو بیان کیا ہے اتفاق اسی پر ہے۔

انتخابِ خلیفہ کے لئے مجلس شوریٰ

(حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) نے اپنے بعد خلیفہ منتخب کرنے کے لئے شوریٰ قرار دیا جس کے ارکان چھ تھے:۔

(۱) علی (رضی اللہ عنہ)

(۲) عثمان (رضی اللہ عنہ)

(۳) طلحہ (رضی اللہ عنہ) جو اُس وقت موجود نہ تھے۔

(۴) زبیر (رضی اللہ عنہ)

(۵) عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہ)

(۶) سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ)

اپنے فرزند عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کو بھی مشورہ و مباحثہ و فیصلہ میں ان

سب کا شریک تجویز کیا مگر یہ شرط کردی کہ خود انہیں خلافت سے کچھ سروکار نہ ہوگا۔
تین دن کی مہلت ان لوگوں کو دی (کہ اسی مدت میں اپنے میں سے کسی کو منتخب کرلیں)۔
ابو یحیٰی صہیب رومی کو، جو عبداللہ بن جُدعان تیمی کے آزاد غلام تھے، اُن دنوں میں لوگوں کی پیش نمازی کا حکم دیا۔
صُہیب اپنے آپ کو نمر بن قاسط کے خاندان سے نسبت دیتے تھے اور اپنے والد کا نام سنان بتاتے تھے۔

انتخاب میں پابندیاں

(۱) ابو طلحہ زید بن سہل الانصاری ثم الخزرجی کو جو عدی بن عمرو ابن مالک بن النجار کی اولاد میں تھے اور انس رضؓ بن مالک کی والدہ اُمّ سُلیم کے شوہر تھے، پچاس انصاریوں کے ساتھ اُن لوگوں کا نگراں مقرر کیا اور حکم دیا کہ تین دن کے اندر یہ لوگ معاملہ منفصل کرکے اپنے میں سے کسی کی خلافت پر اتفاق کرلیں۔
(۲) حکم دیا کہ اگر ایک شخص کے متعلق پانچ آدمی متفق الرائے ہوں اور ایک اختلاف کرے تو اس کو قتل کردو۔
(۳) اسی طرح اگر چار اتفاق اور دو اختلاف کریں تو اُن دو کو مار ڈالو۔
(۴) لیکن اگر دو فرقے ہوجائیں (تین ایک کی نسبت رائے دیں اور تین دوسرے کی تجویز کریں)، تو اُس فرقہ کے ساتھ شامل ہو جس میں عبدالرحمٰن بن عوف ہوں (رضی اللہ عنہ)
(۵) مسلمانوں نے جس پر اتفاق کرلیا ہو اگر دوسرا فرقہ اُس کے انتخاب سے انکار کرے تو اُس کو قتل کرڈالو۔

طریق انتخاب

عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہ) نے ارکانِ شوریٰ کے روبرو یہ تجویز پیش کی کہ ایک ایک صاحب دعوائے خلافت سے دست بردار ہوجائیں اور اُن کو یہ حق ہو کہ (البقیہ تین میں سے) جس کسی ایک کو چاہیں منتخب کریں، یہ تجویز کسی نے منظور نہ کی۔
عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہ) اپنے حق سے دست بردار ہوگئے، تاکہ اُن میں سے ایک کو منتخب کریں۔
انتخاب میں سب کی رضامندی و پسندیدگی حاصل کرنے میں تین دن گزر گئے، آخر

میں عبدالرحمٰنؓ نے عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور پھر سب کے اتفاق سے وہی خلیفہ منتخب ہوئے۔

(حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہٗ) عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہٗ) کے بہنوئی تھے[1]۔

آپس کی بڑی بحث و نزاع کے بعد (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہٗ) کی خلافت مُسلّم مانی گئی، فرزدق اسی باب میں کہتا ہے:۔

صلّی صُهَيبٌ ثلاثاً ثمّ ارسلها

(صُہیب نے تین دن نماز پڑھائی اور پھر علیحدگی اختیار کرلی)

الیٰ ابن عفّان ملکاً غیر مقسوس

(عفان کے بیٹے حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ کے سپرد اس ملک کو کردیا جس میں کوئی مانع و مزاحم نہ تھا)

---

[1] اِس موقعہ پر مورخ نے نہایت چالاکی سے کام لیا ہے اور یہ تصور دلانے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر اس لئے بیعت کی کہ وہ اُن کے بہنوئی تھے۔ حالانکہ اِس کو حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ پہلے ہی دن اس جانب داری کا مظاہرہ کر گذرتے اور تین دن تک اس پریشانی میں مبتلا نہ رہتے۔ وہ تین شبانہ روز مدینہ کے لوگوں سے مشورہ کرتے رہے۔ ایک ایک گھر کا چکر لگایا اور ہر شخص کی رائے معلوم کرنے کی کوشش کی۔ آخری رات تو سوئے تک نہیں۔ جب اُنہیں یقین ہوگیا کہ اکثر لوگوں کی رائے حضرت عثمانؓ کے حق میں ہے تب اُنہوں نے بیعت کی۔ پھر اور لوگوں نے بھی خوش دلی سے اُن کا اتباع کیا۔ بعد میں حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ نے اُن سے دریافت کیا کہ "آپ نے علیؓ پر عثمانؓ کو کیوں ترجیح دی۔ اُنہوں نے تمام واقعات بے کم و کاست سُنا دیئے۔ حضرت ابن عباسؓ مطمئن ہوگئے اور پھر انہوں نے کچھ نہیں کہا۔

خلافت عثمان بن عفّان (رضی اللہ عنہ)

(حضرت) عثمان بن عفّان بن ابی العاص بن اُمیہ بن عبدِ شمس ابن عبد مناف کی کنیت ابو عبداللہ اور ابو عمرو تھی، اُن کی والدہ اَروی تھیں، بنت کریز بن ربیعۃ بن حُبیب بن عبدِ شمس بن عبد مناف۔

غرّہ محرم ۲۴ھ یوم جمعہ کو اُن کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور جمعہ ہی کے دن، ذی الحجہ ۳۵ھ میں جب کہ (ماہِ مذکور کی) بارہ شبیں باقی تھیں، مدینہ میں شہید ہوئے، بیاسی (۸۲) برس اور بقولِ بعض اٹھاسی (۸۸) برس کی عمر تھی۔

سیر و آثار میں ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) عید الضحیٰ (قربانی) کے دِن شہید ہوئے، اس کی دلیل میں فَرَزْدَق کا قول پیش کرتے ہیں:-

عثمان اذ قتلوہ وانتھکوا

(حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے شہید کیا، بے حرمتی کی)

دمہ صَبِیْحَۃَ لیلۃ النحر

(قربانی والی رات کی صبح کو، یعنی عید الضحیٰ کے دن، ان کا خون بہایا)

اَیْمَنْ بن خُرَیْم بن فاتک اسدی جو شیعۂ عثمان رضی اللہ عنہ کے گروہ میں داخل ہیں کہتے ہیں:-

تعاقد الذابحو عثمان ضاحیۃً

(حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ذبح کرنے والوں نے قربانی کے دن عہد و پیمان باندھا)

فای ذبح حرام ویحھم ذبحوا

(حیف ہے کہ ان لوگوں نے کیسے حرمت و عظمت والے مذبوح کی قربانی کی ہے)

ضحوا بعثمان فی الشھر الحرام ولم

(ان لوگوں نے حرمت والے مہینہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قربانی کی ہے)

یخشوا علی مطمح الکف الذی طمحوا

(وہ کفر کا مقصد جو اُن لوگوں کے پیش نظر تھا اُس سے ڈرے تک نہیں)

حسانؓ بن ثابت انصاری کہتے ہیں :۔

ضَحَّوْا باشمط عنوان السجود بہ

(ان لوگوں نے اُس شخص کی قربانی کی جس کے سر کے بال سفید تو ہو چلے تھے مگر ہنوز سیاہی مائل تھے، اُس کی پیشانی سے نشانِ سجدہ نمایاں تھا)

یُقَطِّعُ اللَّیلَ تَسْبِیحًا و قرآنا

(وہ تمام رات تسبیح و تہلیل و تلاوتِ قرآن میں بسر کرتا تھا)

مدینہ کے اُس مقام میں دفن ہوئے جو حُشِّ کوکب کے نام سے مشہور ہے، حُش بضمِ حاء بمعنیٰ باغ، یہ باغ ایک انصاری سے منسوب ہے جن کا نام کوکب تھا۔

(حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) گیارہ برس گیارہ مہینہ بائیس روز خلیفہ رہے۔

قد و قامت میں درمیانہ، جسم کے معتدل، خوش رُو، گندم گوں، ڈاڑھی بھری تھی جس کا رنگ خضاب سے زرد ہوتا، دانتوں میں سونے کی بندش تھی۔

عہدہ داران خلافتِ ثالثہ

کاتب :۔ مروان بن الحکم۔

حاجب :۔ حُمران جو (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کے آزاد غلام تھے۔

قاضی :۔ (۱) زیدؓ بن ثابت انصاری، انھوں نے (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کی کتابت بھی کی ہے، بروایت مجہول (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کے عہد میں بھی یہ مدینہ میں عہدۂ قضاء پر مامور تھے۔

(۲) سائب بن یزید جو نمر کندی کے بھانجے تھے، بروایت مجہول یہ (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کے عہد میں کوتوالی پر مامور تھے، مگر صحیح و ثابت پہلی ہی روایت ہے۔

عہدۂ قضاء

مسعودی کہتے ہیں :۔

مُحارب بن دثار سے روایت ہے کہ جب (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) خلیفہ ہوئے تو (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) نے اُن سے کہا کہ آپ کے لئے قاضی کا کام میں اپنے ذمہ لیتا ہوں، قاضی ہوئے تو سال بھر تک کوئی ایک شخص بھی اُن کے پاس نہ آیا کیونکہ فیضِ نبوت

کا اتنا اثر تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان یا تو مخاصمات و منازعات کی نوبت ہی نہیں آتی تھی یا کوئی صورت پیدا ہوتی تو آپس میں خود ہی تصفیہ کر لیتے، نالش و استغاثہ و ارجاعِ مقدمہ کی ضرورت ہی نہ پڑتی)۔

وکیع کہتے ہیں:۔

رہی (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) کے زمانہ کی بات تو نافع سے روایت ہے کہ (حضرت) عمر (رضی اللہ عنہ) نے زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) کو عہدۂ قضاء پر مامور کر کے اُن کے لئے اُجرت (تنخواہ) مقرر کر دی تھی۔

یونس نے زُہری سے روایت کی ہے کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی مقرر کیا نہ ابو بکرؓ نے، اور نہ عمرؓ نے (رضی اللہ عنہما)۔

ابو غسان محمد بن یحییٰ کہتے ہیں:۔ "اہلِ علم میں سے کسی کو بھی میں نے یہ بیان کرتے نہیں سُنا کہ (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) نے مرتے دم تک کسی کو قاضی مقرر کیا ہو"۔

خاتم و نقشِ خاتم

(حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کی انگشتری پر یہ فقرہ منقوش تھا:۔
'آمنت باللہ مخلصاً (میں اخلاص کے ساتھ اللہ پر ایمان لایا)

بروایت مجہول:۔

(۱) 'آمنت باللہ العظیم (میں اللہ پر ایمان لایا جو عظمت والا ہے)۔

(۲) لتصبرن او لتندمن (صبر کرو ورنہ پشیمان ہونا پڑے گا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتری اُن کے زمانہ تک موجود رہی، جب اُن کے ہاتھ سے گر گئی تو اُسی کی ہم شکل انگوٹھی پر وہی عبارت (یعنی محمد رسول اللہ) منقوش کرالی گئی یہی خاتم خلافت ہے جو (اُسی زمانہ سے) چلی آتی ہے، اُن کے بعد جتنے خلفاء ہوئے سب کی علیٰحدہ علیٰحدہ انگشتریاں تھیں جن پر ہر ایک نے اپنی اپنی پسند کے مطابق عبارتیں نقش کرائی تھیں، چنانچہ آئندہ اس کتاب میں مطیع عباسی کے عہدِ خلافت تک ہم اس کا جداگانہ بیان کریں گے۔

ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی تھی جو آپ کے ہاتھ میں تھی اور آپ کے بعد ابو بکرؓ اور پھر عمرؓ اور پھر عثمانؓ کے ہاتھوں میں رہی، تا آں کہ بیرِ اَریس میں گر گئی (اَریس:۔ مدینۂ مبارکہ کا ایک مشہور کنواں)۔

اولاد (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کے (۹) لڑکے تھے:۔

(۱) عبد اللہ الاکبر جو چھ برس کی عمر میں انتقال کر گئے، اُن کی والدہ، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، رقیہ تھیں، بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) عبد اللہ الاصغر۔

(۳) عمرو۔

(۴) عمر۔

(۵) خالد۔

(۶) ابان۔

(۷) ولید۔

(۸) سعید۔

(۹) عبد الملک۔

ان میں صاحبِ اولاد، جن سے نسل چلی، پانچ ہیں۔

(۱) عمرو، جو اُن کے بڑے بیٹے تھے، اُن کی اولاد میں محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن عثمان سے سلسلہ چلا، حسن و جمال کے باعث اُن کا لقب دیباج تھا، اُن کی والدہ فاطمہ تھیں۔ بنت الحسین رضؓ ابن علیؓ بن ابی طالب۔

(۲) عمر۔

(۳) ابان۔

(۴) ولید۔

(۵) سعید۔

آٹھ لڑکیاں تھیں۔

صحابہ جو عہدِ عثمانی میں فوت ہوئے (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کی خلافت کے نویں سال کہ ۳۲ھ تھا (حضرت) عباس بن عبد المطلب نے اٹھاسی برس کی عمر میں انتقال کیا (رضی اللہ عنہ) سنۃ الفیل سے تین برس قبل پیدا ہوئے تھے۔

(۲) اسی سال عبد الرحمٰن بن عوف زہری (رضی اللہ عنہ نے) پچھتر (۷۵) برس کی عمر

میں انتقال کیا۔

(۳) عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار ابن مخزوم بن صاہلہ کاہل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل ابن مدرکۃ بن الیاس بن مضر بن نزار یہ کچھ اوپر ساٹھ (۶۰) برس کے تھے (رضی اللہ عنہٗ)

(۴) ۳۶ھ میں[1] ابوسفیانؓ صخر بن حرب بن اُمیہ بن عبدِ شمس ابن عبدِ مناف نے وفات پائی، اُن کی عمر بھی (حضرت) عبّاس (رضی اللہ عنہٗ) کی عمر کے برابر (یعنی) اٹھاسی (۸۸) برس ہو گئی تھی۔

---

[1] ابوسفیانؓ کے انتقال کا سنہ ۳۶ھ درست نہیں، وہ حضرت عثمان کے عہدِ خلافت میں فوت ہوئے اور حضرت عثمان خود ذی الحجہ ۳۵ھ میں شہید کر دیئے گئے تھے اس لئے اُس سے پہلے ہی فوت ہو چکے ہوں گے۔ دیگر روایتوں کے مطابق اُن کا انتقال ۳۲ھ یا ۳۴ھ میں ہوا۔

خلافتِ علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ)

(حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) ابن ابی طالب بن عبد المطلب ابن ہاشم بن عبدِ مناف کی کنیت ابو الحسن تھی، ان کی والدہ فاطمہ تھیں، بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف، جس روز (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے ہیں اُسی روز اُن کے ہاتھ پر بیعت ہوئی[1] (اور وہ خلیفہ منتخب ہوئے)۔

حربِ جمل

مسعودی کہتے ہیں:۔

(حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی بیعتِ خلافت اور واقعۂ جمل کے درمیان پانچ مہینہ اکیس روز کا فصل تھا۔

اصحابِ جمل کی جانب سے (کہ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فریق مقابل تھے) تیرہ ہزار (۱۳۰۰۰) اس جنگ میں کام آئے، جن میں قبیلۂ آزد کے چار ہزار (۴۰۰۰) اور بقول مجہول اس سے کم، قبیلۂ ضبہ کے گیارہ سو (۱۱۰۰) اور بقیہ عام قبائل کے تھے۔

اصحابِ علی رضی اللہ عنہ میں سے ایک ہزار (۱۰۰۰) قتل ہوئے، اور بقول مجہول کم یا زیادہ۔

یہ واقعہ پنجشنبہ کو پیش آیا جبکہ جمادی الآخرہ ۳۶ھ کی دس شبیں گزر چکی تھیں۔

حربِ صفین

واقعۂ جمل اور مقام صفین میں (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ جنگ کے لئے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کے مقابلہ کے درمیان سات مہینے تیرہ دن کا فصل تھا۔

صفین میں پہلی لڑائی جس دن فریقین میں ہوئی ہے وہ چہارشنبہ کا دن تھا غرۂ صفر ۳۷ھ۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ علی علیہ السلام کے ساتھ کتنی فوج تھی؟۔

راویوں نے بہت کثیر تعداد بھی بیان کی ہے اور قلیل بھی، لیکن بایں ہمہ اختلاف یہ

---

[1] زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے پانچ دن بعد ہوئی۔

بیان متفق علیہ ہے کہ (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ نوّے ہزار (۹۰۰۰۰) کی جمعیت تھی اور (حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) ایک لاکھ بیس ہزار (۱۲۰۰۰۰) کے ساتھ تھے، قولِ مجہول میں اس جمعیت کی تعداد کم اور زیادہ بھی بتائی گئی ہے۔

فریقین کے مقتولین

صفّین میں ستّر ہزار (۷۰۰۰۰) اصحاب علی رضی اللہ عنہ قتل ہوئے جن میں پچّیس ہزار (۲۵۰۰۰) مشاہیر تھے، اور ان میں پچّیس (۲۵) ایسے صحابہؓ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک ہو چکے تھے، عمارؓ بن یاسر عَنَسی بھی انہیں مقتولین میں تھے۔

عمارؓ عنسی منسوب بہ عَنَس بن مالک بن اُدَدْ بن زید بن یشجب ابن عُرَیب بن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان، یہ قبیلۂ بنی مخزوم کے حلیف تھے۔

معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی جانب سے پینتالیس ہزار (۴۵۰۰۰) قتل ہوئے۔

بقولِ مجہول مقتولین فریقین کی تعداد کم بھی بیان کی گئی ہے اور زیادہ بھی۔

صفّین میں ایک سو دس دن (دونوں لشکروں کا) پڑاؤ رہا، نوّے (۹۰) لڑائیاں ہوئیں۔

تحکیم

ماہِ رمضان ۳۸ھ میں حَکَمَین (یعنی فریقین کی جانب سے دو صاحب اس جنگ کا تصفیہ کرنے کے لئے مقرر ہوئے ابو موسیٰؓ اشعری و عمروؓ بن العاص مقامِ دومۃ الجندل میں جب ان کی ملاقات ہوئی ہے تو اس واقعہ اور (آغازِ جنگ) صفّین کے درمیان پانچ مہینہ پینتالیس دن کا فصل تھا[1]۔

خوارجِ نہروان

(حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) جب خوارج کی جانب نہروان روانہ ہوئے ہیں اور وہاں اُن کو قتل کیا ہے تو اس کے اور واقعۂ تحکیم کے

---

[1] معلوم نہیں ساڑھے چھ مہینے لکھنے کے بجائے پانچ مہینے پینتالیس (۴۵) دن کیوں کہا گیا ہے۔ پھر یہ بات بھی عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ جب مورخ موصوف خود لکھ رہا ہے کہ صفّین میں پہلی لڑائی غرۂ صفر ۳۷ھ میں ہوئی اور حکمین کا تقرر ماہ رمضان ۳۸ھ میں ہوا اُس کے بعد چار ماہ اُن کو صلاح و مشورہ اور تحقیق و تفتیش کے لئے دیئے گئے۔ تو یہ مدت صرف ساڑھے چھ ماہ کس طرح رہی۔ اس طرح تو حکمین کی ملاقات اور آغاز جنگ صفّین کے درمیان کم از کم پونے دو سال کی مدت ہوتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو مورخ کو کچھ سہو ہوا یا پھر کتابت کی غلطی ہے۔ اصل میں صفّین کی جنگ کا آغاز ۳۶ھ کے اواخر میں ہو گیا تھا۔ حکمین کے لئے وثیقہ ۱۳ صفر ۳۷ھ کو تیار ہوا تھا اور حکم دومۃ الجندل میں رمضان ۳۷ھ میں جمع ہوئے تھے۔

درمیان چودہ مہینہ کا فصل تھا۔

خوارج کی جمعیت چار ہزار (۴۰۰۰) تھی، سرغنۂ خوارج عبداللہ بن وہب الرّاسبی، منسوب بہ راسب بن میدعان بن مالک ابن نصر بن ازد، یہ نسبت راسب بن خزرج بن جُدّہ بن جرم بن ربان ابن حُلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ کی جانب نہیں ہے۔

ربّان میں حرفِ را ۶ ہے۔

قبائل معدو قحطان (یعنی) عرب بھر میں یہی دو راسب تھے (راسب بن میدعان، اور راسب بن خزرج) ان کے علاوہ اور کسی کا نام راسب نہ تھا۔

(حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) جب خوارج کے بالمقابل فروکش ہوے، اُنہیں (اتباعِ جماعت کی) دعوت دی، تو سب کے سب پراگندہ ہو گئے، صرف ایک عبداللہ بن وہب کی جمعیت بقدر اٹھارہ سو (۱۸۰۰) کے رہ گئی۔

بقولِ مجہول:۔

(۱) اس جمعیت کی تعداد پندرہ سو (۱۵۰۰) تھی۔

(۲) بارہ سو (۱۲۰۰) تھی۔

یہ سب قتل ہوے، فقط کچھ تھوڑے سے لوگ باقی رہ گئے۔

سببِ تفرقۂ خوارج

کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن وہب کی جمعیت سے جو لوگ علیحدہ ہوے اس کا سبب یہ تھا کہ اصحابِ علی علیہ السلام نے جب خوارج کو گھیر لیا اور قتل میں تیزی و شتابی شروع کی تو خوارج نے منادی کی:۔

"یا اخوتنا اسرعوا بنا الروحة الی الجنّة"

(بھائیو! ہمارا ساتھ دینے اور بہشت کی جانب چلنے میں جلدی کرو، جلدی کرو)

اس موقع پر عبداللہ بن وہب نے کہا:۔

"فعلها الی النّار"

(شاید یہ کوچ بہشت کی جانب نہ ہو بلکہ دوزخ کی جانب ہو)

جو لوگ اس بناء پر عبداللہ بن وہب سے جُدا ہوئے اُنھوں نے یہ کہا:۔

"أنقاتل مع رجل شاكّ"

(کیا ہم ایسے شخص کے ساتھ ہو کر لڑیں جسے خود شک ہے کہ یہ لڑائی موجب دخولِ جنّت ہوگی یا نہ ہوگی)

اسی کے بعد یہ لوگ جُدا ہو گئے۔

شہادت (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) جب خوارج کے مقابلہ میں نکلے ہیں اور عبدالرحمٰن بن مُلجم یحیصبی نے جب آپ کو شہید کیا ہے تو ان دونوں واقعوں کے درمیان ایک سال پانچ مہینہ پانچ دن کا فصل تھا۔

ابن مُلجم کا شمار قبیلۂ مراد میں ہے، اکثر خوارج ابن مُلجم کو محض اس بنا پر اچھا نہیں سمجھتے اور اُس کے ساتھ موالات جائز نہیں رکھتے کہ اُس نے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کو دھوکے سے شہید کیا تھا۔

اس واقعہ اور واقعۂ آغازِ ہجرت کے درمیان اُنتالیس برس آٹھ مہینہ بیس دن کا فصل تھا۔

ماہِ رمضان سنہ ۴۰ھ کے آخری عشرہ میں (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) بمقام کوفہ شہید ہوئے۔

مدّت عمر آپ کی عمر کتنی تھی؟ اس میں اختلاف ہے:۔

(۱) ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ آپ اڑسٹھ برس (۶۸) کی عمر میں شہید ہوئے۔ یہ اُن لوگوں کا قول ہے جو اس جانب گئے ہیں کہ آپ پندرہ برس کی عمر میں مسلمان ہوئے تھے۔

(۲) ایک گروہ کہتا ہے کہ آپ چھیاسٹھ برس (۶۶) کی عمر میں شہید ہوئے۔

یہ اُن لوگوں کا قول ہے جو تیرہ برس (۱۳) کی عمر میں آپ کا مسلمان ہونا بیان کرتے ہیں۔

(۳) ایک گروہ کی روایت ہے کہ آپ ترسٹھ برس (۶۳) کی عمر میں شہید ہوئے۔

یہ اُن لوگوں کا قول ہے جو (۱۰) برس کی عمر میں آپ کے اسلام لانے کے راوی ہیں۔

اس کتاب میں جہاں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و ہجرت کا تذکرہ کیا ہے وہیں یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ:۔

(۱) اس امر میں اختلاف ہے کہ پہلے پہل کون مسلمان ہوا۔

(۲) وہ روایتیں بھی درج کر دی ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) جب اسلام لائے ہیں تو اُس وقت دس برس سے کم عمر کے تھے۔

(۳) حتّٰی کہ اُن لوگوں کا قول بھی نقل کر دیا ہے جو کہتے ہیں کہ اُس وقت آپ پانچ برس کے تھے، یہ سب سے کم مقدار ہے جو (اسلام لانے کے وقت) آپ کی عمر کے متعلق بیان کی گئی ہے۔

(۴) ہم یہ بھی دکھا چکے ہیں کہ اس آخری قول کے راویوں کی غرض کیا ہے، اور اس باب میں وہ کس طرح (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کے فضائل و مناقب کو مٹانا چاہتے ہیں۔

مدفن (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کی قبر کہاں ہے؟ اس میں بھی اختلاف ہے:۔

(۱) بعض لوگ کہتے ہیں کہ غرّی میں دفن ہوے، یہ وہی مشہور مقام ہے جو اس وقت (العبد مصنّف) کوفہ سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

(۲) بعض کہتے ہیں:۔ مسجد کوفہ میں دفن ہوے۔

(۳) بعض کہتے ہیں:۔ ایوانِ حکومت کوفہ کے صحن میں دفن ہوے۔

(۴) بعض کہتے ہیں، وہاں سے (جنازہ) مدینہ لے گئے اور (حضرت) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے ساتھ دفن ہوے۔

اسی طرح کے اور بھی اقوال ہیں جن کو ہم اپنی کتاب (۱) اخبار الزمان ومن اباده الحدثان من الامم الماضیہ، والاجیال الخالیہ، والممالک الداثرہ (۲) رسالۃ البیان فی اسماء الائمۃ، میں بیان کر چکے ہیں، پہلی کتاب میں یہ بیان وہاں ہے جس مقام پر آل ابی طالب کے مقاتل وانساب و مقاماتِ قبور وحوادثِ موت وہلاک کا تذکرہ ہے، اور دوسری کتاب تو اس بیان ہی میں ہے کہ فرقۂ امامیہ نے آئمہ کی نسبت کیا اقوال پیش کئے ہیں اور اُن کی مقدار، عمر وکیفیت وتعداد کیوں کر اور کیا کیا بیان کی ہے؟

شکل وصورت

(حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) چار برس نو مہینہ آٹھ دن خلیفہ رہے۔ شکل وصورت کے گندم گوں، شکم میں توند، پیشانی پر بال نہ تھے، سر اور ڈاڑھی سفید، آنکھیں بہت کالی کالی بڑی بڑی (میانہ قد) نہ بلند بالا نہ پست قامت، ڈاڑھی ایسی تھی کہ سینہ بھر جاتا تھا، بالوں کی سفیدی تبدیل نہیں کرتے تھے (یعنی خضاب نہیں لگاتے تھے)

لوازمِ خلافت

کاتب:۔ عبید اللہ بن ابی رافع، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد غلام تھے۔

نقش خاتم:۔ الملک للہ (حکومت اور ملک اللہ کا ہے)۔

قاضی:۔ شریح۔

حاجب:۔ قنبر، جو انھیں کے آزاد غلام تھے۔

اولاد

اولاد گیارہ (۱۱) تھیں:۔

(۱) حسن (رضی اللہ عنہ)۔

(۲) حسین (رضی اللہ عنہ) ان دونوں کی والدہ (حضرت) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) تھیں بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) محمد بن الحنفیہ (رضی اللہ عنہ) ان کی والدہ خولہ تھیں بنت جعفر ابن قیس بن مسلمہ بن عُبَید بن ثعلبۃ بن یَربوع بن ثعلبۃ بن الدُول بن حنیفہ ابن لجیم بن صَعب بن علی بن بکر بن وائل۔

(۴) عمر (رضی اللہ عنہ) ان کی والدہ صہبا تھیں، کنیت اُمِّ حبیب، بنت ربیعۃ بن بُجَیر بن العبد بن علقمۃ بن الحارث بن عتبہ بن سعد بن زہیر بن جُشَم ابن بکر بن حُبَیب بن عمرو بن تغلب بن وائل۔

(۵) عباس (رضی اللہ عنہ) ان کی والدہ اُمّ البنین تھیں، بنتِ حزام ابن خالد بن ربیعۃ بن الوحید، وحید (لقب، نام) عامر (تھا) ابن کعب بن عامر ابن کلاب بن ربیعۃ بن عامر بن صعصعۃ بن معاویہ بن بکر بن ہوازان۔

(۶) عبداللہ (رضی اللہ عنہ)

(۷) جعفر (رضی اللہ عنہ)

(۸) عثمان (رضی اللہ عنہ)

(۹) محمد الاصغر (رضی اللہ عنہ) ان کی کنیت ابوبکر تھی (یہ باعتبار اپنے بڑے بھائی محمد بن الحنفیہ کے جو محمد الاکبر بھی کہے جاتے تھے محمد الاصغر مشہور تھے، یعنی چھوٹے محمد)۔

(۱۰) عبیداللہ (رضی اللہ عنہ)۔

(۱۱) یحییٰ (رضی اللہ عنہ)۔

ان میں صاحبانِ اولاد جن سے سلسلہ چلا، پانچ ہیں:۔

(۱) حسنؓ (۲) حسینؓ (۳) محمدؓ بن الحنفیہ (۴) عمرؓ (۵) عباسؓ۔

صاحبزادیاں سولہ (۱۶) تھیں جن میں (حضرت) زینب و حضرت اُمِّ کلثوم (رضی اللہ عنہما) کی والدہ (حضرت) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) تھیں، بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(حضرت امام) حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب کا سلسلۂ اولاد زیدؓ اور حسنؓ سے جاری ہوا، زید کا سلسلہ حسنؓ بن زیدؓ سے اور حسنؓ بن الحسنؓ (ابن علیؓ بن ابی طالب) کا سلسلہ (۱) جعفرؓ (۲) داؤدؓ (۳) عبداللہؓ (۴) حسنؓ (۵) محمدؓ (۶) ابراہیم سے چلا۔

(حضرت امام) حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب کا سلسلہ علی الاصغرؓ (زین العابدین) ابن الحسینؓ سے اور علیؓ بن الحسینؓ (یعنی انھیں امام زین العابدین) کا سلسلہ (۱) محمدؓ (۲) عبداللہؓ (۳) عمرؓ (۴) زیدؓ (۵) حسینؓ بن علی سے چلا۔

(حضرت) محمدؓ بن الحنفیہ کا سلسلہ (۱) جعفرؓ (۲) علیؓ (۳) عونؓ (۴) ابراہیم سے، جعفرؓ

ابنِ محمدؓ (ابن الحنفیہ) کا عبداللہؓ سے، علیؓ بن محمدؓ کا عون سے (ابن علی بن محمدؓ بن الحنفیہ) عونؓ بن محمدؓ کا محمدؓ (ابن عون بن محمدؓ) سے ابراہیمؓ بن محمدؓ کا محمدؓ (ابن ابراہیمؓ بن محمدؓ) سے جاری ہوا۔

محمدؓ بن الحنفیہ کے سب سے بڑے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ بن محمدؓ تھے، کچھ لوگوں نے ان کو بھی صاحبِ اولاد گمان کیا ہے، حال آنکہ یہ صحیح نہیں۔

(حضرت) عمرؓ بن علی بن ابی طالب کا سلسلہ محمدؓ بن عمرؓ سے اور محمدؓ بن عمرؓ کا عمرؓ (ابن محمدؓ بن عمرؓ بن علیؓ بن ابی طالب) اور عبداللہؓ و عبیداللہؓ و جعفرؓ سے جاری ہوا۔

(حضرت) عباسؓ بن علیؓ بن ابی طالب علیہ السلام کا سلسلہ عبیداللہؓ ابن العباسؓ سے اور عبیداللہ سے جاری ہوا۔

ابو طالب بن عبدالمطلب کے فرزندوں میں صاحبِ اولاد تین ہی ہیں (۱) عقیلؓ (۲) جعفرؓ (۳) علیؓ، اس لئے کہ طالب جن کے نام پر وہ اپنی کنیت (ابو طالب) کرتے تھے لاولد تھے۔

ان سب بھائیوں میں دس دس برس کی چھوٹائی بڑائی تھی۔ بڑے بھائی طالب تھے، اُن کے بعد عقیلؓ، بعدہٗ جعفرؓ، پھر علیؓ۔

ابو طالب کی دو بیٹیاں تھیں، اُمِّ ہانی، اور جمانہ۔

اولاد جعفر و عقیل رضی اللہ عنہما

مسعودی کہتے ہیں:۔ امیرالمومنین علی (رضی اللہ عنہ) اور اُن کی اولاد و سلسلۂ نسل کا تو ہم تذکرہ کر چکے، اب ہم جعفر و عقیل (فرزندانِ ابو طالب، رضی اللہ عنہما) کا تذکرہ کرتے ہیں کہ اُن میں کن کن سے نسل چلی۔

جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کے (تین لڑکے تھے)

(۱) عبداللہ (رضی اللہ عنہ)

(۲) عون (رضی اللہ عنہ)

(۳) محمدؓ (رضی اللہ عنہ)

صفّین میں محمدؓ اور عبیداللہ بن عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہما) کے درمیان مقابلہ ہوا، اور ہر ایک نے اپنے حریف کو قتل کر ڈالا (یعنی ایک نے دوسرے پر باہم ایسے وار کئے کہ وہیں دونوں صاحب کام آئے) راویانِ انساب آلِ ابی طالب اسی کے قائل ہیں، لیکن قبیلہ ربیعہ اس کا منکر ہے، اُس کا بیان ہے کہ عبیداللہ بن عمرؓ کو بکر بن وائل نے قتل کیا تھا۔

ان میں سے صاحب اولاد جن سے نسل چلی، عبداللہ تھے (رضی اللہ عنہ) جعفر (رضی اللہ عنہ) انہیں کے نام پر اپنی کنیت (ابو عبداللہ) کرتے تھے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ جعفر (رضی اللہ عنہ) کی کنیت ابوالفضل تھی، مگر زیادہ مشہور پہلی ہی روایت ہے۔

عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کی نسل (۱) علی (۲) اسحاق (۳) معاویہ (۴) اسمٰعیل (رضی اللہ عنہم) سے چلی۔

عقیل بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کے تیرہ (۱۳) لڑکے تھے۔

(۱) یزید (رضی اللہ عنہ) عقیلؓ انھیں کے نام پر اپنی کنیت (ابو یزید) کرتے تھے۔
(۲) محمد (رضی اللہ عنہ)۔
(۳) سعید (رضی اللہ عنہ)۔
(۴) جعفرالاکبر (رضی اللہ عنہ)۔
(۵) ابو سعید الاحول (رضی اللہ عنہ)۔
(۶) مسلم (رضی اللہ عنہ)۔
(۷) عبداللہ الاکبر (رضی اللہ عنہ)۔
(۸) عبداللہ الاصغر (رضی اللہ عنہ)
(۹) جعفرالاصغر (رضی اللہ عنہ)
(۱۰) حمزہ (رضی اللہ عنہ)
(۱۱) عیسیٰ (رضی اللہ عنہ)
(۱۲) عثمان (رضی اللہ عنہ)
(۱۳) علی الاصغر (رضی اللہ عنہ)

ان میں صاحب اولاد جن سے نسل چلی، محمدؓ تھے، اور محمدؓ کی نسل عبداللہ بن محمدؓ سے چلی۔

اسنادِ انساب

(۱) آلِ ابو طالب کا نسب نامہ ہم نے کتاب "انساب آل ابی طالب" کی سند پر بیان کیا ہے، جس کی روایت ہم سے طاہرؓ بن یحییٰ بن الحسنؓ بن جعفرؓ ابن عبداللہؓ بن الحسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب نے اپنے والد

کی سند سے کی ہے، اس کے علاوہ ہمارے ماخذ و مستند دوسرے علمائے ماہرین انساب آلِ ابی طالب بھی ہیں۔

(۲) اولاد (حضرت) ابوبکر و (حضرت) عمر و (حضرت) عثمان (رضوان اللہ علیہم) کے بیان میں ہمارا ماخذ زُبیر بن بکّار کی کتاب "انساب قریش" ہے جس کی روایت ہم نے بسندِ (سند رجۂ ذیل) کی ہے :-

(الف) بروایتِ قاضیٔ مکہ ابوبکر عبداللہ بن محمد المعرّی۔

(ب) بروایتِ ابوالحسن احمد بن سعید الدمشقی الاموی۔

(ج) بروایتِ ابوالحسین الطوسی۔

(د) بروایتِ حرَمی، وغیرہم۔

مدینۃ السّلام (بغداد) میں ہم نے اُن سے روایت کی ہے، اور اُن کے علاوہ دوسرے علمائے ماہرین انساب قریش بھی ہمارے ماخذ و مستند ہیں۔

خلافت حسن بن علی (رضی اللہ عنہما)

(حضرت) حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) ابن ابی طالب کی کنیت ابو محمدؐ تھی، اُن کی والدہ (حضرت) فاطمہ (رضی اللہ عنہا) تھیں بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وہ اپنے والد کی وفات کے دو دن بعد، جب کہ ماہ رمضان ۴۰ھ کی سات شبیں باقی تھیں خلیفہ ہوئے، ماہِ ربیع الاول ۴۱ھ میں انھوں نے معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مصالحت کر لی۔

کچھ لوگوں کی رائے میں یہ واقعۂ (مصالحت) اسی سال (۴۱ھ) کے ماہ جمادی الآخرہ یا ماہ جمادی الاولیٰ کا ہے، لیکن زیادہ مشہور پہلی ہی روایت ہے اور اُن کی مدّتِ زمانہ کے مطابق یہی ہمارے نزدیک صحیح بھی ہے۔

اُن کی مدّتِ خلافت، تا بہ مصالحت، چھ مہینہ تین دن تھی۔

وہ پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو مخلوع قرار دے کر خلافت دوسرے کے سپرد کر دی۔ مدینہ میں، جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے، اُنہیں زہر دیا گیا[1] (اور اسی سے) ماہ ربیع الاول ۴۹ھ میں وفات پائی، چھیالیس (۴۶) برس کی عمر تھی، بقیعِ غرقد میں اپنی والدہ فاطمہ علیہا السّلام کے پاس دفن ہوئے۔

کتابۂ مزار بقیع میں اس مقام پر آج تک ایک سنگِ رخام (کا کتابہ) موجود ہے جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:-

"الحمد للّٰہ مبید الامم، محی الرمم، ھذا قبر فاطمۃ بنت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سیدۃ نساء العالمین، والحسن بن علی بن ابی طالب وعلی بن الحسین بن علیؓ، ومحمد بن علیؓ وجعفر ابن محمدؓ رضوان اللّٰہ علیہم اجمعین۔"

(یعنی مستحقِ حمد و ثنا خدا ہی ہے جو قوموں کو ہلاک اور خاک کے ڈھیر کو

[1] یہ روایت ضعیف ہے۔

زندہ کرتا ہے، یہ قبر (۱) فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جو سردارِ زنانِ عالمیں ہیں اور (۲) حسن ابن علی بن ابی طالب (۳) علی بن حسین بن علی (۴) محمد بن علی (۵) جعفر بن محمد کی، اللہ ان سب سے راضی رہے)۔

شکل وشباہت

(حضرت) حسن (رضی اللہ عنہ) اُن لوگوں میں تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ تھے، کتاب الاستذکار میں ہم اُن کی صفت بیان کر چکے ہیں (جس میں اس شباہت کا مذکور ہے)۔

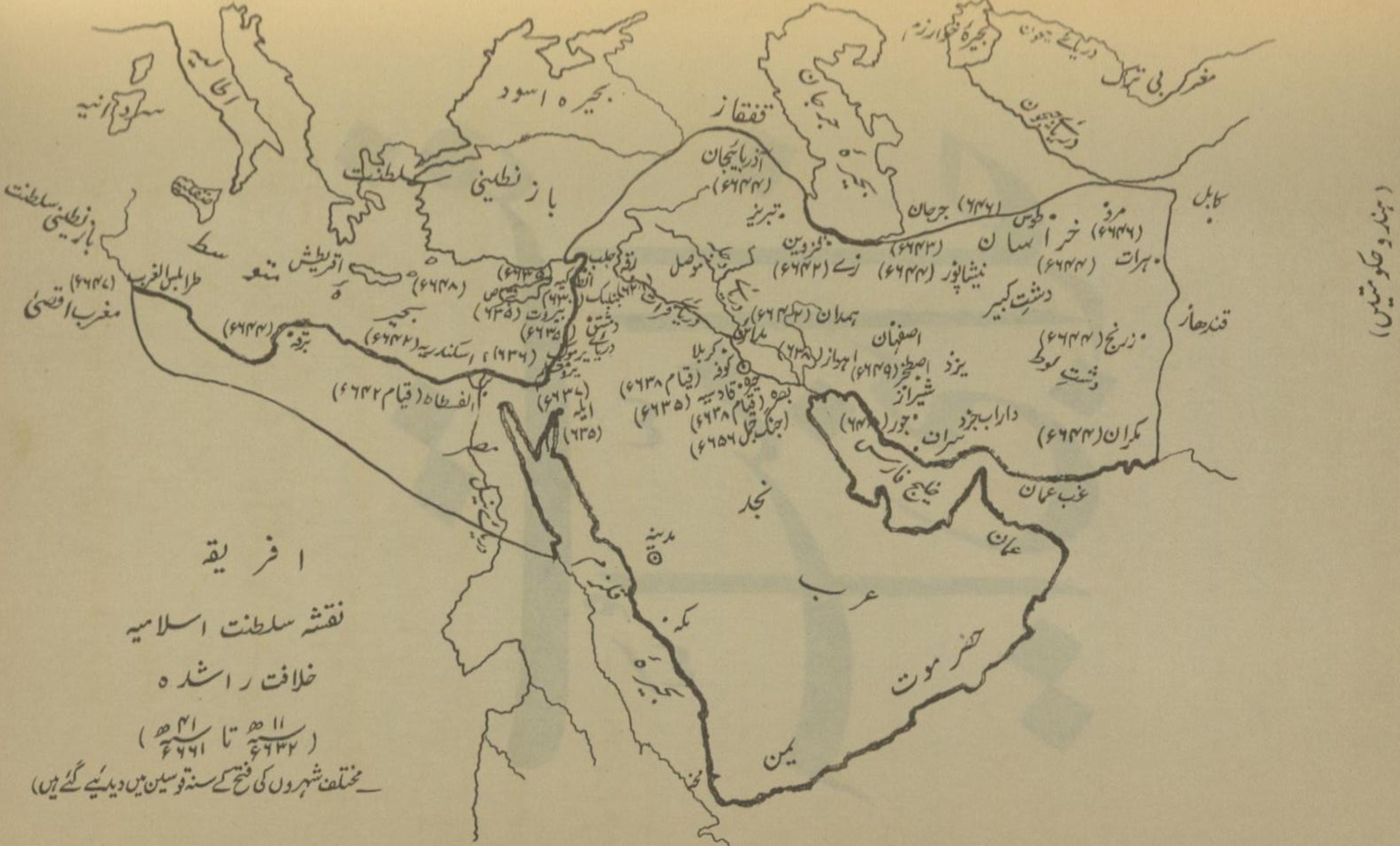
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شباہت اور بھی جن لوگوں میں پائی جاتی تھی اسی کتاب (الاستذکار لماجریٰ فی سالف الاعصار) میں اُن سب کا ذکر موجود ہے۔

لوازمِ خلافت

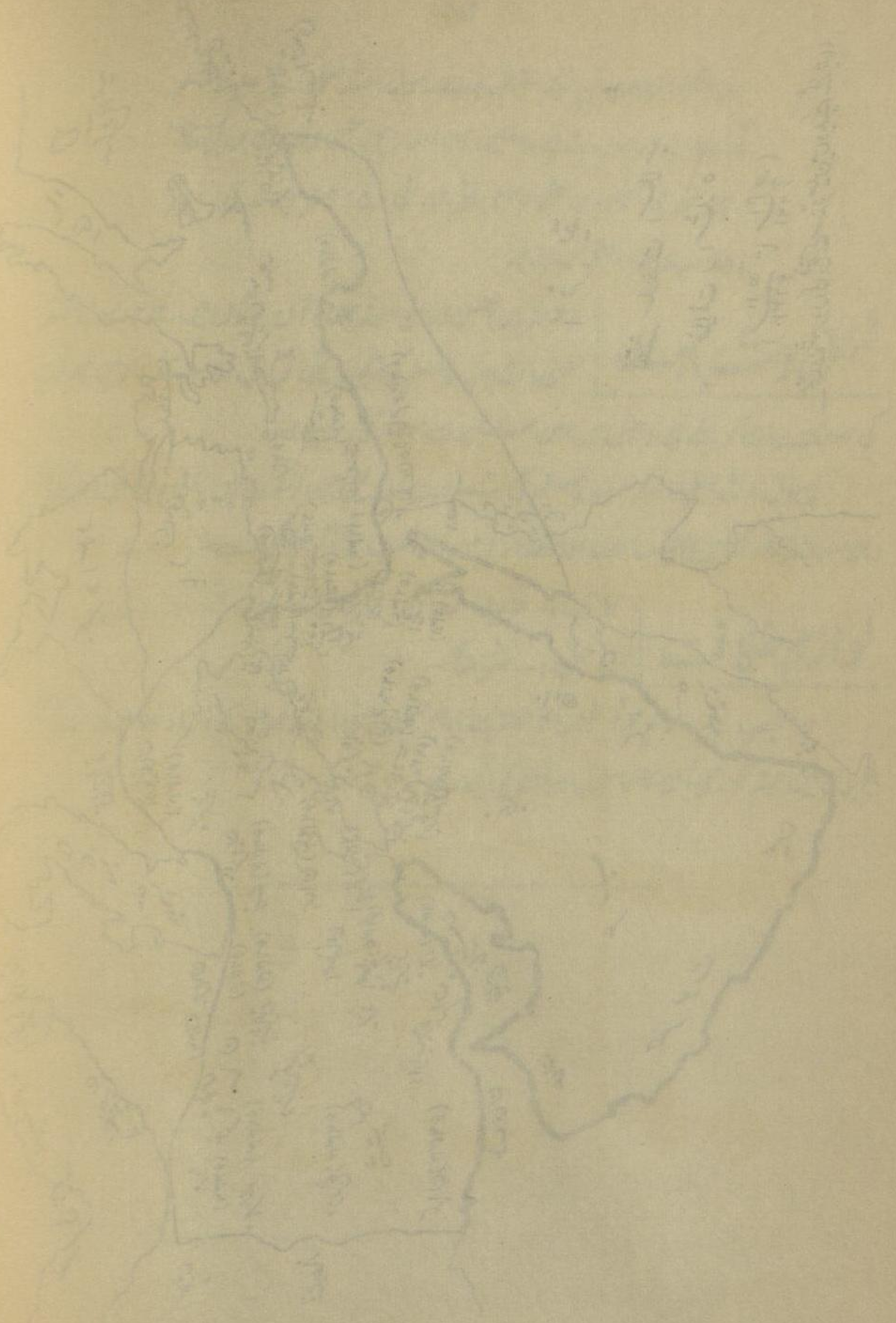
کاتب :- عُبَیدُ اللہ بن ابی رافع۔

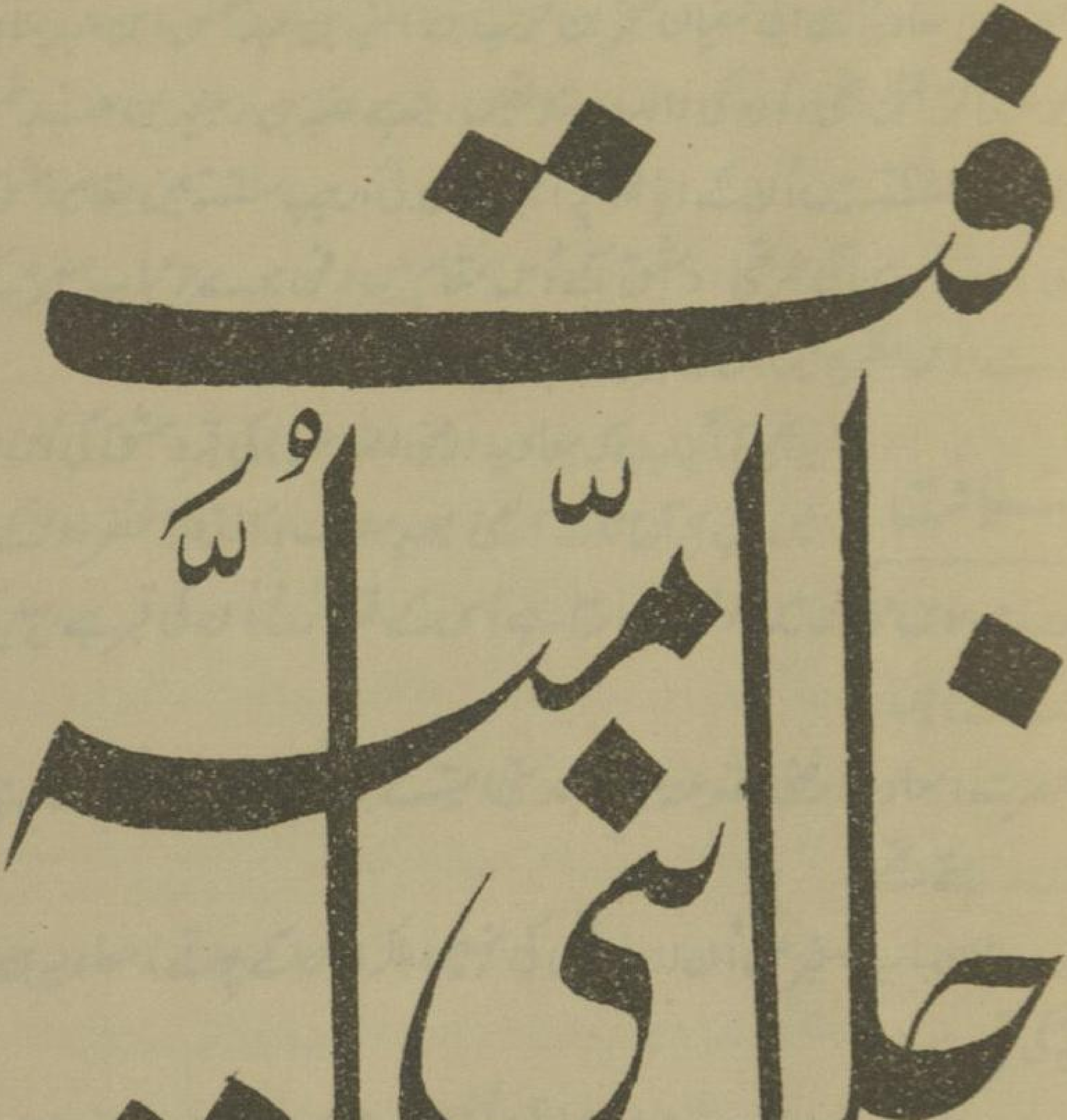
قاضی :- شُریح۔

حاجب :- سالم جو اُنھیں (حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ) کے آزاد غلام تھے، روایت مجہول میں قنبر کو بھی اُن کا حاجب بیان کیا گیا ہے۔



نقشہ سلطنت اسلامیہ
خلافت راشدہ
(۱۱ھ / ۶۳۲ء تا ۴۱ھ / ۶۶۱ء)
مختلف شہروں کی فتح کے سنہ توسین میں دیدیئے گئے ہیں)





حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما)

(حضرت) معاویہؓ بن ابی سفیانؓ صخر بن حرب بن امیّہ بن عبد شمس ابن عبد مناف کی کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی، اُن کی والدہ ہند تھیں، بنتِ عتبہ بن ربیعہ بن عبدِ شمس، ماہِ ربیع الاول سنہ ۴۱ھ میں اُن کے (ہاتھ پر) بیعت ہوئی، رجب سنہ ۶۰ھ میں بمقامِ دمشق وفات پائی، استی (۸۰) برس کی عمر تھی۔ دمشق کے اُس مقام میں دفن ہوئے جو "بابِ صغیر" کے نام سے مشہور ہے، اس مقبرہ میں اُن کی قبر کی عام شہرت ہے۔

قصرِ خلافت

یہ بھی کہا گیا ہے کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی قبر دمشق کی اُس عمارت میں ہے جو آج تک (یعنی بعہدِ مصنف) "الدّار الخضراء" کے نام سے مشہور ہے، اس عمارت میں جو مسجد جامع ہے اُس کے قبلہ رُخ اُن کی قبر ہے، یہیں کوتوالی ومجلس (کے محکمے) ہیں۔

(حضرت) معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے بعد بنی امیہ کے جتنے اولی الامر دمشق میں رہے سب اسی قصر میں رہتے تھے۔

گورستان بابِ صغیر میں اُن (معاویہؓ) کی نہیں بلکہ (اُن کے پوتے) معاویہ بن یزید بن معاویہؓ کی قبر ہے۔

شخصیت

معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا زمانہ اُنیس (۱۹) برس تین مہینہ چند روز رہا۔ دراز قد، فربہ، گورے رنگ کے تھے، سُرین بھاری، سر بہت بڑا، گھنی ڈاڑھی، مہندی اور وسمہ کا خضاب کرتے تھے۔

دُنیاوی معاملات میں بڑے مدبّر، داؤ پیچ والے، صائب الرّائے، عاقبت اندیش تھے، فرصت و موقع پاتے تو قطعاً توقف نہ کرتے اور معاملہ میں اندیشہ ہوتا تو ٹال جاتے، جب کسی بات میں اُن سے بحث کی جاتی تو پوری توجہ سے مقابلہ کرتے اور حریف کی بات کو منقطع کرتے رہتے (یعنی بہر حال اپنے مقابل کو مغلوب کر دیتے اور اُس کے لئے مجال کلام

باقی نہ چھوڑتے)۔

لوازم سلطنت

کاتب :۔ (۱) عُبَید بن اَوس الغسانی (۲) سَرجُون بن منصور الرّومی۔ (۳) عبد الملک بن مروان، بقول مجہول (۴) عبد الرحمٰن بن دراج۔ (۵) سلیمان ابن سعید جو انھیں کے آزاد غلام تھے۔

نقشِ خاتم :۔ لا قوۃ الّا باللہ (بجز خدا کے اور کسی میں طاقت نہیں)۔

قاضی :۔ فضالۃ بن علبید الانصاری۔

حاجب :۔ صفوان، جو اُن کے آزاد غلام تھے، اور بقول مجہول یزید کہ وہ بھی اُن کے آزاد غلام ہی تھے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہٗ

۴۳ھ میں عمروؓ بن العاص بن وائل السہمی نے فُسطاط (دار الملک) مصر میں عید الفطر کے روز انتقال کیا، وہاں معاویہ (رضی اللہ عنہٗ) کی جانب سے والی ملک مصر تھے، نواسی (۸۹) برس کی عمر تھی، اور بقول مجہول نوّے (۹۰) برس۔

ہم نے ان کی وفات کا محض اس لئے تذکرہ کیا ہے کہ بہتیرے بے علم نادان کہتے ہیں کہ عمرو بن العاص نے معاویہ (رضی اللہ عنہٗ) کے انتقال کے بعد وفات پائی (رضی اللہ عن جمیع المومنین)

وفات امہات المومنین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر ازواجِ (مطہرات) معاویہ (رضی اللہ عنہا) کے زمانہ میں واصل بحق ہوئیں جن میں خود اُن کی بہن اُمِّ حبیبہ (رضی اللہ عنہا) بھی تھیں :۔

(۱) اُمّ حبیبہ رملہ (رضی اللہ عنہا) بنت ابی سفیانؓ، وفات ۴۴ھ۔

(۲) حفصہ (رضی اللہ عنہا) بنتِ عمرؓ بن الخطّاب، ۴۵ھ۔

(۳) صفیہؓ (رضی اللہ عنہا) بنتِ حُیَیّ بن اخطب، ۵۰ھ۔

(۴) جُوَیریہ (رضی اللہ عنہا) بنت الحارث المُصطلقیہ، ۵۶ھ۔

(۵) عائشہ (رضی اللہ عنہا) بنتِ ابی بکرؓ، ۵۸ھ۔

(۶) اُمّ سَلَمہ (رضی اللہ عنہا) ۵۹ھ[لہ]

لہ اگر حضرت اُمّ سَلَمہ کا سال وفات ۵۹ھ صحیح مان لیا جائے تو اس روایت کے ساتھ اس بات کو کیسے تطبیق دی جائیگی کہ آپؓ واقعہ کربلا (محرم ۶۱ھ) کے وقت زندہ تھیں۔

یزید بن معاویہ

یزید بن معاویہ کی کنیت ابو خالد تھی، ماں مَیْسُوْن بنتِ بَحْدَل کلبیہ تھیں، بَحْدَل حارثہ کی اولاد میں تھے، حارثہ بن جناب بن ہُبَلْ بن عبداللہ ابن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رُفیدہ بن ثور بن کلب۔

رجب ۶۰ھ میں یزید کے (ہاتھ پر) بیعت ہوئی۔

(حضرت) حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما اور (حضرت) عبداللہ بن الزبیر (رضی اللہ عنہما) سے عامل مدینہ نے، جو یزید کی جانب سے مامور تھا، بیعت لینی چاہی تو دونوں صاحبوں نے انکار کیا اور نکل کے مکّہ چلے گئے[1]۔ عبداللہ بن الزُّبیر (رضی اللہ عنہما) تو وہیں رہ پڑے مگر (جناب) حسین (رضی اللہ عنہ)، کے پاس اہلِ عراق کے متواتر خطوط اور مسلسل قاصد، اخذ بیعت و اظہار اطاعت کی غرض سے آرہے تھے، لہذا حضرت نے عراق کا قصد فرمایا اور اُدھر روانہ ہوئے۔

حادثۂ کربلا

(حضرت) اپنی روانگی سے پیشتر ہی اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہما) کو کوفہ بھیج چکے تھے، جب خود (حضرت) کوفہ کے قریب پہونچے تو اہلِ عراق نے بے وفائی کی، بے یار و مددگار چھوڑ دیا کہ ناکام رہیں، جو عہد و پیمان لکھ بھیجے تھے اور جس میثاق و شرط پر (حضرت)، کی اطاعت کرنے کا، سب نے بالاتفاق اقرار کیا تھا مطلق وفا نہ کی۔

عراقیوں نے (حضرت) مسلم (رضی اللہ عنہ) سے ٹوٹ کر اُنھیں عُبَیْدُ اللہ بن زیاد کے سُپرد

---

[1] اس وقت عامل مدینہ ولید بن عقبہ بن ابی سفیان تھا۔ اُس نے جب حضرت حسینؓ کو بیعت کے لئے کہا تو وہ یہ وعدہ کرکے واپس چلے آئے کہ میں کل سب کے سامنے بیعت کروں گا۔ عبداللہ ابن زبیرؓ ولید کے سامنے گئے تو نہیں لیکن اُنہوں نے بھی یہ کہلا بھیجا "تم ذرا صبر کرو میں کل آؤں گا"۔ غرض دونوں نے بیعت کا وعدہ کیا اور اُس کو پورا کئے بغیر مکّہ معظمہ چلے گئے۔ مسعودی کا یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں کہ "عامل مدینہ نے بیعت لینا چاہی تو دونوں نے انکار کیا اور نکل کر چلے گئے"۔

کر دیا جس نے ان کو شہید کر ڈالا اور عمر بن سعد ابن ابی وقاص کی سرلشکری میں حضرت کے مقابلہ کو فوجیں روانہ کیں۔

شہادت امام مظلوم جمعہ کے روز کہ محرم ۶۱ھ کی دس شبیں گزر چکی تھیں (حضرت) شہید ہوئے۔

روایتِ مجہول میں آپ کا روزِ شہادت دو شنبہ ہے مگر زیادہ مشہور پہلی ہی روایت ہے اور اسی پر اکثر (مورخین) کا اتفاق ہے[1]۔

سرزمینِ عراق کے مقام کربلاء میں دفن ہوئے، ستّاون (۵۷) برس کی عمر تھی۔

شہدائے کربلاء آپ کے والد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی اولاد میں سے آپ کی معیت میں چھ (بھائی)، شہید ہوئے:-

(۱) عبّاس (رضی اللہ عنہ)

(۲) جعفر (رضی اللہ عنہ)

(۳) عثمان (رضی اللہ عنہ)

(۴) محمد الاصغر (رضی اللہ عنہ)

(۵) عبداللہ (رضی اللہ عنہ)

(۶) ابوبکر (رضی اللہ عنہ)

خود اُن کی اولاد میں تین (صاحب) شہید ہوئے:-

(۷) علی الاکبر

(۸) عبداللہ، جو بالکل بچہ تھے[2]۔

---

[1] کربلا کے واقعہ کی تاریخ متفقہ طور پر ۱۰ر اکتوبر ۶۸۰ء مانی گئی ہے۔ اس تاریخ کو نہ جمعہ تھا اور نہ دوشنبہ بلکہ چہار شنبہ (بدھ) کا دن تھا۔

[2] غالباً علی اصغر سے مراد یہ عبداللہ ہی ہیں۔ درحقیقت علی نام کے دو ہی صاحبزادے حضرت حسین رضؓ کے تھے ایک علی بن الحسین (زین العابدین) جو بڑے تھے اور دوسرے وہ علی جو کربلا میں شہید ہوئے اور علی اکبر کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ عمر میں چھوٹے تھے۔ لہٰذا صحیح یہ ہے کہ زین العابدین کو علی اکبر اور علی اکبر کو علی اصغر کہا جائے۔

(۹) ابوبکر، فرزندان حسین بن علی، رضی اللہ عنہم۔

من جملۂ اولادِ حسن بن علی (رضی اللہ عنہما)۔

(۱۰) عبداللہ (رضی اللہ عنہٗ)

(۱۱) قاسم (رضی اللہ عنہٗ)

اولادِ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب (رضی اللہ عنہما)

(۱۲) محمّد (رضی اللہ عنہٗ)

(۱۳) اولادِ عقیل بن ابی طالب (رضی اللہ عنہٗ)

(۱۴) مُسلم (رضی اللہ عنہٗ)

(۱۵) جعفر (رضی اللہ عنہٗ)

(۱۶) عبدالرحمٰن (رضی اللہ عنہٗ)

(۱۷) عبداللہ (رضی اللہ عنہٗ) یہ (چاروں صاحب) عقیل (رضی اللہ عنہٗ) کے فرزند تھے۔

(۱۸) محمّد بن ابی سعید بن عقیل (رضی اللہ عنہم)

حضرت عبداللہ بن الزّبیر (رضی اللہ عنہما)

ابن الزّبیر (رضی اللہ عنہٗ) نے یزید کی بیعت نہیں کی، وہ اُس کو "سِکّیر" (مست) اور "خمّیر" (مخمور) کہتے تھے، مکّہ سے یزید کے عامل کو نکال دیا اور اہلِ مدینہ کے نام خط لکھا جس میں یزید کی منقصت و فسق و فجور کا بیان تھا اور اُن کو دعوت دی تھی کہ یزید کے ساتھ لڑنے میں میری مدد کریں اور اُس کے عامل کو اپنے ہاں سے نکال دیں[۱]۔

یزید کی جانب سے مدینہ میں جو عامل مقرّر تھا اہلِ مدینہ نے اُس کو، مروان بن الحکم کو، اولادِ مروان کو، اور اُن کے علاوہ بنی اُمیّہ کے اور لوگوں کو مدینہ سے نکال کر سب کا ملکِ شام کی جانب اخراج کر دیا[۲]۔

---

[۱] یزید جا معاویہ کو پہلے پہل عبداللہ بن زبیر نے اس وقت فاسق و فاجر اور سکّیر، خمّیر کہا۔ ورنہ اِس سے پہلے یہ باتیں اُس کے بارے میں کسی نے نہیں کہیں۔

[۲] یہاں یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آل مروان اور تمام امویوں کو جن میں حضرت عثمان کے صاحبزادے سعید بن عثمان بھی تھے مدینہ سے کیوں نکالا۔ اگر قصوروار تھا تو یزید اُس کے ساتھ جیسا سلوک چاہتے کرتے (باقی حاشیہ صفحہ ۱۶۲ پر)

یزیدی لشکرکشی

یزید نے اہلِ مدینہ سے لڑنے کے لئے مسلم بن عقبہؓ مری[1] کو روانہ کیا جس کے ساتھ چار ہزار لشکر تھا اور (۱) زُفر بن حارث کلابی (۲) جیش بن دُلجہ قینی (۳) حصین بن نُمیر کندیؓ[2] (۴) عبداللہ بن مسعدہ فزاری، وغیرہ سرداران فوج بھی ہمراہ تھے۔

فتنۂ حرّہ :۔

مدینۂ شریف پر لشکر کشی

سرداران فوج کی مشایعت اور وصیت کے لئے یزید خود نکلا، مسلم بن عقبہ کو جو وصیتیں کیں اُن میں (خاص بات) یہ تھی کہ :۔

(۱) اگر کوئی حادثہ تجھے پیش آئے تو حصین بن نُمیر سرلشکر ہو۔

(۲) مدینہ کے قریب پہونچنے پر وہاں داخل ہونے سے اگر کسی نے تجھے روکا یا لڑائی کا سامان کیا تو پھر تلوار ہی سے کام لینا، تلوار ہی سے کام لینا اور اُن کو چھوڑ نہ دینا۔

(۳) مدینہ کو تین دن تک تاخت و تاراج کرنا۔

(۴) جن کے خفیف زخم ہو اُنہیں اچھّی طرح گھائل کرنا اور جو مُنہ موڑ کے بھاگے ہوں اُن کو قتل کر ڈالنا۔

(۵) لیکن اگر اہلِ مدینہ تجھ سے متعرّض نہ ہوے تو مکّہ جا کے ابن زبیرؓ سے لڑنا، مجھے اُمید ہے کہ خدا اُن پر تجھے فتح عنایت فرمائے گا۔

یزید ایک اونچی جگہ چڑھ گیا، (سرداران فوج کے) جھنڈے اُس کے سامنے سے گذر رہے تھے، اور گھوڑے اُس کو گھیرے ہوئے تھے، اس حالت میں کہتا ہے :۔

ابلغ ابا بکر اذا الامرا نبری

(ابوبکر کو یہ خبر دو (مگر اُس وقت کہ) یہ معاملہ واضح ہوجائے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۱) اُس کے قصور کی پاداشں میں دوسروں کو سزا دینا چہ معنی دارد۔ اگر بنی اُمیہ اس لئے نکالے گئے کہ اُنہوں نے اِن فسخ بیعت کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا تھا تو اس جرم کے مرتکب صرف وہی نہیں تھے بلکہ پورے بنو ہاشم اور آلِ عباس بھی تھے۔ اُن کو کیوں چھوڑا گیا۔

[1] و [2] مُسلم بن عقبہ مری اور حصین بن نمیر کندی دونوں صحابی رسول تھے۔ مؤخر الذکر کو کاتب رسول ہونے کا بھی شرف حاصل تھا۔

وانحطت الرایات من وادی القریٰ

(اور جھنڈے وادی القریٰ سے نیچے اُتر جائیں۔ یعنی مکۂ مبارکہ کے قریب فوج پہنچ جائے)

أجَمْعَ سَکْرَانَ من القوم تریٰ

(کیا تو ایسے لوگوں کی جمعیت دیکھ رہا ہے جو مست و مخمور ہیں؟)

ام جمع یقظانَ نفیٰ عنہ الکریٰ

(یا ایسے لوگوں کی جمعیت ہے جو اس قدر بیدار و ہوشیار ہیں کہ خوابِ غفلت اُن سے بالکل ہی مسلوب ہے)

ابن الزبیر (رضی اللہ عنہ) کی کنیت ابوبکر و ابو خُبیب تھی (اور وہ یزید و اصحاب یزید کو مخموروں کی جماعت کہا کرتے تھے۔

مسلم مدینہ کو روانہ ہوا، وہاں کے لوگوں نے وہی خندق پھر کھودی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے دن کھدوائی تھی اور مدینہ کو برابر برابر کی دیواروں سے محفوظ کرلیا۔

شاعر اہل مدینہ یزید کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے :۔

انّ بالخندق المکلّل بالمجد

(اس خندق میں جس کے سر پر بزرگی و شرافت کا تاج ہے)

لضربا یبدی عن النشوات

(ایسی مار ہے جو تمام نشہ کو بھلا دے گی)

لست منا ولیس خالک منا

(نہ تو ہم میں سے ہے نہ تیرا ماموں ہم میں سے ہے)

یا مضیع الصلاۃ للشہوات

(اے شہوتِ نفس کے لئے فریضۂ نماز کو ضائع کرنے والے)

فاذا ما قتلتنا فتنصّرْ

(جب تو ہمیں قتل کر چکے تو عیسائی ہوجا)

واشرب الخمرَ واترکِ الجُمعات

(شراب پی اور ادائے فریضۂ جمعہ ترک کردے)

مقام حَرّہ میں مقابلہ ہوا، یہ واقعہ ۶۳ھ کا ہے جب کہ ماہِ ذی الحجہ میں تین شبیں باقی رہی تھیں۔

اہل مدینہ کی مدافعت

قریش اور اُن کے حلیفوں اور متعلقوں کے سرگروہ عبداللہ ابن مطیع العدوی (حضرت) عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) کے ابن عم تھے، انصار اور باقی لوگوں کے سرگروہ عبداللہؓ بن حنظلہؓ غسیل الملائکہ بن ابی عامر الانصاری ثم الاوسی تھے۔

فریقین (یعنی اہلِ مدینہ و اہلِ شام) نے باہم سخت جنگ کی، حتیٰ کہ عبداللہ بن حنظلہؓ شہید ہو گئے، اُن کے ساتھ مہاجرین و انصار اور اُن کے متعلقوں اور حلیفوں میں سے بھی متعدد افراد شہید ہوئے۔

قریش و انصار کے شہید مردوں کی تعداد سات سو (۷۰۰) تھی اور باقی لوگ جن میں مرد بھی تھے، عورتیں بھی تھیں، اور لڑکے بھی تقریباً دس ہزار (۱۰۰۰۰) شہید ہوئے۔

یہ روایت محمد بن عمر الواقدی، صاحب مغازی و سیَر کی ہے، لیکن اقوالِ مجہولہ میں اس سے کم و بیش تعداد بیان کی گئی ہے۔

احرارِ اسلام بحیثیتِ غلام

مسلم نے مدینہ میں داخل ہو کر شہر کو لوٹ لیا اور تین دن تک لوٹ مار جاری رکھی، اہلِ مدینہ میں جو بقیۃ السیف رہ گئے تھے اُن سب سے اس اقرار کے ساتھ بیعت لی کہ وہ یزید کے "قِن" ہیں۔

"قِن" موروثی غلام کو کہتے ہیں جس کے ماں باپ (دونوں) غلام بنائے گئے ہوں اور "عبد" وہ غلام ہے کہ خود اسی کو غلام بنایا گیا ہو اور اُس کے ماں باپ مملوک نہ ہوں۔

اس غلامی کے اقرار سے فقط دو صاحب محفوظ رہے۔

(۱) علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہم)، کہ اہل مدینہ کی تحریک میں شریک و دخیل ہی نہیں ہوئے تھے۔

(۲) علی بن عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم) جن کی حفاظت خود فوج (شام) کے قبیلۂ کندہ والوں نے کی جو اُن کے ننھیالی رشتہ دار تھے۔

(حضرت) حسین بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہم) کی شہادت کے بعد اسلام کا یہ سب سے بڑا دردناک حادثۂ مصیبت تھا۔

یزید کی ہلاکت

علاقۂ دمشق کے مقام حُوّارین میں جو مقاماتِ قارا اور قُطیفہ کے متصل شہر حمص کی سڑک پر براہِ خشکی، واقع ہے، یزید ہلاک ہو گیا، یہ واقعہ

سنہ ۶۴ھ کا ہے جب کہ صفر کی سترہ (۱۷) شبیں گزر چکی تھیں، یزید اس وقت تینتیس (۳۳) برس کا تھا، زمانۂ حکومت تین سال سات مہینہ بائیس دن۔

گہرے رنگ کا گندم گوں، بڑا سر، چہرہ پر چیچک کے داغ نمایاں تھے، لذّتِ عیش میں مبادرت اُس کا شیوہ تھا علانیہ معصیت کرتا، اپنی غلطی ہی کو اچھا کہتا، اور اگر اُس کی دُنیا ٹھیک ہوتی تو دینی معاملات کو سرسری و آسان سمجھتا۔

اعوان استبداد

کاتب :- (۱) عُبَیْد بن اوس الغسّانی (۲) زمل بن عمرو العذری (۳) سرجون بن منصور۔

نقش خاتم :- ربنا اللہ (اللہ ہی ہمارا پروردگار ہے)۔

قاضی :- ابو ادریس الخولانی۔

حاجب :- خالد جو اُس کا آزاد غلام تھا، اور بقول بعض :- صفوان۔

معاویہ بن یزید بن معاویہ

معاویہ بن یزید بن معاویہ کی کنیت ابو عبد الرحمن تھی، ابو لیلی صرف توبیخ کے طور پر کنیت مشہور ہوئی کیونکہ حکومت سے وہ عاجز رہا تھا، مردوں میں جو عاجز نکلتا تھا اہلِ عرب اُس کے ساتھ یہی برتاؤ کرتے تھے، شاعر اسی کے متعلق کہتا ہے :۔

انی ارى فتنةً تغلى مراجلها

(میں ایک ایسا فتنہ دیکھتا ہوں جس کی دیگیں جوش کھا رہی ہیں)

والملك بعد ابی لیلی لمن غلبا

(ابو لیلی یعنی مغلوب و عاجز آدمی کے بعد مُلک اسی کے لئے ہے جو غالب آئے)

بقولِ ضعیف :۔ شعر تو قدیم ہے، البتہ شاعر نے اُس کے زمانہ میں تمثیلاً پڑھا تھا۔

اُس کی ماں اُمّ خالد تھی، بنتِ ابی ہاشم بن عتبہ بن ربیعہ۔

معاویہ بن یزید کے ہاتھ پر اُسی دن بیعت ہوئی جس دن اُس کا باپ مرا ہے، ربیع الاوّل ۶۴ھ میں بمقامِ دمشق اُس نے انتقال کیا اور وہیں دفن ہوا، صرف چالیس دن اُس کا زمانہ رہا، اور بقول بعض، کم و بیش۔

میانہ قد و قامت کے لوگوں میں تھا، دُبلا جسم، زردی مائل۔

شعارِ حکومت

کاتب :۔ (۱) زمل بن عمرو العذری (۲) سلیمان بن سعید الخشنی (۳) سرجون نصرانی۔

نقشِ خاتم :۔ باللہ ثقة معاویہ (معاویہ کا بھروسہ اللہ پر ہے)۔

قاضی :۔ ابو ادریس خولانی۔

حاجب :۔ صفوان، جو اُس کا آزاد غلام تھا۔

مروان بن حکم

مروان بن الحکم بن ابی العاص بن اُمیّہ بن عبد شمس بن عبد مناف کی کنیت ابو عبد الملک اور ابو الحکم تھی، والدہ :- آمنہ بنت حلقمہ بن صفوان ابن اُمیّہ۔

رجب ۶۴ھ میں بڑے قضیوں اور خرخشوں کے بعد بیعت ہوئی کیونکہ شیعۂ بنی اُمیّہ اور اُن کے ہواخواہوں کے مابین اختلاف تھا کہ مروان کو خلیفہ بنائیں یا خالد بن یزید بن معاویہ کو؟

بات یہ ہے کہ معاویہ بن یزید بن معاویہ کے بعد معاملہ درہم و برہم ہو گیا۔

(۱) ضحاک بن قیس الفہری نے کہ اُن دنوں دمشق کے حکمراں تھے، عبد اللہؓ بن زبیرؓ سے بیعت کی (یعنی اُن کو خلیفہ مان لیا)۔

(۲) مصر میں نعمان بن بشیر انصاری نے۔

(۳) قنسرین میں زفر بن الحارث کلابی نے۔

(۴) فلسطین میں ناتل بن قیس الجذامی نے۔

حجاز و مصر، و شام، و جزیرۂ، و عراق، و خراسان، اور بقیہ تمام بلادِ اسلام کے منبروں پر عبد اللہؓ بن زبیرؓ کے لئے دعائیں کی گئیں، البتہ علاقۂ اُرْدَن کا شہر طبریہ اس سے مستثنیٰ تھا، کیونکہ وہاں حسان بن مالک ابن بحدلِ کلبی موجود تھا جو بنی حارثہ بن جناب کے خاندان میں تھا۔

حسان نے ابن زبیرؓ کے لئے دعا کرنے اور اُن کے (حلقۂ) اطاعت میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔

انتخاب خلافت

حسان نے خالد بن یزید کو خلیفہ بنانا چاہا جو اُن لوگوں کا بھانجا ہوتا تھا۔ بنی اُمیّہ و شیعۂ بنی اُمیّہ اور جو سرداران شام اُن کے ہوا خواہ تھے سب نے مجتمع ہو کے خالد بن یزید کو خلیفہ بنانے کے لئے مشورہ کیا، دوسرے لوگوں نے انکار کیا کہ بجز مروان کے اور کسی کو خلیفہ نہ بنائیں گے کیونکہ خالد ایک لڑکا تھا جو ابن زبیرؓ کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اور مروان پیر مرد آزمودہ کار اور اپنے زمانہ میں بنی اُمیّہ کے بقیہ (سرداروں) میں سے تھا۔

مجلسِ شوریٰ یہ مجلسِ شوریٰ شہر جابیہ میں منعقد ہوئی جو دمشق اور طبریہ کے درمیان واقع ہے سب نے مل کے مروان کے حق میں فیصلہ کیا، لہذا بیعت خلافت مروان ہی کے لئے ہوئی۔

خالد بن یزید بن معاویہ کو مروان کا ولی عہد منتخب کیا گیا، اور خالد کے بعد عمرو بن سعید الاشدق کے لئے قرار داد ہوئی۔

شیعۂ ابن الزبیرؓ کی چڑھائی شہر دمشق سے نکل کے ضحاک نے ہوا خواہانِ ابن الزبیرؓ کے ساتھ کوچ کیا اور مُلکِ شام میں جو لوگ ابن الزبیرؓ کے مطیع تھے اُن سے امداد طلب کی، سب نے فوج و مال و زر و اسلحہ سے مدد دی۔

ضحاک تیس ہزار جمعیّت کے ساتھ نکلے جن میں بیشتر قبیلۂ قیس ابن عیلان کے اور اُن کے علاوہ قبیلۂ مُضر کے لوگ بھی تھے، اور زیادہ تر سوار تھے۔

شیعۂ بنی اُمیّہ کی مدافعت مروان نے (مقابلہ کے لئے) تیرہ ہزار کے ساتھ کوچ کیا جو سب کے سب یمنی (قحطانی) تھے، بیشتر قبیلۂ کلب کے اور اُن کے علاوہ دوسرے قبائل یمن کے لوگ بھی تھے، مگر زیادہ تر پیدل تھے۔

مروان کی طیّاری :-

لمّا رأیتُ النّاس مالوا اجنبا

(میں نے جب دیکھا کہ لوگ ایک جانب مائل ہوگئے، ایک ہی طرف کے ہو رہے)

والملک لا یوخذ الا غصبا

(اور ملک و قوم وسلطنت کی یہ کیفیت ہے کہ بے غصب کئے اُسے حاصل نہیں کر سکتے)

اعددتُ غسّانَ لھم وکلبا

(تو میں نے اُن لوگوں کے مقابلہ کے لئے قبیلۂ بنی غسان و قبیلۂ بنی کلب کو مستعد کیا)

والسّکسکیین رجالا غُلُبا

(سکسکیوں کو آمادہ کیا جو غالب آنے والے اور مغلوب نہ ہونے والے لوگ ہیں)

وطیّئا یأبون الا ضربا

(قبیلۂ بنی طے کو فراہم کیا جو بجز لڑنے مارنے کے اور کچھ جانتے ہی نہیں)

والقینَ تمشی فی الحدید نکبًا

(غلاموں کو طیار کیا جو لوہے کے ہتھیاروں میں اور بکی بنے ہوئے ٹیڑھے ترچھے چل رہے ہیں)

ومن تنوخ مُشمَخِرًا صَعْبًا

(قبیلۂ تنوخ والوں کو ساتھ لیا جو بڑے سخت مغرور لوگ ہیں)

بالاعوجیّاتِ یثبن وثبًا

(اور ایسے اصیل عربی گھوڑوں پر سوار ہیں جو کود کود کے حملہ کرتے ہیں)

وان دنت قیسٌ فقل لا قرُبا

(اب اگر قبیلۂ بنی قیس جو فریق مقابل کے لوگ ہیں نزدیک آئیں تو کہہ دو کہ دور ہو)

ہزیمتِ شیعۂ ابن الزبیرؓ مرج راہط میں فریقین کا مقابلہ ہوا اور سخت جنگ ہوئی جس میں ضحاک قبیلۂ بنی قیس کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ مقتول، اور باقی سب منہزم ہو گئے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس مرغ زار (راہط) میں فریقین بیس دن تک پڑے رہے اور ہر روز جنگ ہوئی، کبھی ایک کو غلبہ ہوتا کبھی دوسرے کو، مروان نے اپنے حریفوں کو فریب دے کر آشتی و مسالمت و صلح کی دعوت دی، جب وہ لوگ مطمئن ہو گئے تو ناگاہ حملہ کر دیا، وہ مصالحت کے دھوکے میں بغیر کسی ساز و سامان کے (اطمینان سے بیٹھے) تھے یہی انکی ہزیمت کا سبب ہوا۔

استقرارِ ملک بنی اُمیّہ اسی واقعہ نے بنی اُمیّہ کو حکومت واپس دلائی، ورنہ مٹ چکی تھی اور بجائے بنی اُمیّہ کے بنی اسد بن عبدالعزیٰ میں جا چکی تھی، کچھ لوگوں کی یہ رائے اسی بنا پر ہے کہ مروان پہلا شخص ہے جس نے تلوار کے زور سے خلافت حاصل کی۔

واقعاتِ عرب میں، اس واقعہ کا نہایت شہرہ اور بہت کچھ تذکرہ ہے، قبائل نزار کے مقابلہ میں قبائل یمن اس پر نازاں ہیں اور اُن کے اکثر و بیشتر شعرا نے اس پر فخر کیا ہے، عمرو بن مخلاۃ الحمار الکلبی نے کہا ہے:-

شفی النفسَ قتلیٰ لم توسّدْ خدودُها

(اُن مقتولوں نے طبیعت کو تسلی و تشفی دی جن کے رخساروں کو بھی کفن کا سہارا نصیب نہ ہوا)

تُلمّ بها طُلسُ الذئاب وسودها

(مٹیلے رنگ کے کالے کالے بھیڑیے اُن کی جانب متوجہ ہیں اور اُن کی لاشوں کے قریب ہوتے جاتے ہیں)

بایدی کماۃ فی الحروب مساعد

(وہ ایسے بہادروں کے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں جو لڑائیوں کے دھنی اور آتشِ حرب کے شعلہ افروز ہیں)

علی ضامرات ماتجف لبودھا

(ایسے نحیف و لاغر گھوڑوں پر سوار ہو کے یہ آگ بھڑکاتے ہیں جن کے بال بھی دشمنوں کے لہو سے خشک نہیں ہوتے)

اجنا حیی الحیین قیس براھط

(ہم نے مرج راہط میں قیسیوں کے دونوں گروہوں کی جماعتِ محروسہ کو حلال کر ڈالا اور تلوار کے سپرد کر دیا)

و ولت شذاذا استبیح شریدھا

(ان میں سے بہت تھوڑے بھاگ سکے اور جو بھاگے اُن سب کی جان و مال کو حلال قرار دیا گیا)

پھر کہا ہے :-

رددنا لمروان الخلافۃ بعدما

(ہم نے مروان کو خلافت واپس دلا دی، بعد اس کے کہ)

جری للزبیریین کل برید

(ہر ایک ڈاک جو کی زبیریوں ہی سے بھر چکی تھی اور انہیں کی حکومت ہو گئی تھی)

فالا یکن منا الخلیفۃ نفسہ

(اس حالت میں اگر خود ہم میں سے کوئی خلیفہ نہ ہو، تو نہ سہی)

فما نالھا الا ونحن شھود

(خلیفہ نے خلافت جو پائی ہے وہ ہمارے ہی حضور سے یعنی ہماری بدولت پائی ہے اور ہم اس میں شریک رہے ہیں)

فرارِ زُفَر

زُفَر بن حارث الکلابی نے (من جملۂ شیعۂ ابن الزبیرؓ) اس معرکہ سے جب فرار اختیار کیا اور بدنامی ہونے لگی، تو اُس دن اپنے بھاگ جانے کی معذرت میں کہا ہے۔

لعمری لقد ابقت وقیعۃ راھط

(مجھے اپنی جان کی قسم ہے کہ مرج راہط کے واقعہ نے)

لمروان صدعا بیّنا متنائیا

(مروان کے لئے ایک کھلا ہوا انتہائی فاصلہ کا صدمہ و دردِ سر باقی چھوڑا ہے)

أتذھب کلب لم تنلھا رماحنا

(کیا قبیلۂ کلب والے یوں ہی جاتے رہیں گے کہ ہمارے تیروں نے اُن کی خبر تک نہ لی ہو)

وتترك قتلى راهطٍ هي ماهيا

(اور مقتولینِ مرجِ راہط جس حالت میں ہیں اُسی حالت میں چھوڑ دیے جائیں گے؟)

فقد ينبتُ المرعىٰ على دمن الثرىٰ

(کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مزبلۂ بول و براز پر بھی چراگاہ کے سبزے اُگتے ہیں)

و تبقى حزازات النفوس كما هيا

(اور طبیعتوں کی حسرت و درد و غیظ و غضب جی کا جی ہی میں رہ جاتا ہے)

أريني سلاحي لا ابا لك انني

(اے پدر مُردہ عورت مجھے میرے ہتھیار دکھا، کیونکہ)

ارى الحرب لا تزداد الا تماديا

(میں دیکھ رہا ہوں کہ جنگ بڑھتی ہی جاتی ہے)

فلم تُرَ مني نبوةٌ قبل هذه

(اس سے پہلے مجھ سے کوئی لغزش نہیں دیکھی گئی)

فراري و تركي صاحبيَّ ورائيا

(میرا بھاگنا اور اپنے دونوں رفیقوں کو پیچھے چھوڑ جانا، یہ میری پہلی لغزش ہے)

ونجاك شدات الاغر كانما

(اے مروان تجھے اُس روشن جبین کے حملوں نے نجات دلائی جس کی یہ حالت ہے کہ گویا)

يرى الاكم من اجبال سلمى صحاريا

(کوہستانِ سلمیٰ واقع یمن کے ٹیلے اُسے دشت و صحرا نظر آتے ہیں، یعنی وہ پہاڑ تک کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا)

فلما آمنت القوم وامتدت الضحیٰ

(جب لوگوں کے لئے میں نے امن و امان کا سامان کر دیا اور دن خوب چڑھ گیا)

بسنجار اذريت الدموع الذواريا

(تو مقام سنجار میں میں نے مسلسل آنسو بہائے)

فرار پر نکتہ چینی

جواس بن القعطل الكلبی نے اس کا جواب دیا ہے اور زُفر کی رد میں کہا ہے:-

لعمری لقد ابقت وقيعة راهطٍ

(میری جان کی قسم میدانِ راہط کے واقعہ نے)

علی زُفَرٍ داءً من الداء باقیا

(زفر کے سر پر ایک ایسی علت لگا دی جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے)

مقیمًا ثوی بین الضلوع محلہٗ

(یہ وہ علت ہے جو اُس کے اندر قائم ہو چکی ہے، اُس کی پسلیوں کے درمیان یہ علت چھپی ہوئی ہے)

وبین الحشا اعیا الطبیبَ المداویا

(اُس کی آنتوں کے بیچ میں ایسی جگہ کر لی ہے کہ دور کرنے والے طبیب کو بھی اُس نے تھکا دیا ہے اور وہ بھی اُس کے علاج سے تھک گیا ہے)

دعا بسلاح ثمّ احجم اذ رأی

(زُفر نے پہلے تو لڑنے کے لئے ہتھیار منگائے پھر جب یہ دیکھا تو رُک گیا)

سُیوفَ جناب والطوال المذاکیا

(کہ شہسواروں کی تلواریں چمک رہی ہیں اور گھوڑے تگاپو میں ہیں)

علیها کاُسْد الغاب فتیان نَجْدَۃٍ

(اُس نے دیکھا کہ ان گھوڑوں پر ایسے جنگ آزما بہادر سوار ہیں جنھوں نے جب)

اذا ما انتضوا عند النزال العوالیا

(لڑائی میں تلواریں علم کیں تو شیرانِ بیشہ نظر آنے لگے)

یوم راہط کا اثر

اسی باب میں فرزوق نے کہا ہے:-

وقد جلّ الاسلام فی المرج دالقنا

(اسلام وایمان نے اور تیر و پیکان نے مرجِ راہط میں)

لمروان ایامًا عظاما لملاحم

(ایسی ایسی لڑائیاں مروان کے حق میں فیصل کیں جن کے فتنہ اور ہنگامہ بہت ہی بڑے تھے)

رأیت بنی مروان جلّت سیوفهم

(میں نے بنی مروان کو خود دیکھا کہ ان کی تلواروں نے)

عشیً کان فی الابصار تحت العمائم

(بصارت میں جو خیرگی عماموں کے نیچے تھی اُس کا صفایا کر دیا)

ولو رام قیسٌ غیرھم یوم راھطٍ

(قبیلۂ قیس والے اگر جنگِ راہط میں بنی مروان کے علاوہ کسی اور کے پیچھے پڑے ہوتے)

للاقی المنایا بالسیوف الصوارم

(تو شمشیرِ بُرّان سے اُس کو موت ہی سے ملنا پڑتا یعنی اُس کی جان قیسیوں کی تلوار سے کبھی نہ بچتی)

و لکن قیساً رُغمت یوم راھطٍ

(لیکن جنگِ راہط میں قیسیوں کو ناک رگڑنا پڑی)

بطود ابی العاص الشدید الدعائم

(بہادر و شجاع ابو العاص کی خاک راہ پر جبیں سائی کئے بغیر کوئی چارہ نظر نہ آیا)

کُثیِّر بن عبد الرحمٰن خزاعی نے عبد الملک کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے:۔

ابوکَ حمی امیّۃ حین زالت

(وہ تیرا باپ ہی تو تھا جس نے بنی اُمیّہ کی اُس وقت حمایت و حفاظت کی)

دعائمھا و اصحر للضراب

(جب کہ ان کے استقلال کا ستون اپنی جگہ سے ہٹ چکا تھا اور اُنکی حکومت میں تزلزل و اضطراب آچلا تھا)

وکان الملکُ قد وھیت قواہُ

(سلطنت کی قوتیں ضعیف و کمزور ہو چکی تھیں)

فردّ الملکَ منھا فی النصاب

(پھر اُسی نے حکومت قائم کی اور گئی ہوئی چیز کو واپس لایا)

عبد الرحمٰن بن الحکم، برادر مروان بن الحکم، نے کہا ہے:۔

اری احادیثَ اھلِ المرج قد بلغتْ

(میں دیکھ رہا ہوں کہ مرجِ راہط والوں کی باتیں)

اقصی الفرات و اھلِ الفیض والنیل

(منتہای علاقۂ فرات و باشندگانِ نہر بصرہ و مصر و رودِ نیل تک پہونچ چکی ہیں)

اموالُھم حُرَّۃٌ فی الارض تلقطھا

(اُن کا مال و اسباب زمین پر لاوارث پڑا ہوا ہے جسے)

فُرسانُ کلبٍ علی الجُرد الھنا ذیل

(شہسوارانِ قبیلۂ کلب دراز قامت اور سخت مضبوط گھوڑوں پر سوار ہو کر چن رہے ہیں)

قبضۂ مصر

اس واقعہ کے بعد مروان نے مصر کی جانب یلغار کیا، اہل مصر عبداللہؓ بن الزبیرؓ کے مطیع تھے جن کے ساتھ مروان کی بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں، فریقین کے بہت سے لوگ ان میں قتل ہوئے، آخر مروان کی اطاعت انہیں قبول کرنی پڑی۔

ابن الزبیرؓ کی جانب سے عبدالرحمٰن بن جحدم الفہری اس ملک کے عامل و حکمران تھے، مصریوں نے اُن کو نکال دیا اور مروان نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو وہاں اپنا قائم مقام مقرر کیا۔

یہ ۶۵ھ کا واقعہ ہے۔

قبضۂ جزیرہ وعراق

مصر سے دمشق واپس آکے مروان نے عُبَیدُاللہ بن زیاد کو جزیرہ و عراق پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کیا اور بڑی گھنی فوجیں ساتھ کر دیں، شرط یہ کی کہ عُبَیدُاللہ کا جتنے شہروں پر قبضہ ہوتا جائے وہی اُن سب کا حاکم ہوگا۔

عُبَیدُاللہ تقریباً اسی (۸۰) ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوا، الجزیرہ (یعنی دوآبۂ دِجلہ وفُرات) کے علاقہ میں پہونچا تو اُس کو خبر ملی کہ سلیمان بن صُرَد الخزاعی و مُسَیَّب بن نجبہ تقریباً چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے ہیں۔

جیش توّابین

سلیمان بن صُرَد الخزاعی و مُسَیَّب بن نَجَبَہ تقریباً چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ (حضرت) حسین بن علی بن ابی طالب علیہما السّلام کے خون کا بدلہ لینے چلے تھے۔

یہ جماعت جیش توّابین کے نام سے موسوم کی جاتی ہے جو چلتے چلتے عین الوُردہ کے پاس پہونچی کہ اُس جوئبار کے دہانہ کا نام ہے۔

عبیداللہ نے حصین بن نُمیرؒ وغیرہ سردارانِ شام کو اُن کے مقابلہ پر بھیجا جن سے وہیں مقابلہ ہوا اور باہم نہایت سخت جنگ پیش آئی، نتیجہ یہ ہوا کہ سلیمان بن صُرَد اور مُسَیَّب بن نَجَبہ دونوں قتل ہوئے اور اس فوج کے بیشتر لوگ کام آئے، جو باقی بچے رات ہوتے ہی کوفہ کو لوٹ گئے۔

یہ واقعہ اسی سال یعنی سنہ ۶۵ھ کا ہے۔

وفات مروان بن الحکم

اسی سال (سنہ ۶۵ھ) کے ماہ رمضان کی تین شبیں گزر چکی تھیں کہ دمشق میں مروان بن الحکم نے انتقال کیا اور وہیں تدفین ہوئی۔ اکسٹھ (۶۱) برس کی عمر تھی۔

ایامِ حکومت :- نو مہینہ چند روز[1]

قد و قامت دراز، بھورا رنگ، ازرق چشم، دور بین، معاملات میں نڈر، مہمات امور میں بے خوف در انا، اور بے تامّل و اندیشہ تدبیر کر لینا، (یہ اوصاف تھے)۔

شعارِ حکومت

کاتب :- (۱) ابوالزُّعیزعۃ، جو مروان کا آزاد غلام تھا۔

(۲) ابن سرجون نصرانی۔

(۳) سلیمان بن سعید الخُشَنی۔

(۴) عُبَیْد بن اوس الغسّانی۔

نقش خاتم :- العزۃ للہ (غلبہ و عزّت اللہ ہی کے لئے ہے) اور بقول بعض :-

(۱) آمنت باللہ (میں اللہ پر ایمان لایا)۔

(۲) آمنت باللہ العزیز الحکیم (میں حکمت والے خدا ئے غالب پر ایمان لایا)۔

(۳) آمنت باالعزیز الحکیم (میں اُس پر ایمان لایا جو صاحب غلبہ اور حکمت والا ہے)۔

قاضی :- ابو ادریس الخَوْلانی۔

حاجب :- ابوسُہَیل اسود، جو مروان کا آزاد غلام تھا، اور بقولِ بعض :-

ابو منہال، کہ یہ بھی مروان ہی کا آزاد غلام تھا۔

---

[1] مسعودی ہی کی روایت کے مطابق مروان کی بیعت رجب ۶۴ھ میں اور وفات ۳ رمضان ۶۵ھ کو ہوئی۔ اس طرح مدت خلافت ایک سال دو ماہ ہوتی ہے، معلوم نہیں یہاں ایامِ حکومت نو ماہ چند روز کیسے لکھ دیئے گئے۔

عبدالملک بن مروان

نام :- عبدالملک بن مروان۔

کنیت :- ابوالولید۔

والدہ :- عائشہ بنت معاویہ بن المغیرہ بن ابی العاص بن اُمیّہ۔

تاریخ بیعت :- رجب سنہ ۶۵ھ - (یہ ولایت عہد کی تاریخ ہے، بیعتِ خلافت وفاۃ مروان کے بعد ہوئی)۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ (۱) حجاز (۲) عراق (۳) فارس (۴) خراسان (۵) ودیگر ممالکِ متصلہ یہ سب عبداللہ بن الزبیرؓ کے ہاتھ میں تھے، اور مختار بن ابی عُبَیدْ بن مسعود الثقفی نے کوفہ پر تغلّب کر لیا تھا۔

انتقام شہدائے کربلا

مختار بن ابی عُبَیدْ بن مسعود الثقفی نے کوفہ پر متغلّب ہو کے (امامت وخلافت)، ابن الحنفیہ (رضی اللہ عنہ) کی دعوت ظاہر کی اور قاتلان (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) سے بدلہ لینے کے لئے اپنے آپ کو شمشیرِ برہنہ بنالیا اور اُن میں سے بہتیری خلقت ہلاک وتباہ کر ڈالی، عُبَیداللہ بن زیاد نے موصل کا رُخ کیا تھا کہ مختار نے ابراہیم بن مالکِ الاشتر بن الحارث النخعی کو اُس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔

قتل ابنِ زیاد

مختار نے ابراہیم بن الاشترؒ کو بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) فوج کے ساتھ مقابلہ کو بھیجا تھا، علاقہ موصل کے مقام زاب میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور بڑے معرکہ کا رَن پڑا۔

اس معرکہ میں عُبَیداللہ بن زیاد، حُصین بن نُمیر السکونی، شُرحبیل بن ذی الکلاع الحمیری قتل ہوئے جن کے زُمرہ میں اہلِ شام کی بہتیری خلقت بھی قتل ہوئی۔

یہ واقعہ روزِ عاشوراء (۱۰ محرم) سنہ ۶۷ھ کا ہے۔

عُبَیداللہ کے واقعۂ قتل کے متعلق ابن مفرّغ حمیری کہتا ہے :-

ان الذی عاش ختاراً بذمتہ

(وہ جس کی زندگی اپنے عہد وپیمان کے توڑنے ہی میں بسر ہوئی)

ومات عبداً قتیل اللہ بالزاب

(اور مرا تو غلام ہو کے مرا، وہ وہی ہے جسے خدا نے قتل کیا اور مقام زاب میں مارا گیا)

جنگِ مصعب و مختار

مختار کا قیام برابر کوفہ ہی میں رہا تا آنکہ مصعب بن الزبیرؓ نے جمعیتِ بصرہ کے ساتھ اُدھر کا رُخ کیا، مصعب کے ساتھ مہلّب بن ابی صفرۃ الازدی ثمّ العتیکی وغیرہ سردارانِ عرب بھی تھے۔

مقابلہ ہوا تو مصعب نے مختار کو شکست دی اور کوفہ کے ایوان حکومت میں محاصرہ کرلیا، آخر مختار نے موت کے لئے طیار ہو کے اپنے چند نفر ساتھیوں کی معیّت میں یہاں تک جنگ آزمائی کی کہ جان دے دی۔

یہ واقعہ اسی سال یعنی سنہ ۶۷ھ کے نصف ماہ رمضان کا ہے۔

مختار کے ساتھیوں میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے اُن کی تعداد تقریباً چھ ہزار تھی، ان سب نے بلا شرط اپنے آپ کو مصعب کے سپرد کر دیا اور مصعب نے سب کو قتل کر ڈالا۔

یہ لوگ خُشبیۃ کہے جاتے تھے۔

جنگِ عبدالملک و مصعب

مسعودی کہتے ہیں:۔

عبدالملک نے عراق کی جانب کوچ کیا تو مصعب بن الزبیر کے ساتھ مقابلہ ہوا، میدانِ جنگ مُلکِ عراق کا مقام مسکن تھا، جمادی الاولیٰ سنہ ۷۲ھ میں مصعب نے شہادت پائی۔

عُبیداللہ بن قیس الرقیات، جو شیعۂ آلِ زُبیرؓ میں شامل ہیں، اسی واقعہ کی نسبت کہتے ہیں:۔

ان الرزیۃ یوم مَسْکِنَ والمصیبۃ والفجیعہ

(وہ حادثہ، وہ مصیبت، وہ دردناک واقعہ جو مسکن (کی لڑائی میں پیش آیا)

با بن الحواری الذی لم یعدہ یوم الوقیعۃ

(یہ حادثہ فرزند حواریِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا گزرا کہ بجز اس کے اور کسی پر جنگ میں اس کا اثر نہ پڑا)

غدارت بہ مضر العرا ق وامکنت منہ ربیعہ

(عراق کے قبیلۂ مضر نے اُس کے ساتھ غداری و بے وفائی کی اور قبیلۂ ربیعہ نے اُس کی ہلاکت کا موقع بہم پہونچایا۔

حجّاج بمقابلۂ ابن الزُّبیر

حجّاج بن یوسف کو عبد الملک نے اپنی فوجوں کے ساتھ عبد اللہؓ بن الزّبیرؓ ابن العوام کی جانب روانہ کیا۔

حجّاج بن یوسف کے والد کا نام یوسف تھا، ابن الحکم بن ابی عقیل ابن مسعود بن عامر بن مُعتّب بن مالک بن کعب بن عمرو بن سعد بن عوف ابن ثقیف۔

ثقیف کا نام قسی تھا، ابن مُنَبّہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ ابن خصفہ بن قیس بن عیلان بن مضر۔

حجّاج بن یوسف نے عبد اللہؓ بن الزبیرؓ کا پہلے تو مکّہ میں محاصرہ کیا، پھر (دائرہ کو تنگ کرکے) مسجدِ حرام میں اُن کو محصور کر لیا، اور وہیں سہ شنبہ ۱۷، رجمادی الاولیٰ سنہ ۷۳ھ کو وہ شہید ہوئے، تہتر (۷۳) برس کی عمر تھی، حجّاج کے حکم سے اُن کی (لاش) کو سولی پر چڑھایا گیا۔

عبد اللہؓ بن الزبیرؓ کی والدہ اسماءؓ ذات النطاقین تھیں جو (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی بیٹی اور (حضرت) عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی بہن تھیں۔

اُس وقت تک (حضرت) اسماءؓ زندہ تھیں، اور سو برس کی ہو چکی تھیں، بایں ہمہ نہ کوئی دانت گرا تھا، نہ کوئی بال سفید ہوا تھا، نہ عقل میں اختلال آیا تھا، البتہ اُن کی بصارت جاتی رہی تھی۔

عبد اللہؓ بن الزبیرؓ کی حکومت و ابتلا کی مدّت آٹھ برس نو مہینہ تھی۔[۱] من ابتدائے موتِ معاویہ بن یزید بن معاویہ بن ابی سفیان، تا بہ شہادتِ ابن الزبیر۔

ہنگامۂ ابن اشعث

عبد الملک بن مروان کے زمانۂ حکومت و سلطنت کے متعلق جو عظیم و جلیل واقعات و حوادث پیش آئے اُن میں ایک خاص واقعہ

---

[۱] یہاں بھی مورخ نے مدت کا تعین کرنے میں غلطی کی ہے۔ معاویہ بن یزید کی موت ربیع الاول ۶۴ھ کو اور شہادت حضرت ابن زبیرؓ ۱۷ رجمادی الاولیٰ ۷۳ھ کو ہوئی۔ اس طرح مدت ۹ سال ۲ مہینے ہوتی ہے۔ معلوم نہیں ۵ ماہ کا یہ فرق کس طرح باقی رہ گیا۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ یہی مورخ اپنی دوسری کتاب مروج الذہب میں جہاں بنی امیہ کی مدت حکومت کا ذکر کرتا ہے وہاں حضرت ابن زبیرؓ کا عہدِ حکومت، ۸ سال دس ماہ ۳ دن بتاتا ہے۔

عظیمہ عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعث بن قیس بن معدی الکرب الکندی کا ہے جس نے سنہ ۸۱ھ میں عبدالملک کو خلیفہ ماننے سے انکار کر دیا۔

حجاج نے عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعث کو ایک بڑی گھنی فوج کے ساتھ سیستان روانہ کیا تھا جو اتنے اچھے ساز و سامان سے آراستہ و پیراستہ تھی کہ اُسے "جیش الطواویس" (آراستہ لشکر مثل طاؤس) کہتے تھے، غرض یہ تھی کہ رُتبیل پادشاہِ زابلستان سے جہاد کیا جائے۔

ابن الاشعث نے زابلستانیوں کے بہت سے علاقے اور شہر فتح کرلئے (مگر ان فتوحات کا صلہ یہ ملا کہ) حجاج نے خط میں ابن الاشعث کو سخت و دُرشت باتیں لکھیں اور جہاد میں ضعیف و عاجز و ناچار و کمزور قرار دیا۔

ابن الاشعث نے اپنے ساتھی سردارانِ عراق کو دعوت دی کہ حجاج کو خلع کردیں، حجاج کے خوف و سطوت و بغض و نفرت کے باعث سب نے یہ بات مان لی اور مخلوع و معزول کر دیا۔[ل]

سیستان سے ابن الاشعث نے مراجعت کی کہ عراق سے حجاج کو نکال کر عبدالملک سے درخواست کی جائے کہ عراقیوں پر کوئی اور حاکم مقرر ہو۔

جمعیّت روز بروز بڑھتی گئی اور جس قدر عراق کے قریب آتے گئے اُس قدر اہلِ عراق اور اُن کے سردار و قاری و تعلیم یافتہ عابد و زاہد ملتے اور شامل ہوتے گئے۔

قحطانی منتظر

ابن الاشعث نے اب عبدالملک کی معزولی کا بھی اعلان کر دیا اور سب لوگوں نے خلعِ بیعت کرلیا، یہ واقعہ فارس کے مقام اِصطخر میں پیش آیا۔

ابن الاشعث نے "ناصر المومنین" اپنے آپ کو قرار دیا اور بیان کیا کہ وہ قحطانی بزرگ میں ہی ہوں جس کا اہلِ یمن انتظار کر رہے ہیں کہ اُنہیں سلطنت دلائے گا اور اُن میں حکومت کو واپس لائے گا، اس پر اعتراض ہوا کہ:-

جس قحطانی کا انتظار ہے اُس کے نام میں تو فقط تین حرف ہوں گے۔

ابن الاشعث نے جواب دیا۔ میرا نام عبدالرحمٰن نہیں ہے صرف "عبد" ہے "رحمٰن" میرے نام میں داخل نہیں۔

ل حجاج کے خوف و سطوت اور بغض و نفرت کے ساتھ اگر یہ بھی کہدیا جاتا کہ اپنی شر پسند طبیعت کے باعث بغاوت پر آمادہ ہوگئے۔ تو زیادہ صحیح تصویر سامنے آجاتی۔

حجّاج سے جنگ حجّاج نے ابن الاشعث سے مقابلہ کے لئے کوچ کیا اور علاقۂ اَہواز میں شہر تُستَر کے سات فرسنگ ادھر مقابلہ کیا جس میں حجّاج کی جمعیّت کو شکست ہوئی اور اُن میں تقریباً آٹھ ہزار (۸۰۰۰) قتل ہوئے۔

اب حجّاج نے بصرہ کی جانب کوچ کرکے مقام زادیہ میں قیام کیا اور ابن الاشعث نے چل کر خُرَیبہ میں قیام کیا۔

یہ سنہ ۸۲ھ کا واقعہ ہے۔

تقریباً دو مہینے تک یہ دونوں جمعیتیں باہم لڑتی رہیں، جس کے بعد کوفہ پر قبضہ کرنے کے لئے بہت ہی تھوڑی جمعیت کے ساتھ ابن الاشعث نے شب میں کوچ کر دیا، جمعیت ابن الاشعث نے (جو اس عزم سے بے خبر تھی حیرت کی حالت میں) صبح کی اور آخر کار عبدالرحمٰن بن عباس ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے (ہاتھ پر) بیعت کرلی، مگر حجّاج نے اُن سے مقابلہ کرکے شکست دیدی اور وہ (وہاں سے ہٹ کے)، ابن الاشعث کے ساتھ شامل ہوگئے۔

ایّامِ دیرِ جماجم ابن الاشعث نے کوفہ سے نکل کر دیرِ جماجم میں اور حجّاج نے دیرِ قرّہ میں مقام کیا، عبدالملک سے حجّاج نے مدد بھی طلب کی تھی، اور عبدالملک نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عبدالملک اور اپنے بھائی محمّد بن مروان کو (مع فوجِ امدادی)، بھیجا بھی تھا۔

دیرِ جماجم میں قریب قریب چار مہینہ تک فریقین لڑتے رہے اور جیسا کہ کہا گیا ہے تقریباً اُسّی (۸۰) لڑائیاں باہم ہوئیں، ابن الاشعث کی جمعیت قریب اُسّی ہزار (۸۰۰۰۰) اور حجّاج کی اس سے کم تھی، واقعاتِ صفّین کے بعد کوئی لڑائی اور کوئی حملہ ایسا نہیں ہوا تھا جو ان محاربات سے بڑا ہول انگیز رہا ہو۔

آخر ابن الاشعث کو شکست ہوئی، اہلِ عراق بھاگ نکلے، اور اُن کی ایک بڑی جماعت قتل ہوئی۔

ابن الاشعث نے بصرہ کا رخ کیا، حجّاج نے بھی پیچھا کیا، ناچار وہاں سے بھی نکلنا پڑا۔ علاقۂ عراق کے مَسکِن میں پھر فریقین کا مقابلہ ہوا اور اہل عراق کو پھر شکست ہوئی اور بے دریغ قتل ہوئے۔

انجام ایام ابن الاشعث نے اپنے شرکا و اتباع کے ساتھ سیستان کا رُخ کیا اور

رُتبیل سے مراسلت کر کے سب وہیں جا پہونچے۔

حجاج نے ایک بڑی گھنی فوج سیستان روانہ کی اور رُتبیل کو لکھا کہ ابن الاشعث و اتباع ابن الاشعث کو اُس کے سپرد کر دے، بہت سا معاوضہ اور بارِ جزیہ و خراج سے سبکدوش کر دینے کی ترغیب بھی دلائی اور یہ ترہیب بھی کی کہ انکار کی صورت میں فوج کے ساتھ مجھے سیستان پہونچا ہوا سمجھ لے؛

رُتبیل نے غداری کی اور ابن الاشعث کو حجاج کے قاصد کے سپرد کر دیا جو حجاج کے پاس لے کر چلا، ابن الاشعث نے (راستہ کی ایک منزل میں) شہرِ رخجؔ کے ایک بالاخانہ پر سے اپنے آپ کو نیچے گرا دیا اور جان دے دی، قاصد نے سر کاٹ کر حجاج کے پاس بھیج دیا جسے حجاج نے عبدالملک کے پاس اور عبدالملک نے اپنے بھائی عبدالعزیز کے پاس مصر بھیج دیا۔

یہ واقعہ سنہ ۸۴ھ کا ہے، اور اسی کی نسبت شاعر کہتا ہے:۔

یا بُعدَ مَصرَعِ جثۃٍ من رأسِھا

(وہ بھی کیسا عجیب مقتل تھا اور اُس کے جسم و سر کے درمیان کتنا بڑا فاصلہ واقع ہو گیا)

رأسٌ بمصرَ وجثۃٌ بالرُّخجِ

(سر تو مُلکِ مصر میں اور دھڑ رخجؔ میں رہا)

قتلوہ بغیاً ثمّ قالوا بایعوا

(اُس کو غداری سے قتل کر ڈالا اور پھر لوگوں سے کہا کہ آؤ بیعت کرو)

وجری البرید برأس اروع ابلج

(ایسے شریف سردار کا سر ڈاک چوکی پر روانہ کیا گیا)

وفاتِ عبدالملک

تاریخ وفات :۔ ۱۰ شوال سنہ ۸۶ھ ۔
مدفن :۔ دمشق۔

مدّتِ عمر :۔ باسٹھ (۶۲) برس، اور بقول بعض :۔ اس سے زیادہ

مدّتِ حکومت :۔ اکیس سال، دو مہینہ، دس دِن۔

ذاتی خصوصیت :۔ بھورا گندمی رنگ، میانہ قد، درازریش۔

معاملات کو خود انجام دینا، امورِ سلطنت میں بیدار مغز رہنا، دور اندیش و محتاط و عاقبت بیں، دشمنوں اور جنگ آوروں کے متعلق بذاتِ خاص انتظام کرنا اور کسی دوسرے

کے بھروسے نہ رہنا، یہ اوصاف تھے، اکثر امور میں غلطیاں بھی ہوا کرتیں مگر نتیجہ اچھا ہی نکلتا اور سلامتی اُس کو دھوکے میں ڈال دیا کرتی تھی۔

ارکانِ حکومت

کاتب:۔ (۱) قَبِیصَہ بن ذُوَیب الخزاعی (۲) ابو الزعیزعہ (۳) عمرو ابن الحارث جو بنی عامر بن لُوَیّ کے آزاد غلام تھے (۴) سرجون بن منصور رومی۔

نقشِ خاتم:۔ آمنتُ بہ مخلصاً (میں اُس پر مخلصانہ ایمان لایا ہوں)

قاضی:۔ ابو ادریس الخولانی (۲) عبد اللہ بن قیس بن عبدِ مناف۔

حاجب:۔ یوسف جو عبد الملک کا آزاد غلام تھا، ابو الزعیزعہ نے بھی حجابت کا کام کیا ہے۔

ابنِ عباسؓ

عبد الملک ہی کے زمانہ میں (حضرت) عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب (رضی اللہ عنہما) نے طائف میں وفات پائی، بصارت جاتی رہی تھی، سنہ ۶۸ھ میں وفات واقع ہوئی، اکہتّر (۷۱) برس کی عمر تھی، ہجرت سے تین برس پہلے پیدا ہوے تھے۔ (حضرت) محمد بن الحنفیہ ابو القاسم محمد بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہما) نے (اُن کے جنازہ) کی نماز پڑھائی۔

محمّد بن الحنفیہ

(حضرت) محمّد بن الحنفیہ (رضی اللہ عنہ) نے مدینہ میں وفات پائی۔ محرم سنہ ۸۱ھ میں یہ حادثہ ہوا، پینسٹھ (۶۵) برس کی عمر تھی، ابانؓ بن عثمانؓ نے کہ اُن دنوں عبد الملک کی جانب سے والی مدینہ تھے، اُن پر نماز پڑھی، شیعۂ کیسانیہ اُن کے متعلق بہت سی طویل باتیں کرتے ہیں اور بہتیرے دعوے رکھتے ہیں۔

ولید بن عبد الملکؒ

نام :- ولید بن عبد الملک بن مروان -

کنیت :- ابو العبّاس -

والدہ :- ولّادہ بنتِ عباس بن جَزْء بن الحارث العبسی -

مقامِ بیعت :- دمشق، اور یہی مقامِ وفات بھی ہے -

تاریخ بیعت :- جس دن عبد الملک نے انتقال کیا -

تاریخ وفات :- ۱۵ر جمادی الاولیٰ - سنہ ۹۶ھ -

مدتِ عمر :- تینتالیس (۴۳) برس -

مدفن :- دمشق -

مدّتِ حکومت :- نو برس آٹھ مہینہ پانچ دن -

حلیہ :- دراز قد، گندم گوں، چپٹی ناک، جسم پر چیچک کے داغ تھے -

شمائل وخصائل

دراز قد، گندم گوں، چپٹی ناک، چہرے پر چیچک کے داغ، ڈاڑھی کے آگے والے بال سفید ہو گئے تھے مگر خضاب سے اُن کو رنگین نہیں کیا تھا۔ تکلّم و تلفظ میں غلطیاں کرنا، سخت سطوت و جبروت، غیظ و غضب کی حالت میں ذرا بھی تامّل سے کام نہ لینا، انجامِ کار پر نظر تک نہ کرنا، سطوت و جبروت کے وقت کسی کی مجال نہ تھی کہ کلام کر سکے، خوں ریزی کوئی بڑی بات نہ تھی (یہ سب عادات و اطوار تھے) -

شعارِ حکومت

کاتب :- (۱) عبد اللہ بن ہلال الثقفی (۲) صالح بن عبد الرحمٰن، جو قبیلۂ بنی مُرّہ بن عُبَیدہ کا آزاد غلام تھا (۳) قعقاع بن خلید العبسی (۴) سلیمان ابن سعید الخشنی -

نقش خاتم :- یا ولید انکّ مَیِّتٌ (اے ولید تو مرنے والا ہے) -

قاضی :- ابو بکر بن حزم

حاجب :- یزید جو ولید ہی کا آزاد غلام تھا۔

حجّاج بن یوسف

ولید اور ولید کے والد (عبد الملک کے عامل (گورنر یا فرماں روا) مُلک عراق حجاج بن یوسف بن عقیل نے رمضان سنہ ۹۵ھ میں وفات پائی، یہ واقعہ عراق کے شہر واسط میں، ولید کی وفات سے نو مہینہ قبل پیش آیا۔

حجّاج نے بیس (۲۰) برس تک عراق پر حکومت کی اور بیت المال میں دس کروڑ درم سے کئی کروڑ زائد چھوڑے۔

عراق کی ولایت جب حجّاج کے ہاتھ آئی ہے تو وہاں کا خراج اُس وقت دس کروڑ درم تھا مگر حجاج نے اپنی درشتی و بد تدبیری سے یہاں تک نوبت پہونچائی کہ ڈھائی کروڑ درم رہ گیا۔

ہند بنت اسماء بن خارجۃ الفزاری، حجّاج کی مطلّقہ بیوی تھی، اُس نے حجّاج (کی لاش) کو چادر میں لپٹا ہوا دیکھ کر کہا:-

الا یا ایھا الجسد المسجّیٰ

(اے اوڑھے لپیٹے کفن سے ڈھکے ہوئے جسم آگاہ ہو)

لقد قرّت بمصرعك العیونُ

(کہ تیرے مرنے سے آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں)

وکُنتَ قرین شیطانٍ رجیمٍ

(تو ایک راندہ شیطان کا ساتھی تھا)

فلمّا متّ سلمك القرین

(جب تو مرگیا تو اُس ساتھی نے تجھے تنہا چھوڑ دیا)

جو لوگ حجّاج کے حملوں اور لڑائیوں میں قتل ہوئے وہ تو الگ رہے، جن کو حجّاج نے پکڑ کے قتل کیا ہے فقط اُن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار (۱۲۰۰۰۰) تھی جن میں (حضرت) عبد اللہ بن عباسؓ کے رفیق و مصاحب سعید ابن جُبیرؒ بھی تھے۔

سعید کی کنیت ابو عبد اللہ تھی اور یہ قبیلۂ بنی والبہ بن حارث بن ثعلبہ ابن دُودان بن اسد بن خُزَیمہ کے آزاد غلام تھے، رنگ سیاہ تھا، عبد الرحمٰن بن محمد ابن

اشعث کا ساتھ دینے اور خروج کرنے کے باعث حجاج نے سنہ ۹۴ھ میں ان کو قتل کیا۔[1]

انہیں مقتولین میں قبیلۂ بنی صُہبان کے کُمَیل بن زیاد النخعی بھی تھے جو (حضرت) علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہٗ) کے مصاحب تھے۔

حجّاج نے جب وفات پائی ہے قید خانہ میں اُس وقت پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) مرد اور تیس ہزار (۳۰۰۰۰) عورتیں مقیّد تھیں۔

زندانِ حجّاج بالکل مہلک تھا جس میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جو قیدیوں کو گرمی سردی سے بچا سکے، جو پانی اُن کو پلایا جاتا تھا اُس میں راکھ (مٹّی) ملی ہوتی تھی۔

---

[1] حضرت سعید بن جبیرؒ کے قتل کے واقعہ کو لوگ اِس طرح رنگ آمیزی کرکے پیش کرتے ہیں کہ اُس سے حجّاج کی شقاوت وظلم پسندی کی تصویر اور بھی گھناؤنی ہو کر سامنے آتی ہے حالانکہ یہ غور نہیں کیا جاتا کہ... حضرت سعید بن جبیر، امام شعبی اور ابراہیم نخعی تینوں اُس بغاوت میں شریک تھے جو عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث نے ۸۳ھ میں عبدالملک اور حجاج دونوں کے خلاف کی تھی، اس بغاوت کا مقصد خلافت بنی اُمیّہ کو ختم کر دینا تھا۔ بغاوت کے ختم ہونے پر امام شعبی اور امام نخعی نے مصالحت کرلی، چنانچہ حجاج نے درگذر سے کام لیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے سعید بن جبیر مخالفت پر اڑے رہے۔ آٹھ دس سال تک اُن کی جد و جہد جاری رہی۔ مجبوراً ۹۴ھ میں اُن کو قتل کر دیا گیا۔

سلیمان بن عبدالملک

تاریخ بیعت :۔ جس دن سلیمان کے بھائی ولید نے انتقال کیا۔

نام :۔ سلیمان بن عبدالملک بن مروان ۔

کنیت :۔ ابوایوب

والدہ :۔ ولادہ، کہ سلیمان کے بھائی ولید کی ماں بھی وہی تھیں۔

مقام وفات :۔ مَرجِ دابق، علاقۂ قنسرین، سلیمان کے بھائی مَسلَمہ نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر رکھا تھا، سلیمان نے مَسلَمہ کو مدد دینے کے لئے مرجِ دابق کو اپنا لشکرگاہ بنایا تھا اور اسی حالت میں وہیں انتقال کیا۔

تاریخ وفات :۔ روز جمعہ، ۲۰ر صفر سنہ ۹۹ھ۔

مدتِ عمر :۔ ۳۹ سال ۔

مدتِ حکومت :۔ دو سال، آٹھ مہینہ، پانچ شبیں ۔

شمائل و خصائل :۔ دراز قد، گورا رنگ، خوبصورت، نحیف الجثہ گھونگروالے بال، بالوں میں سفیدی آنے کی عمر تک نوبت نہیں پہونچی تھی، فصیح زبان، بہت ہی مودب و مہذب، نرم مزاج اپنی جوانی و خوبصورتی میں نہایت مگن، خوراک بہت تھی اور کھانے کا بڑا شوق تھا، کثیر المباشرت خوں ریزی میں جلدبازی کی عادت نہ تھی لیکن مزاج میں حسد بہت تھا۔

کاتب عہدِ سلیمانی :۔ (۱) عبدالعزیز بن الحارث بن الحکم بن ابی العاص (۲) سلیمان ابن نعیم الحِمیری (۳) ابن بطریق النصرانی ۔

نقشِ خاتم :۔ امنت باللہ (میں اللہ پر ایمان لایا)

قاضی :۔ محمد بن حزم ۔

حاجب :۔ ابوعُبیدہ، جو سلیمان کا آزاد غلام تھا، اور بقولِ بعض :۔ مسلم، کہ وہ بھی سلیمان ہی کا آزاد غلام تھا۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

نام :- عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم -

کنیت :- ابو حفص - والدہ :- امّ عاصم بنت عاصم بن عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ)

تاریخ بیعت :- جس دن سلیمان نے انتقال کیا -

عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ ہوتے ہی مَسلمَہ کو محاصرۂ قسطنطنیہ سے واپس بُلالیا - اسی کتاب (کے حصۂ اولیٰ) میں بضمن تذکرۂ سلاطین روم بعد ظہورِ اسلام، پادشاہ تیذوس مشہور بہ ارمنی کے حالات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ مَسلمَہ نے کتنی مدّت تک قسطنطنیہ کو محصور رکھا تھا -

مقام وفات :- دیرِ سمعان، علاقۂ حمص، متصل قنسرین -

سببِ وفات :- بقول بعض اُن کو اُنہیں کے گھر والوں کی جانب سے زہر دیا گیا -

تاریخ وفات :- روز جمعہ ۲۰؍ رجب، سنہ ۱۰۱ھ -

مدّت عمر :- ۳۹ سال -

مدّت خلافت :- ۲ سال ۵ مہینہ، ۵ دن -

شکل وشمائل :- گندم گوں، خوش رو، نحیف ولاغر جثّہ، اچھّی ڈاڑھی، آنکھیں اندر دھنسی ہوئی، چہرہ پر کسی سواری کے جانور کی چوٹ کا نشان، جس نے لڑکپن میں اُن کو لات ماری تھی، بال سفید ہو چلے تھے مگر مرتے دم تک خضاب نہ لگایا -

عادات وخصائل :- فاضل تھے، دین کو دُنیا پر ترجیح دیتے، ایسے شخص کی طرح کام کرتے جو آج (کی دنیاوی زندگی میں، احتسابِ عمل) سے ڈرتا اور کل (روزِ قیامت میں اجر وجزا) کی اُمید رکھتا ہو، جو بندوبست کرتے اُس میں اُنکے خاندان والے بھی اُن کی دین داری وتدیّن کا اقرار کرتے -

کاتب :- لیث بن ابی رقیہ -

نقشِ خاتم :- لکلّ عمل ثوابٌ (ہر ایک کام کا ایک نہ ایک اجر ہے) -

اور بقولِ بعض :- عمر یؤمن باللہ مخلصاً (عمر اللہ پر مخلصانہ ایمان رکھتا ہے) -

قاضی :- عبداللہ بن سعد الایلی -

حاجب :- مزاحم، جو اُن کے آزاد غلام تھے، اور بقولِ بعض :- حسین -

یزید بن عبد الملک

نام :- یزید بن عبد الملک بن مروان۔
کنیت :- ابو خالد۔
والدہ :- عاتکہ بنت یزید بن معاویہ۔
تاریخ بیعت :- جس دن (حضرت) عمر بن عبد العزیز نے انتقال کیا۔
مقام وفات :- بلقاء علاقۂ دمشق۔
تاریخ وفات :- روز جمعہ ۲۵ شعبان، سنہ ۱۰۵ھ
مدتِ عمر :- اُنتالیس (۳۹) برس۔
مدتِ حکومت :- چار برس ایک مہینہ۔
شمائل و خصائل :- دراز قد، بھاری جسم، گورا رنگ، گول چہرہ، بالوں میں ہنوز سفیدی نہیں آئی تھی، طبیعت میں جواں مردی، مزاج میں نہایت فخر اور تکبر نمایاں تھا، لہو و لعب سے اُلفت تھی، حجاب (کا طریقہ) زیرِ عمل تھا (یعنی ہر شخص کو اجازت نہ تھی، کہ بخلافِ عہد سابق، جب چاہے بدون اطلاع خلیفہ کے حضور میں چلا جائے) کسی کام کو اچھا جان کے کرنے اور بُرا سمجھ کر چھوڑ دینے کی مطلق عادت نہ تھی۔
کاتب :- (۱) اُسامہ بن زید السلیحی (۲) زید بن عبد اللہ۔
نقش خاتم :- قِنی الحساب (یا اللہ مجھے حساب سے بچانا)
حاجب :- سعید، جو ولید بن عبد الملک ہی کا آزاد غلام تھا، اور بقول بعض :- خالد

واقعۂ یزید بن مُہلب[1]

یزید بن عبد الملک کے عہد میں حکومت و سلطنت کے متعلق بہت ہی بڑا واقعہ جو پیش آیا وہ یہ تھا کہ یزید بن مُہلّب بن

---

[1] مہلب بن صفرہ اور بنی اُمیّہ کا ایک عظیم جنرل تھا۔ اُس نے افغانستان، بلوچستان وغیرہ میں فتوحات حاصل کیں۔ اُس کا انتقال عہد عبد الملک بن مروان میں ۸۳ھ میں ہوا۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۸۹ پر دیکھئے)

ابی صُفرہ نے یزید بن عبد الملک کو (خلافت سے) خلع کر دیا۔

ابو صُفرہ کا نام ظالم تھا، ابن سراق بن صُبح بن کندی بن عمرو بن عدی بن وائل ابن الحارث بن العتیک بن الاسد بن عمران بن عمرو مُزیقیا بن عامر بن ماء السماء ابن حارثہ الغطریف بن ثعلبہ بن امرای القیس بن ثعلبہ بن مازن بن الازد، ازد (کا اصلی) نام درّاء تھا، ابن الغوث بن نبت بن مالک بن زید بن کہلان بن سبا۔

یزید بن مُہلّب عمر بن عبد العزیز کے قید خانہ میں اس مطالبہ کی بنا پر قید تھے کہ ممالکِ جرجان و طبرستان کو جب اُنہوں نے فتح کیا تھا تو سلیمان بن عبد الملک کو لکھا تھا کہ (ان فتوحات سے اس قدر) مال (غنیمت) حاصل ہوا ہے، اب اسی مال کا اُن سے مطالبہ تھا، رجب سنہ ۱۰۱ھ میں جب عمر بن عبد العزیز نے وفات پائی تو یزید بن مُہلّب نے قید خانہ سے بھاگ کر بصرہ کا رُخ کیا جہاں کی حکومت عدی بن اَرطاۃ الفزاری کے ہاتھ میں تھی۔

عدی نے جیسے ہی سُنا تھا کہ یزید نے ادھر کا رُخ کیا ہے اُسی وقت یزید کے کئی بھائیوں کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۸ کا) ابن خلدون نے لکھا ہے کہ:۔

اِن واقعات کے بعد مہلب مرگیا۔ بہ وقت وفات اپنے لڑکے یزید (ابن مہلب) کو حکومت پر اپنی جگہ اور دوسرے لڑکے حبیب کو نماز پر مامور کیا۔ بقیہ کل لڑکوں کو جمع کر کے اتفاق و محبت اور حسن معاشرت کی وصیت کی اور کہا۔ "میں تم کو اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہنے، اور صلہ رحم کی وصیت کرتا ہوں، اس سے عمر کی درازی اور مال کی زیادتی اور نفوس کی کثرت ہوتی ہے۔ اور اُس کے چھوڑنے سے میں تم کو منع کرتا ہوں۔ اِس وجہ سے کہ یہ دوزخ میں جانے کا باعث اور ذلت اور کمی نفوس کا سبب ہے۔ تم پر امیر کی اطاعت اور جماعت مسلمین سے اتفاق کرنا فرض ہے۔ مناسب یہ ہے کہ تمہارے افعال تمہارے اقوال سے بہتر ہوں۔ جواب جلد دینے اور زبان کی لغزش سے احتراز کرو۔ کیونکہ آدمی پاؤں کی لغزش سے سنبھل جاتا ہے۔ اور زبان کی لغزش سے مارا جاتا ہے۔ .... بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت مہلب نے اتفاق و اجتماع کی وصیت کی تھی اُس وقت ایک ترکش تیروں سے بھرا ہوا منگوایا اور لڑکوں سے کہا "کیا تم سب اِن تیروں کو توڑ سکتے ہو؟" لڑکوں نے جواب دیا "نہیں" اُس میں سے ایک تیر نکال کر کہا: "اب اِس کو توڑ سکتے ہو؟" لڑکے بولے "ہاں"

مہلب نے کہا: "یہی حالت جماعت کی ہے"۔

گرفتار کرلیا تھا، یزید نے مال وزر دے کے انہیں رہا کرانے کی خواہش کی مگر عدی نے انکار کر دیا۔

یزید کے پاس عظیم الشان مجمع ہوتا گیا، مال وزر خرچ کر کے اور بھی اپنی جمعیت بڑھالی عدی کی جانب توجہ کی اور اس کو گرفتار کر کے قید کر لیا، (ممالک) بصرہ (۲) اہواز (۳) فارس (۴) کرمان پر یزید کا قبضہ ہوگیا اور یزید بن عبدالملک کو خلع بھی کر دیا۔

مقاتلہ و مقتل

یزید بن عبدالملک نے اپنے بھائی مَسْلَمَہ بن عبدالملک اور اپنے بھتیجے عبّاس بن الولید بن عبدالملک کو بہت بڑی گھنی فوجیں دے کر یزید بن مُہَلَّبْ کے مقابلہ پر مامور کیا، یزید بن مُہَلَّبْ بھی بصرہ سے نکل کر چلے، اُن کے ساتھ بھی بہت بڑی جمعیت تھی علاقۂ بابل کے مقام عَقْر پر مقابلہ ہوا اور نہایت سخت جنگ ہوئی جس میں یزید بن مہلّب اور اُن کے کئی بھائی عراق کی ایک جماعت کے ساتھ کام آئے اور باقی لوگ بھاگ گئے، یہ واقعہ سنہ ۱۰۲ھ کا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یزید بن مُہَلَّبْ کو قحل نے قتل کیا تھا، قحل بن عیّاش ابن حسان بن سُمَیْر بن شراحیل بن عرین بن ابی جابر بن زُہَیر بن جناب۔

مفاخراتِ قبائل

مُسَیَّبْ بن الرفل الکلبی نے اسی واقعہ پر فخر کیا ہے:۔

قتلنا یزید بن المهلبِ بعد ما

(ہم نے یزید بن مہلّب کو قتل کر ڈالا بعد اس کے کہ)

تمنیتمُ، ان یغلب الحقَّ باطلہٗ

(تم نے تو یہ تمنا کر رکھی تھی کہ حق پر باطل غالب آجائے)

فما کان من اهل العراق منافقٌ

(عراق سے کوئی ایسا منافق نہیں اُٹھا)

عن الدین الامن قُضاعةَ قاتله

(کہ اس کا قاتل قبیلۂ قضاعہ سے نہ رہا ہو)

رُفیع بن ازیر الاسدی نے یزید بن مہلّب کے قتل ہی کی نسبت یزید ابن عبدالملک بن مروان سے خطاب کیا ہے:۔

اليك امير المومنين مسيرنا

(اے امیر المومنین ہمارا سفر تیری جانب ہے)

على المقربات والمحذفة البتر

(اعلیٰ درجہ کے گھوڑوں پر سوار ہم تیری جانب آرہے ہیں، ایسے گھوڑے جن کی دمیں کٹی ہوئی ہیں)

نزيد امير المومنين بارضه

(امیر المومنین ہی کے ملک میں ہم اُس کی دولت وثروت پر اضافہ کر رہے ہیں)

رؤوساً جناها بين بابل والعقر

(اور یہ اضافہ اُن سروں کا ہے جو مقاماتِ بابل وعقر کے درمیان کٹے ہیں)

ولاقى يزيد بن المهلب باكراً

(یزید بن مہلب نے صبح ہی صبح ملاقات کی)

من الموت ساقته الحتوف وما يدرى

(یہ موت سے ملاقات تھی جہاں اُس کو قضا لے گئی اور وہ جانتا بھی نہ تھا)

انجام آلِ مُہلّب

آلِ مُہلّب اور اُن کے تابعین میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے جہازوں پر سوار ہو کے علاقہ سندھ (ہندوستان) کے مقام قَندابیل[1] کو چلے گئے۔

مَسلَمہ نے ہلال بن اَحوز المازنی کو اُن کے تعاقب میں روانہ کیا جس نے قندابیل میں اُنہیں پایا، کچھ لوگوں کو قتل کر ڈالا اور بقیۃ السیف کو قید کر لیا۔

مُہلّب نے مرتے وقت یزید بن مُہلّب کو اپنا جانشین بنایا تھا اور یزید کے تمام بھائیوں کو یزید کی اطاعت کا حکم دیا تھا۔

---

[1] قَندابیل:۔ اس قدیم عربی شہر کو آج کل "گنداوہ" کہتے ہیں جو خان قلات (فرماں روائے بلوچستان) کی عمل داری میں واقع ہے، اب یہ ایک معمولی قصبہ کی حیثیت میں رہ گیا ہے مگر اُن دنوں ایک بڑا شہر تھا۔ ہندوستان کے فتوحاتِ عرب میں اس کا اکثر تذکرہ آتا ہے، اور ہندوستان میں قدیم عربی تمدن کا ایک مرکز بھی رہ چکا ہے۔

ذی الحجہ سنہ ۸۲ھ میں مُہلّب نے علاقۂ خراسان کے مقام مرورود میں انتقال کیا تھا، جہاں کے اُن دنوں وہ حاکم تھے، نہار بن توسعۃ التمیمی انھیں کی نسبت کہتے ہیں :-

الا ذہب العزّ المقرّب للتُقی

(آگاہ ہو کہ وہ عزّت جاتی رہی جو تقویٰ و پرہیزگاری سے قریب کرنے والی تھی)

ومات الندیٰ والجودُ بعد المهلّب

(اور مہلّب کے مرتے ہی فیاضی و سخاوت بھی مرگئی)

اقاما بمرو الروذ رھنی ضریحہٖ

(فیاضی و سخاوت یہ دونوں آکے مہلب کی قبر کی مجاور ہوگئیں)

فقد غُیّبا عن کلِّ شرقٍ ومغربٍ

(کیوں کہ تمام مشرق و مغرب ان دونوں سے خالی ہے، اور کہیں اُن کا پتہ نہیں چلتا)

ہشام بن عبدالملکؒ

نام :- ہشام بن عبدالملک بن مروان۔

کنیت :- ابوالولید۔

والدہ :- اُمِّ ہشام بنت ہشام بن اسماعیل بن ہشام بن الولید بن المغیرۃ المخزومی۔

تاریخ بیعت :- جس دن یزید (ابن عبدالملک) نے وفات پائی۔

مقام وفات :- رصافہ، علاقۂ قنسرین، متصل صحرا۔

تاریخ وفات :- چہارشنبہ ۶ ربیع الاول سنہ ۱۲۵ھ۔

مدّتِ عمر :- ترپن (۵۳) سال۔

مدّت حکومت :- اُنیس برس، سات مہینہ گیارہ شبیں۔

شکل وشمائل :- گورا رنگ مائل بہ زردی، اَحْوَل چشم، پتلیاں جلد جلد پھرتی رہتیں، ڈاڑھی میں سیاہ خضاب، لوگوں کے دیکھتے قد وقامت معتدل ومیانہ، جسم اچھا تھا۔

عادات وخصائل :- سخت مزاج، درشت اخلاق، باریک بین، مال وزر فراہم رکھنے اور عطیات میں کم خرچ کرنے کی عادت تھی، امورِ سلطنت میں بیدار مغز، رعیّت کے نظم ونسق میں ماہرِ سیاست، بذاتِ خود کام کرنا، مہمّات کو آپ انجام دینا، امورِ مملکت داری کی ہر بات سے باخبر رہنا اور کسی پہلو سے غافل نہ ہونا، یہ خصوصیت تھی۔

کاتب :- (۱) محمّد بن عبداللہ بن حارثۃ الانصاری (۲) اُسامہ بن زید السلیحی (۳) سالم، جو سعید بن عبدالملک کا آزاد غلام تھا۔

نقش خاتم :- الحکم للحکیم (حکمت والے۔ خدا ہی کی حکومت ہے)

قاضی :- (۱) محمّد بن صفوان الجُمحی (۲) نمیر بن اوس الاشعری۔

حاجب :- غالب، جو ہشام ہی کا آزاد غلام تھا۔

شہادت حضرت زید رضی اللہ عنہ

ہشام کی حکومت کے سترھویں سال، یعنی سنہ ۱۲۲ھ میں (حضرت) زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہم) نے کوفہ میں ظہور کیا،[لہ] بھوڑے ہی آدمی ساتھ تھے، کوفہ کا حاکم (اُن دنوں) یوسف بن عمر الثقفی تھا۔

لہ کوفیوں نے جس طرح حضرت حسینؓ کو دھوکہ دے کر مکہ سے کوفہ بلایا تھا لیکن وقت پر آپ کا ساتھ چھوڑ بیٹھے تھے۔ اسی طرح اُنھوں نے حضرت زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو بھی اپنی مدد کا یقین دلا کر ہشام بن عبدالملک کے خلاف جنگ پر آمادہ کرلیا۔ لیکن عین موقعہ پر سوائے چند کے کسی نے ساتھ نہ دیا۔

شبلی نعمانیؒ نے سیرۃ النعمان میں لکھا ہے کہ حضرت زید کے خروج کے لئے اُس وقت قطعاً کوئی جواز نہیں تھا۔ کیونکہ ہشام بن عبدالملک کا دور نہایت امن وسکون کا دور تھا۔ ہر کام شریعت کے مطابق ہو رہا تھا۔ خلیفہ خود نہایت دیندار اور پابند شریعت تھا"

شبلی کے اِس بیان کی تائید تاریخ کی دیگر کتابوں سے بھی ہوتی ہے۔ تاریخ طبری اور تاریخ الخلفاء میں اِس دور کی جو تصویر پیش کی گئی اس میں اسلامی شریعت کی پوری جھلک دکھائی دیتی ہے۔ طبری نے زید شہید کے خروج کے جو واقعات درج کئے ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے:۔

"حضرت زیدؒ اپنے برادر داؤد بن علی کوفہ گئے تو وہاں کے شرپسند لوگوں نے اپنی عقیدت کا اظہار کر کے اُنہیں خروج پر آمادہ کرنا چاہا۔ کوفہ کے والی یوسف کو ان حالات کا علم ہوا تو اپنے نائب عامل کوفہ کو حیرہ سے لکھا کہ تم زید کو کہو کہ کوفہ سے مدینہ چلے جائیں تاکہ کوئی ہنگامہ کھڑا نہ ہو۔ پہلے تو زید نے یہ عذر کیا کہ میں طلحہ بن عبداللہ سے اس کی مدینہ کی ایک جائیداد کا سودا کرنے کے لئے رُکا ہوا ہوں۔ لیکن جب پانچ چھ مہینے گذر گئے اور حالات زیادہ بگڑ گئے تو یوسف نے سختی سے اُن کو کہلوایا کہ آپ فوراً مدینہ چلے جائیں اور اپنے جس معاملہ کے لئے یہاں رُکے ہوئے ہیں اُس کے لئے کسی کو مختار بنادیں۔ یہ حکم پاکر زید کوفہ سے مدینہ کی طرف چل دیئے۔ کوفیوں نے اس کے بعد بھی اُن کا پیچھا نہ چھوڑا اور مقام ثعلبیہ پر پہنچ کر پھر اُنہیں اُکسایا اور قسمیں کھاکر کہا کہ ہم آپ کے لئے اپنی جانیں لڑا دیں گے۔"

داؤد بن علی نے اُن کے بلند بانگ دعویٰ سُنے تو اُنھوں نے حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۹۵ پر)

پہلے تو بہت سے لوگوں نے (حضرت) زیدؓ سے بیعت کی تھی مگر آخر میں بیٹھ رہے اور بے وفائی کی۔

یوسف بن عمر نے بڑی جمعیت کے ساتھ مقابلہ کیا، (حضرت) زیدؓ نے سخت جنگ کی، تا آں کہ اسی سال (سنہ ۱۲۲ھ) کے ماہ صفر میں مع اپنے ساتھیوں کے شہید ہو گئے اور مزبلۂ بول و براز پر اُن (کی لاش) کو پھانسی پر چڑھایا گیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۴ کا) حسین رضی اللہ عنہم کے واقعات کا حوالہ دے کر زید کو مشورہ دیا کہ وہ اُن کی باتوں پر یقین نہ کریں۔ اُنھوں نے کہا:۔

"کیا یہ وہی لوگ نہیں ہیں جنھوں نے آپ کے دادا حضرت حسینؓ کو مدینہ (مکہ ؟) سے بلوایا اور اُن کا ساتھ دینے اور حمایت کرنے کے لئے سخت سے سخت قسمیں کھائیں، مگر پھر بھی انہوں نے اُن کا ساتھ چھوڑ کر اُنھیں دشمن کے حوالہ کر دیا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اُنھیں شہید بھی کر کے چھوڑا۔ آپ ہرگز ہرگز اُن کی درخواست قبول نہ کریں اور اُن کے ہمراہ کوفہ واپس نہ جائیں۔"

اپنے برادر عزیز کا یہ نیک مشورہ سننے کے باوجود زید کوفیوں کی باتوں میں آ گئے۔ داؤد نے جب یہ حال دیکھا تو وہ زید کو تنہا چھوڑ کر مدینہ چلے گئے۔ حضرت زید نے کوفیوں کے بھروسہ پر خروج کر دیا۔ عین موقع پر کوفی لا یوفی الگ ہو گئے۔ زید نے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر فوج کا مقابلہ کیا، اور شہید ہو گئے۔

واضح رہے کہ یہ واقعہ ۱۲۲ھ کا ہے۔ بعض حضرات زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہو کر اس میں بھی حجاج بن یوسف کو الزام دیتے ہیں۔ چنانچہ غیاث اللغات کا فاضل مرتب رافضی کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"و فرقہ از شیعہ کہ بہ زید بن علی بن حسین بیعت کردند، بعد ازاں گفتند کہ از شیخین تبرا کن تا با تو ہمراہی کنیم۔ زید انکار نمود و گفت کہ چگونہ تبرا کنم از ایشاں کہ وزیر و معاون جد من بودند۔ پس ایشاں او را رفض کردند یعنی گذاشتند تا آنکہ حجاج او را شہید کرد۔"

حجاج کا انتقال ۹۵ھ میں اِس واقعہ سے ۲۷ سال پہلے ہو چکا تھا پھر بھی اُس کے مفروضہ مظالم میں ایک ظلم کا اور اضافہ کر دیا گیا۔

ولید ثانی بن یزید بن عبد الملک

نام :- ولید بن یزید بن عبد الملک -

کُنیّت :- ابو العباس -

والدہ :- اُمّ الحجاج بنت محمّد بن یوسف بن الحکم بن ابی عقیل الثقفی -

تاریخ بیعت :- جس وقت ہشام نے انتقال کیا -

ولید نے قبائل نزار کو تو پیش پیش رکھا، ہر بات میں ترجیح دی، اور اپنا خاص مقرّب بنا لیا، مگر قبائلِ یمن کے ساتھ بڑی خشک مزاجی و بدسلوکی سے پیش آیا، سب کو نظروں سے گرا دیا اور اُن کے شرفا و عمائد کے ساتھ استخفاف کرنے لگا -

خالد قسری، یعنی خالد بن عبد اللہ بن یزید بن اسد بن کُرز بن عامر بن عبد اللہ ابن عبد شمس بن غَمغَمَہ بن جریر بن شق الکاہل بن صعب بن لیشکرُ بن رُہم ابن اَفرک بن افصیٰ بن یزید بن قسُر بن عَبقَر بن اَنمار، اپنے زمانہ میں قبائل یمن کے سردار تھے، تمام اہلِ قبائل کی نظریں اُنھیں پر پڑتی تھیں وہ خود مُلکِ عراق اور اُس کے مضافات، اہواز و فارس و جبال (صوبۂ کوہستان یا قہستان) کے والی تھے اور اُن کے بھائی اسد بن عبد اللہ خراسان کے فرماں روا تھے، ولید بن یزید نے خالد کو اپنے عاملِ عراق یوسف بن عمر الثقفی کے سپرد کر دیا، جس نے انھیں کوفہ میں لے جا کے اتنا عذاب دیا کہ مار ہی ڈالا، اس موقع پر ولید نے ایک طویل قصیدہ کہا ہے جس میں قبائلِ یمن کو جھڑکیاں دی ہیں، اُن پر دانت کٹکٹائے ہیں، خالد کا ذکر کر کے قبائل نزار پر فخر کیا ہے، مطلع یہ ہے :-

الم تھتج فتذ کر الوصالا

(کیا تجھے ابھی جوش نہیں آیا، طبیعت میں ہیجان نہیں پیدا ہوا کہ اتصال باہمی کو یاد کرے)

وحبلاً کان متصلاً فزالا

(اور اُس رسی کو یاد کرے جس کے سرے ملے ہوئے تھے مگر اب نہیں ہے)

اسی قصیدہ میں ہے:۔

شددنا ملکنا ببنی نزار

(ہم نے اپنی حکومت و مملکت کو قبائل نزار کے ذریعہ سے مضبوط کرلیا)

وقوّمنا بھم من کان مالا

(اور جو لوگ منحرف ہو گئے تھے انھیں نزاریوں کے ذریعہ سے سیدھا کردیا)

وھذا خالدٌ فینا اسیراً

(اسی خالد کو نہیں دیکھتے کہ ہمارے قبضہ میں گرفتار ہے)

الا منعوہُ ان کانوا رجالا

(یہ لوگ اگر مرد تھے تو اس کو بچا کیوں نہ لیا)

عمیدھم، وسیدھم قدیماً

(خالد ان قبائل کا پرانا امیر تھا، قدیم سردار تھا)

جعلنا المخزیات لہ ظلالا

(ہم نے اسی کے لئے رسوائیوں اور فضیحتوں کا سایہ بان بنالیا)

ناراضی عوام اور پادشاہ کا انجام

ولید سے پے در پے ایسے افعال سرزد ہونے لگے جنھیں سب نے بُرا جانا، نتیجہ یہ ہوا کہ یزید بن الولید بن عبدالملک نے لوگوں کو ولید بن یزید ابن عبدالملک کے معزول کرنے کی دعوت دی جس کو تمام قبائلِ یمن نے بالاتفاق مان لیا، سب نے یزید کی مدد کی اور یزید کے ساتھ ہو کر ولید کے عاملِ دمشق کو گھیر لیا، اب اہلِ دمشق نے بھی یزید کی بات مان لی اور یزید کی بیعت کرلی، ولید اُس قلعہ میں تھا جو حصن الجزاء کے نام سے مشہور ہے اور حمص و دمشق کے درمیان خشکی کے متصل واقع ہے، یزید کے ساتھ وہاں پہونچ کے ولید کو قتل کر ڈالا۔

یہ واقعہ پنجشنبہ سنہ ۱۲۶ھ کا ہے جب کہ ماہِ جمادی الآخرہ میں دو راتیں باقی رہی تھیں، ولید کی عمر اس وقت بیالیس (۴۲) برس کی تھی۔

حکمؔ اور عثمان یہ دونوں ولید کے لڑکے اور ولی عہد تھے، جمہور نے ولید کو قتل کرنے کے بعد اُن کو بھی پکڑ لیا اور یہ دونوں بھی یوسف بن عمرالثقفی کے ساتھ دمشق میں قتل کر ڈالے گئے۔

ترانۂ کامیابی اَصبَغ بن ذُوالتہ الکلبی اسی باب میں کہتا ہے :-

ومَن مُبلغٌ قیساً وخندف کُلّھا

(کون ہے جو تمام قبیلۂ قیس و خندف کو جاکر خبر دے)

وسادا تھامن عبد شمسٍ وھاشم

(اور اُن قبائل کے سرداروں کو بھی اطلاع دے جو بنی عبد شمس اور بنی ہاشم ہیں)

قتلنا امیر المومنین بخالدٍ

(وہ یہ جاکے کہے کہ ہم نے خالد قسری کے بدلے امیر المومنین کو قتل کر ڈالا)

وبعنا ولیّی عھدہٖ بالدراھم

(اور امیر المومنین کے دونوں ولی عہدوں کو چند درم پر بیچ ڈالا)

خلف بن خلیفۃ البجلی کہتا ہے :-

ترکنا امیر المومنین بخالدٍ

(خالد قسری کے انتقام میں امیر المومنین کو ہم نے اس حالت میں چھوڑا ہے)

مکبّاً علی خیشومہٖ غیر ساجد

(کہ وہ اپنی ناک اور سر کے بل اوندھا ہو گیا ہے مگر سجدہ میں نہیں ہے)

وان ساف القسری سفرۃ ھالکٍ

(خالد قسری نے اگرچہ سفر موت کیا اور وہ مرگیا)

فانّ ابا العبّاسِ لیس بعائدٍ

(اگر ابو العباس یعنی ولید بھی اب لوٹ کر واپس آنے والا نہیں)

آقرّی معدٌّ بالھوان فانّنا

(اے قبیلۂ معد والو اب اپنی ذلّت کا اقرار کرلو)

قتلنا امیر المومنین بخالد

(کیونکہ خالد کے قصاص میں ہم نے امیر المومنین کو مار ڈالا)

مروان بن محمد

نام و نسب :- مروان بن محمد بن مروان بن الحکم -

کنیّت :- (۱) ابو عبداللہ (۲) ابو عبدالملک -

والدہ :- ایک اُمّ ولد لونڈی تھی جس کو زبادہ کہتے تھے، یہ پہلے ابراہیم بن الاشتر النخعی کی لونڈی تھی، ابراہیم کے قتل ہونے کے وقت محمدؔ ابن مروان کی ملک میں آئی، یہ اُس جنگ کا واقعہ ہے جب کہ ابراہیم مصعب ابن الزبیرؓ کے اور محمدؔ اپنے بھائی عبدالملک بن مروان کے مقدمتہ الجیش تھے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ لونڈی ابراہیم سے حاملہ تھی، محمدؔ ابن مروان کے ہاں آنے کے بعد اُس کے بطن سے مروان بن محمدؔ پیدا ہوا۔

کنیزک زادوں کی خلافت بنی اُمیّہ کو گوارا نہ تھی اس لئے کہ اُن کی رائے قائم ہو چکی تھی کہ سلطنتِ بنی اُمیّہ کا زوال ایک کنیزک زادہ کے ہاتھوں ہوگا، آخر مروان بن محمدؔ کی بدولت وہی ہوا۔

تاریخ بیعت :- دو شنبہ، ۱۴- صفر سنہ ۱۲۷ھ -

دارالملک :- حرّان، جو علاقۂ جزیرہ میں ہے، اس سے پہلے جتنے سلاطین بنی اُمیّہ فرماں روا ہوے سب کا مستقر دمشق ہی تھا، بعض ایسے بھی تھے کہ کچھ زمانے کے لئے دوسرے مقامات میں جا رہے مگر دمشق کی حیثیت برقرار رکھی، یہ مروان ہی تھا کہ حرّان کو دارالملک بنایا۔

شورشیں اور ہنگامے اُس کا زمانہ تمام تر فتنہ و فساد و جنگ و جدال ہی کا زمانہ رہا حالات اور معاملات کبھی درست نہ ہوے، اہلِ حمص نے مخالفت کی اور اُس کی اطاعت سے آزاد ہو گئے، مروان نے ان کا محاصرہ کر لیا اور کئی بار ان سے جنگ کی، اہلِ مصر نے بھی اس کو معزول کر دیا۔ مگر جب اُس نے فوجیں روانہ کیں تو پھر مطیع ہو گئے۔

سلیمان و ابان وغیرہ فرزندانِ ہشام بن عبدالملک نے بھی مخالفت کی جن کے ساتھ خاندانِ بنی اُمیّہ کے اور بھی بہت سے لوگ ہو گئے، ان سب نے متعدّد مرتبہ مروان سے جنگ کی۔

ثابت بن نعیم الجذامی نے بھی مخالفت کی اور فلسطین وغیرہ مُلکِ شام کے بہت سے صوبوں اور علاقوں نے اُس کا ساتھ دیا۔

فتنۂ خوارج مُحلّم بن ذمل بن شیبان الخارجی الصُفری کی اولاد میں سے ضحاک بن قیس الشیبانی نے عراق پر قبضہ کر لیا، خوارج میں نہ اس سے پہلے کوئی عراق پر قابض ہو سکا تھا اور نہ اس کے بعد کوئی غالب آیا۔

مروان سے مقابلہ کے لئے ضحاک نے عظیم الشان فوجوں کے ساتھ کوچ کیا، سلیمان بن ہشام بن عبدالملک نے بھی مع اپنے تمام غلاموں اور ساتھیوں اور بہادروں کے ضحاک کا ساتھ دیا، اور محض ساتھ ہی نہیں دیا بلکہ ضحاک کی اقتدا بھی کی اور ماتحتی بھی قبول کر لی، بعض شعرائے خوارج نے اسی باب میں فخریہ کہا ہے :۔

الم تر ان اللہ انزل نصرہ

(کیا تو نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالے نے اپنی مدد و نصرت نازل فرمائی)

وصلّت قریشٌ خلف بکر بن وائل

(اور قریش نے باایں ہمہ غرورِ عظمت، قبیلۂ بکر بن وائل کے پیچھے نماز پڑھی)

علاقۂ جزیرہ کے مقام کَفرتُوثا میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور بہت دنوں تک نہایت ہی سخت لڑائیاں ہوتی رہیں تا آنکہ ضحاک و جانشینِ ضحاکِ خیبری دونوں قتل ہوئے اور جو لوگ خوارج میں باقی رہ گئے تھے اِدھر اُدھر منتشر و پراگندہ ہو گئے۔

یہ واقعہ سنہ ۱۲۹ھ کا ہے۔

مکۂ مبارکہ پر چڑھائی عبداللہ بن یحییٰ الکندی، الملقب بہ طالب الحق، کی جانب سے فرقۂ خوارج اباضیہ نے ملکِ یمن سے کوچ کیا، ان کے سرلشکر (۱) ابوحمزۃ المختار ابن عوف الازدی (۲) اور بَلج بن عقبہ تھے، اسی سال عین حج کے دن، یہ لوگ مکہ میں آکر ٹھہر گئے، عاملِ مکہ عبدالواحد بن سلیمان بن عبدالملک ابن مروان نے اختتامِ موسمِ حج تک کے لئے ہنگامی آشتی کر لی، حج ہو چکا تو بھاگ کر مکہ کو خالی چھوڑ دیا اور مدینہ میں پناہ لی، خوارج مکہ میں جب داخل ہو گئے تو عبدالواحد نے اُن سے مقابلہ کرنے کے لئے ایک فوج طیار کی اور عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمرو (بن عثمانؓ) کو سالارِ فوج مقرر کیا۔

جنگ قُدَید صفر سنہ ۱۳۰ھ میں بمقام قُدَید مقابلہ ہوا جس میں عبدالعزیز کی جان گئی

اور ایک بڑی جمعیت (عبدالعزیز کی جانب سے) کام آئی، اس جمعیت میں خاص مدینہ کے سات سو آدمی تھے جن میں بیشتر قریش ہی کے لوگ تھے، اِکّا دُکّا جو بھاگ گیا وہ تو بچ رہا اور کسی کی جان نہ بچی، اسی کے متعلق مدینہ کی ایک سوگوار عورت کہتی ہے:-

مالِلزّمانِ ومالِیَہ

(زمانہ کو کیا ہو گیا اور خود مجھے بھی کیسا ہو گیا)

افنت قُدَیدٌ رجالِیَہ

(قدید نے تو میرے تمام بہادروں کو ہلاک کر ڈالا)

فلا بکینّ سریرۃً

(اب میں پوشیدہ طور پر فی الواقع رویا کروں گی)

ولا بکینّ علانیہ

(اور پوشیدہ ہی نہیں بلکہ علانیہ بھی گریہ و بکا میں سرگرم رہوں گی)

مدینۂ شریفہ خوارج کے قبضہ میں

مدینہ میں خوارج داخل ہو گئے اور تین مہینہ تک اُس پر قابض رہے، مروان نے ان کے مقابلہ کے لئے عبدالملک بن محمد بن عطیۃ السعدی کو روانہ کیا۔

سعدی منسوب بہ قبیلۂ سعد بن بکر بن ہوازن۔

عبدالملک کے ساتھ چار ہزار فوج تھی، وادی القریٰ میں دونوں فوجیں معرکہ آرا ہوئیں۔

خوارج کی شکست

بلج بن عقبہ (سرلشکر) اور بیشتر خوارج اس جنگ میں قتل ہوئے، ابو حمزہ نے بچ کر مکّہ کا رُخ کیا مگر عبدالملک نے جا پکڑا اور مکّہ ہی میں ابو حمزہ اور اصحابِ ابو حمزہ کی ایک جماعت کو قتل کر ڈالا۔

عبدالملک نے (ان سب سے فراغت حاصل کر کے) یمن کی راہ لی (جو خوارج کا مرکز تھا) وہاں عبداللہ بن یحییٰ سے نواحِ صنعا میں مقابلہ ہوا اور بڑے معرکہ کا رَن پڑا جس میں عبداللہ اور بیشتر رفقائے عبداللہ قتل ہوئے۔

یہ تمام واقعات اسی سال (سنہ ۱۳۰ھ) میں پیش آئے۔

آغازِ امر بنی عباس

خراسان میں (اس وقت) ابو مسلم (داعی دولتِ عباسیہ) کا معاملہ سختی و استواری اختیار کر چکا تھا، نصر بن سیار کو جو مروان

کی جانب سے خراسان کا عامل (فرماں روا) تھا ابو مسلم نے وہاں سے نکال دیا تھا۔

قحطبہ بن شبیب الطائی کو لشکرِ جرار کے ساتھ (مروانیوں کے مقابلہ کے لئے) روانہ کیا، جُرجان میں مروان کا عامل نباتہ بن حنظلۃ الکلابی تھا جس نے تقریباً تیس ہزار (۳۰،۰۰۰) فوج کے ساتھ مقابلہ کیا مگر قحطبہ نے اس کو شکست دی اور قتل کر ڈالا۔

اصفہان کا عامل عامر بن ضُبارۃ المرّی تھا، اُس نے چالیس ہزار (۴۰،۰۰۰) فوج سے مقابلہ کیا، قحطبہ نے اس کو بھی شکست دی اور قتل کر ڈالا۔

عراق پر قبضہ اور سفّاح کی بیعت

قحطبہ اب اپنی فوجیں لئے ہوئے عراق کی جانب روانہ ہوا (اُدھر سے) مقابلہ کے لئے یزید بن عمر بن ہُبیرۃ الفزاری چلا جو (عراق میں) مروان کا عامل تھا۔

دریائے فرات کے کنارے کوفہ کے متصل مقابلہ ہوا جس میں ابن ہُبیرہ کو شکست ہوئی اور قحطبہ نے (جو فاتح تھا اتفاقاً) دریا میں ڈوب کر جان دی۔

مُسَوِّدَہ[1] اب کوفہ کو روانہ ہوئے جہاں پہونچ کر ابو العبّاس السفّاح کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کر لی۔

مروان سے مقابلہ

عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن العباس رضی جو سفّاح کے چچا تھے ایک انبوہِ عظیم کے ساتھ مروان کے مقابلہ کو روانہ ہوئے، مروان بھی عظیم الشّان فوجیں لے کر بڑھا جو تعداد میں بہت بڑی اور جمعیّت میں سخت ہولناک تھیں۔

سنہ ۱۳۲ھ شنبہ کے دن، جبکہ ماہِ جمادی الآخرہ میں گیارہ (۱۱) شبیں باقی رہی تھیں، علاقۂ موصل کے مقامِ ذاب میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا جس میں مروان کو شکست ہوئی، عبداللہ بن علی مروان کی فوج پر متصرّف ہو گئے اور مروانیوں کی ایک بڑی جماعت قتل کر ڈالی۔

---

[1] مُسَوِّدَہ (بر وزنِ مُکَرِّمہ):۔ سیاہ پوشوں کی جماعت، بنی عبّاس کے پیرو جن کا لباس رسمی سیاہ تھا، مُبَیِّضَہ (سفید پوش) و مُحَمِّرَہ (سرخ پوش) وغیرہا کی جماعتیں بھی انہیں کے بالمقابل قائم ہوئی تھیں، جن کے حالات تاریخ میں مبسوط ہیں۔

مضامین و تحریرات کے لئے جو مُسَوَّدَہ اور مُبَیَّضَہ مشہور ہے وہ فی الاصل مُسْوَدَہ (بسکونِ سین وفتحِ داوٗ و تشدیدِ دال) اور مُبْیَضَّہ (بسکونِ با وفتحِ یا و تشدیدِ ضاد) ہے۔ اب اُردو کو اس واقعی تفریق کے باقی رکھنے کی ضرورت ہے، ورنہ تاریخ میں التباس آجائے گا۔

مقتل مروان

مروان وہاں سے بھاگا اور بھاگتا ہی رہا، حتیٰ کہ شام میں پہونچا، مگر فوجیں اُس کے تعاقب میں تھیں، آخر مصر کو گیا جہاں صعید (بالائی قطعۂ ملکِ مصر) کے مقام بوصیر اُشمونین میں قتل ہوا۔

یہ واقعہ اسی سال (سنہ ۱۳۲ھ) کی شب یکشنبہ کا ہے جبکہ ماہ ذی الحجہ میں تین (۳) راتیں باقی رہی تھیں۔

مروان کی عمر ستر برس (۷۰) تھی، اور ربقولِ بعض اس سے کم۔

عہدِ حکومت :۔ تا بقتل پانچ برس، دس مہینہ، گیارہ دن۔

مروان کی سیاست

مروان کی لال لال آنکھیں، گورا رنگ، مائل بہ سرخی، بھاری سر، چوڑے مونڈھے، بڑی ڈاڑھی تھی۔

آزمودہ کار، مستقل مزاج، جفاکش، تعب و تکلف میں ثابت قدمی کا خوگر تھا، قبیلوں کے درمیان شوشہ چھوڑ دیتا، ناراضی پیدا کرادیتا، اشتعال دلاتا، اور انھیں آپس میں لڑادیتا تھا۔

ادبار آچکا تھا مگر اس حالت میں بھی معاملات کو ہاتھ میں لیتا تو روبراہ لانے کی کوشش کرتا۔

قبیلۂ قیس عیلان کو اُس نے اپنا خاص مقرب بنالیا اور قبائل یمن سے بالکل منحرف ہوگیا، اور علانیہ اُن سے عداوت کرنے لگا، نتیجہ یہ ہوا کہ تمام یمنی اُس کے دشمن ہوگئے اور سب نے اُس سے جنگ کی ٹھان لی۔

عبدالحمید کاتب

مروان کے کاتب عبدالحمید تھے، ابن یحییٰ بن سعد بن عبداللہ بن جابر ابن مالک بن حجر بن مَعیص بن عامر بن لوئی بن غالب۔

عبدالحمید بڑے زباں آور، بلیغ انشاپرداز تھے، ان کے رسائل کا مجموعہ نقل در نقل چلا آتا ہے اور اُس کے اسلوب کا اتباع کیا جاتا ہے۔

میں نے فسطاط (دارالملک) مصر میں عبدالحمید کی اولاد بھی دیکھی تھی جو مہاجر کے نام سے مشہور رہیں، ان میں متعدد اصحاب (امراء) آلِ طُولون کی کتابت پر مامور تھے۔

نقشِ خاتم :۔ مروان کا نقش خاتم فوضت امری الی اللہ تھا، (یعنی میں نے اپنے امر کو اللہ کے سپرد کردیا)۔

قاضی :۔ عثمان بن عمر البتّی۔

حاجب :۔ صقلاب، جو مروان کا آزاد غلام تھا۔

مدّتِ سلطنت بنی اُمیّہ

ابو الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی کہتے ہیں :-
بنی اُمیّہ کی مدّتِ سلطنت، جیسا کہ ہم تاریخ میں بیان کر چکے ہیں، اُس وقت سے کہ (حضرت) حسن بن علی (رضی اللہ عنہٗ) سے صلح کی اور اُنھیں خلافت سپرد کر دی، اُس زمانہ تک کہ خاتمِ ملوک بنی اُمیّہ مروان بن محمدؔ قتل ہوا ہے، اکیانوے (۹۱) برس، سات مہینہ، ستائیس (۲۷) دن تھی۔

تاریخ وسیر کے راویوں اور حالاتِ پادشاہانِ عالم پر توجہ کرنے والوں نے اس مُدّت کے متعلق اختلاف کیا ہے اور ہمارے بیان سے چند مہینہ اور چند روز کم و بیش مدت بیان کی ہے مگر زیادہ مشہور وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔

علمِ ہیأت کے زیچ نویسوں نے ان سے بھی اختلاف کیا ہے اور اپنی کتابوں میں مقدارِ زمانۂ سلطنت بنی اُمیہ کچھ اور ہی لکھی ہے۔

بنی اُمیّہ و سلاطینِ مابعد کی مدّتِ سلطنت کے متعلق، اس وقت تک کہ سنہ ۳۴۵ھ ہے، جس فریق نے جو کچھ کہا ہے (ا) کتاب مُروج الذہب و معادن الجواہر فی تحف الاشراف من الملوک واہل الدرایات[۱]۔

---

[۱] مروج الذہب میں خلافت بنو اُمیّہ کی مدت ایک معمہ کی شکل میں بیان کی گئی ہے ملاحظہ ہو:-
"یہ کل مدت نوے سال گیارہ ماہ اور تیرہ دن ہوئے۔ اگر اس میں وہ زمانہ بھی شامل کر لیا جائے جس میں کہ مروان اپنے قتل ہونے تک بنی عباس سے لڑتا رہا تو یہ کل مدت اکیانوے سال سات ماہ اور تیرہ دن ہو جاتی ہے۔ اگر اس میں سے حضرت حسنؓ بن علیؓ کا عہد خلافت جو پانچ ماہ دس دن ہے اور عبد اللہ بن الزبیر کے قتل ہونے تک اُن کا عہد حکومت جو سات سال دس ماہ اور تین دن ہے نکال دیا جائے تو بنی اُمیّہ کی کل مدت حکومت تراسی سال چار ماہ رہ جاتی ہے۔ جو پورے ایک ہزار مہینے ہوتے ہیں۔
بعض لوگوں نے اللہ تعالےٰ کے اس قول لیلۃ القدر خیرٌ من الف شھر کی یہی تاویل کی ہے ان ہزار ماہ سے بنی اُمیّہ کا عہد مراد لیا ہے۔"

ان بعض آدمیوں میں خود مسعودی بھی شامل ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نہ تو وہ جمع اور تفریق کے یہ مہمل عمل کر کے ایک ہزار ماہ کی مدت پوری کرنے کی کوشش کرتے اور نہ بعض جگہ مدت میں کمی بیشی کرتے۔
ایک صریح غلطی تو یہ ہے کہ التنبیہ والاشراف میں صاف طور پر پوری مدت خلافت ۹۱ سال

(۲) کتاب فنون المعارف وما جری فی الدّہور السّوالف۔

(۳) کتاب الاستذکار لما جری فی سالف الاعصار میں کہ ہماری یہ کتاب (تنبیہ اشراف) اسی کا تتمہ اور اسی پر مبنی ہے، بیان کر چکے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴ کا)

سات ماہ ستائیس دن بتائی ہے۔ اور مروج الذہب میں پہلے نوّے سال گیارہ ماہ تیرہ دن اور پھر اکیانوے سال سات ماہ تیرہ دن بیان کی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر کا دور کتاب ہذا میں ۹ سال دو ماہ کی جگہ ۸ سال ۹ ماہ متعین کیا ہے۔ لیکن مروج الذہب میں مصلحتاً کمی کر کے یہ مدت صرف ۷ سال دس ماہ کر دی ہے۔ غرض مؤرخ موصوف نے اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے ایسی ہی ترکیبوں سے کام لیا ہے۔ تاہم یہ ضرور کہا جائے گا کہ اس مؤرخ نے کسی قدر درایتی انداز اختیار کیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں مولانا جلال الدین سیوطی نے خالص روایتی انداز اختیار کیا ہے جو انتہائی مضحکہ خیز ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"ترمذی کہتے ہیں کہ یوسف بن سعد سے مروی ہے کہ جس وقت امام حسن نے معاویہ سے بیعت کر لی تو ایک آدمی کھڑا ہو کر امام حسنؓ سے کہنے لگا کہ تو نے مسلمانوں کا منہ سیاہ کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تجھ پر رحمت فرمائے مجھے بُرا نہ کہہ کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شب خواب میں بنو امیہ کو منبر پر دیکھا تھا تو آپ کو بہت ناگوار معلوم ہوا تھا۔ اُسی وقت اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ۔ اور اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ نازل ہوئیں۔ یعنی نازل کیا ہم نے قرآن کو قدر کی رات میں اور تو کیا جانتا ہے کہ کیا ہے رات قدر کی۔ رات قدر کی بہتر ہے ہزار مہینہ سے۔ آپ کے انتقال کے ہزار مہینے کے بعد اے محمدؐ بنو امیہ مالک ہو جائیں گے۔ قاسم کہتے ہیں کہ ہم نے حساب لگایا تو امیر معاویہ کی بیعت بالکل ہزار ہی مہینہ کے بعد واقع ہوئی نہ کم و بیش۔ ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔ یہ حدیث قاسم ہی سے مروی ہے۔ اگرچہ وہ ثقہ ہیں مگر اُن کے اُستاد مجہول تھے۔ اسی حدیث کو حاکم نے اپنی مستدرک میں اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ حافظ ابو الحجاج کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے اور ابن کثیر بھی یہی کہتے ہیں۔"

اس پوری بحث سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ طریقہ استدلال کتنا عجیب ہے۔ ترمذی

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۶ پر)

اس کتاب کی صرف اتنی غرض ہے کہ اُن امور پر کچھ تھوڑی سی روشنی پڑ سکے، تشریح و توضیح مقصود نہیں ہے، یہ اسی لئے کہ پڑھنے والے بہ آسانی پڑھ سکیں اور روایت کرنے والوں کو یاد رکھنے میں سہولت ہو۔

(بقیہ حاشیہ ۲۰۶ کا)

نے اِس حدیث کو صرف اس وجہ سے غریب بتا کر کمزور کر دیا کہ اس کا ایک راوی ثقہ اور دوسرا مجہول ہے اگر کہیں دوسرا بھی ثقہ ہوتا تو پھر حدیث کو صحیح ماننے میں کوئی عذر نہیں تھا خواہ حقائق اس کے کتنے ہی خلاف ہوتے۔ قاسم کا یہ کہنا کہ "ہم نے حساب لگا کر دیکھا حضرت امیر معاویہ کی بیعت بالکل ہزار ہی مہینے کے بعد ہوئی نہ کم و بیش" کس حد تک صحیح ہے۔ علامہ سیوطی یا ترمذی اگر آنحضرت کے انتقال سے حضرت امیر معاویہ کی بیعت تک کی مدت کو جو صرف تیس سال ہے بارہ سے ضرب دے کر معلوم کر لیتے تو پتہ چل جاتا کہ تیس کا بارہ گنا محض ۳۶۰ ہوتا ہے۔ گویا جس مدت کو قاسم نے حساب لگا کر ایک ہزار مہینہ بتایا ہے وہ محض ۳۶۰ مہینے ہوتی ہے۔ یہ غلطی معلوم ہونے کے بعد پھر راویوں کے جانچنے اور روایت کا درجہ مقرر کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

مختلف ممالک میں بنی اُمیّہ کا تفرق و انتشار

مروان بن محمّد بن مروان کے قتل ہوتے ہی بنی اُمیّہ اپنی جان بچانے کے لئے مختلف ممالک میں منتشر ہو گئے۔

ان میں تقریباً اسّی (۸۰) آدمیوں کو عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ نے، علاقۂ فلسطین کے ساحل نہر ابی فطرس پر ناک کان کاٹ کے قتل کر ڈالا تھا۔

عبداللہ کے بھائی داؤد بن علی نے حجاز میں ایسا ہی کیا اور تقریباً اتنی ہی تعداد میں طرح طرح پر مثلہ کر کے بنی اُمیّہ کی جان لی تھی۔

مروان کے قتل ہوتے وقت دونوں فرزندانِ مروان عبداللہ، و عبیداللہ، کہ ولی عہد بھی تھے، مروان کے ساتھ ہی تھے، اہالی و موالی و خاصانِ عرب و متعلقینِ خراسان کہ شیعۂ بنی اُمیّہ تھے، ان میں سے جس نے ساتھ دیا ہمراہ لئے ہوئے مفرور ہو گئے اور جاتے جاتے صعید مصر کے علاقۂ اسوان میں پہونچے، وہاں سے رودِ نیل کے کنارہ کنارہ ہو لئے، تا آنکہ مُلکِ نوبہ میں داخل ہوے اور نوبیوں کے علاوہ دوسرے حبشی اقوام کے ملکوں میں بھی در آئے، پھر علاقہ بجّہ کے اندر بیچوں بیچ کا راستہ پکڑا، اور بحرِ قلزم کے ساحلی خطوں میں سے مقامِ باضع کے ارادہ سے چل کھڑے ہوے۔

عبیداللہ بن مروان

مفرورین بنی اُمیّہ اور اُن کی جماعت رفقا کو اس سفر میں بڑی بڑی مصیبتیں پیش آئیں، جن قوموں میں سے ہو کر گزرے اُن کے ساتھ لڑنا پڑا، جنگ و جدل کرنا پڑا، سخت زحمت و اذیّت اور بڑی ہی مضرّت سے دوچار ہوے۔

حتّٰی کہ عبیداللہ بن مروان کی تو اپنے متعدّد ہمراہیوں کے ساتھ، جان ہی پر آ بنی، کچھ قتل ہوے، کچھ پیاس کے مارے مرے اور بعض تکلیفیں برداشت کرتے کرتے واصل بحق ہوے۔

جو باقی بچے تھے اُنھوں نے بھی طرح طرح کی سختیاں دیکھیں اور گوناگوں عجائب و شدائد

میں مبتلا ہوئے۔

عبداللہ بن مروان

عبداللہ بن مروان کے ساتھ کچھ لوگ بچ رہے تھے، علاقۂ بَجَہ سے ساحلِ عَدَن کے مقام باضع میں پہونچے، پھر سمندر کو قطع کر کے جدّہ میں، جو مکّہ کا بندرگاہ ہے آئے۔

اہالی و موالی جو بچے بچائے ہمراہی تھے سب اپنے اپنے بھیس بدلے چُھپے چُھپائے ملکوں ملکوں پھرتے رہے۔

پہلے تو پادشاہ تھے مگر اب اسی پر راضی تھے کہ ادنٰی بازاری بن کر تو جینے پائیں۔

ابوالعبّاس سفّاح کے زمانہ میں عبداللہ بن مروان پکڑ لئے گئے اور قید میں ڈال دیئے گئے جب تک ابوالعبّاس زندہ رہے، پھر ان کے بعد منصور، پھر مہدی پھر ہادی کے زمانہ تک قید ہی رہے، رشید (ہارون) نے (اپنے زمانہ میں) رہا کیا، قید خانہ سے نکالا تو عبداللہ اندھے ہو چکے تھے اور بوڑھے تھے، کیفیت پوچھی تو کہا:۔

"یا امیرالمومنین احبِسۡتَ غلاماً بصیراً و اُخرِجۡتُ شیخاً ضریراً"

(امیرالمومنین! جب قید ہوا ہوں تو لڑکا تھا اور میری آنکھیں روشن تھیں، اب جو نکالا گیا ہوں تو بوڑھا ہوں اور بصارت زائل ہو چکی ہے)۔

کہا جاتا ہے کہ رشید ہی کے زمانہ میں عبداللہ انتقال کر گئے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رشید کے زمانہ میں وفات نہیں پائی بلکہ امین کے زمانہ میں۔

عاملِ افریقیہ کے کرتوت

مروان کی جانب سے افریقیہ کا عامل (فرماں روا۔ حکمدار۔ گورنر جنرل) عبدالرحمٰن ابن حبیب الفہری تھا، مروان جن دنوں مصر میں تھا عبدالرحمٰن نے اُس سے مراسلت کی تھی اور اپنے پاس آنے کی ترغیب دلائی تھی۔ خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ میری فوجیں بہت ہیں تعداد کثیر ہے، اور مُلک محفوظ ہے۔

لکھنے کو تو لکھ دیا مگر اس رائے پر نظرِ ثانی کی تو معلوم ہوا کہ مروان اگر آ گیا تو میری منزلت جاتی رہے گی خود مختاری مٹ جائے گی، اور) مروان کے متعلقین و افواج میں ایک نفر جیسا میں بھی رہ جاؤں گا، پھر مُسَوَّدَہ بھی مروان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور وہ اُس کا تعاقب کریں گے۔

اس خیال کا آنا تھا کہ مروان کو دوسرا خط لکھا کہ یہاں کے لشکر کو یہ امر ناگوار ہے۔

لیکن مروان نے جلدی کی (خط پہونچنے بھی نہ پایا کہ افریقیہ کے ارادہ سے وہ چل کھڑا ہوا)

رودِ نیل کو عبور کر کے صعید پہونچا اور وہاں قتل ہو گیا۔

دوسری روایت

یہ بھی کہا گیا ہے کہ عبدالرحمٰن نے جس خط میں مروان سے افریقیہ آنے کی استدعا کی وہ مروان کو اُس وقت ملا جب کہ مُسَوِّدَہ فسطاط مصر میں داخل ہو چکے تھے، مروان کو ان سے بچ کر نکل جانے کی جلدی تھی، لہٰذا رودِ نیل کو مغربی ساحل سے عبور کر کے بوصیرِ اشمونَینْ پہونچا جو صعید کے علاقہ میں ہے، غرض یہ تھی کہ واحات کے راستہ سے افریقیہ پہونچ جائے، مگر مُسَوِّدَہ بھی عبور کر کے پہونچ گئے، شبخون پڑا، اور مروان قتل ہو گیا۔ عبدالرحمٰن نے کوئی ایسا خط نہ لکھا تھا جس میں مروان کو اپنے پاس آنے سے روکا یا تذبذب میں ڈالا ہو۔

(واحات:۔ جمع وَاحَہ، ریگستانی نخلستان، جس طرح سمندر میں جزیرہ ہوتا ہے اُسی طرح بے آب و گیاہ ریگستان میں جو سر سبز و شاداب قطعہ نکل آتا ہے اُسے وَاحَہ کہتے ہیں۔ جزیرہ، سمندر کا ٹاپو۔ وَاحَہ، خشکی کا ٹاپو)۔

دو شہزادوں کا قتل

مروان جب قتل ہو گیا تو بنی اُمیّہ کی جماعت عبدالرحمٰن بن حبیب الفہری کے پاس پہونچی، یہ لوگ اپنے متعلق امید لے کر یہاں آئے تھے۔ خاص خاص لوگ اُن میں یہ تھے:۔

(۱) عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان بن الحکم۔

(۲) توّی بن الولید بن یزید بن عبدالملک۔

(۳) عاص بن الولید بن یزید۔

عبدالرحمٰن بن حبیب کو فرزندانِ ولید کی کوئی حرکت ناگوار گذری، لہٰذا دونوں کو قتل کر ڈالا اس واقعہ نے عبدالرحمٰن بن معاویہ کو اس کی جانب سے نہایت خوف زدہ کر دیا، وہ بھاگے اور وہاں سے مفرور ہو گئے۔

اُندلس (سلطنت بنی اُمیّہ)

عبدالرحمٰن الداخل

وہ آبنائے (مجازًا) جو بحرِ محیطِ اوقیانوس سے بحرِ روم تک افریقیہ واندلس کے درمیان ہے، عبدالرحمٰن بن معاویہ اُس کو عبور کرکے اندلس پہونچے جس کا عامل یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری تھا۔

اندلس میں قبائل یمن وقبائل نزار کے مابین کئی سال سے تعصّب پھیلا ہوا تھا اور سخت ہنگامے ہوتے چلے آرہے تھے۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ کو اندلس پر قبضہ ہو جانے کی اُمید بندھ گئی، قبائلِ یمن سے مراسلت کی، انہیں اپنی حکومت تسلیم کرانے کی دعوت دی، اور اپنے آزاد غلام بدر کو اُن کے پاس بھیجا، یمانیوں نے عبدالرحمٰن کی بیعت کرلی اور فی الفور اُن کے حلقۂ اطاعت میں آگئے۔

یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری کو اس معاملہ کی اطلاع ہوئی تو قبائل نزار وغیرہ اعوان وانصار کو لئے ہوئے مقابلہ کو چلا، فریقین میں سخت جنگ ہوئی، یوسف بن عبدالرحمٰن منہزم ہوا اور اُس کے ساتھی بُری طرح قتل ہوئے۔

یہ واقعہ سنہ ۱۳۹ھ کا ہے۔

عبدالرحمٰن ملکِ اندلس پر قابض ہوگئے۔

مملکتِ اندلس

یہ ایک جلیل القدر اقلیم اور عظیم الشان مملکت ہے، اس کا رقبہ چالیس (۴۰) دن کی مسافت اور عرضاً بھی اسی قدر ہے، اس میں بکثرت شہر اور مسلسل آبادیاں اور عمارتیں ہیں۔

مخالفین کو عبدالرحمٰن نے بزورِ شمشیر مطیع کیا، سرکشوں سے لڑ لڑ کے حکومت استوار کرلی، حتیٰ کہ سب کے سب فرماں بردار ہوگئے۔

بنی عباس میں سے کسی ایک کا خطبہ بھی آج تک اندلس میں جاری نہ ہوسکا، اسی لئے ہم نے یہ ایک مستقل باب جدا کر دیا ہے کہ سلاطینِ اندلس کے نام بیان کردیں، کیونکہ بنی اُمیّہ کی ایک مستقل سلطنت ہے اور آج تک انھیں کے قواعد وضوابط وہاں قائم ہیں، نہ کوئی تبدیلی ہوئی ہے اور نہ اس خاندان سے کسی دوسری شاخ میں یہ ملک منتقل ہوا ہے۔



نقشہ خلافت اندلس
بعہد الرحمٰن الناصر
سنہ ۳۰۰ھ تا سنہ ۳۵۰ھ
۹۱۲ء ۹۶۱ء
(مسعودی کا ہمعصر)

سلاطین بنی اُمیّہ اندلس

(۱) عبدالرحمٰن نے تینتیس (۳۳) برس چار مہینہ اندلس پر حکومت کی، اور غرّۂ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۷۲ھ کو انتقال کر گئے۔

(۲) ہشام بن عبدالرحمٰن بن معاویہ، مدتِ حکومت سات (۷) برس نو مہینہ، وفات ماہ صفر سنہ ۱۸۰ھ

(۳) حکم بن ہشام بن عبدالرحمٰن، ستائیس (۲۷) برس ایک ماہ پچیس دن۔ وفات ستائیس (۲۷) ذی الحجہ سنہ ۲۰۶ھ

(۴) عبدالرحمٰن بن الحکم بن ہشام، بتیس (۳۲) برس، چار مہینہ، وفات ربیع الآخر سنہ ۲۳۸ھ۔

(۵) محمد بن عبدالرحمٰن بن الحکم، چونتیس (۳۴) برس، دس مہینہ بیس دن، وفات ۲۹ صفر سنہ ۲۷۳ھ۔

(۶) مُنذِر بن محمد بن عبدالرحمٰن، ایک سال گیارہ مہینہ تیرہ دن، وفات ۱۵ صفر سنہ ۲۷۵ھ

(۷) عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن، برادر مُنذِر بن محمدؒ پچیس (۲۵) برس پندرہ دن، وفات شب ہلال ربیع الاوّل سنہ ۳۰۰ھ

(۸) عبداللہ بن محمدؒ کے بعد اُن کے پوتے عبدالرحمٰن پادشاہ ہوئے، عبدالرحمٰن بن محمدؒ بن عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن بن الحکم بن ہشام بن عبدالرحمٰن (الداخل) ابن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان بن الحکم، آج تک کہ سنہ ۳۴۵ھ ہے، عبدالرحمٰن ہی اندلس کے پادشاہ ہیں، پینتالیس (۴۵) برس سے وہ سلطنت کر رہے ہیں، ان کا مُلک آباد ہے اور ملک بھر میں عدل وانصاف شامِل حال ہے۔

خلافت بنی اُمیّہ

عبدالرحمٰن کے آباؤ اجداد جو اندلس کے پادشاہ تھے، اور اُن کے نام ہم لکھ چکے ہیں، کسی کا بھی اُن میں امیرالمومنین لقب نہ تھا، بلکہ بنی الخلائف (یعنی فرزندانِ خلفاء) کہے جاتے تھے، عبدالرحمٰن پادشاہ ہوئے تو اُن کو (قوم کی جانب سے) امیرالمومنین کا خطاب دیا گیا، جو فرمان اُن کی طرف سے جاری ہوئے اور جو معروضہ اُن کے حضور میں گزرے سب میں اسی لقب کا استعمال ہوا اور برسرِ منبر امیرالمومنین کی حیثیت میں اُن کا خطبہ پڑھا گیا۔

عبدالرحمٰن نے اپنے بیٹے حکم بن عبدالرحمٰن کو اپنا ولی عہد بنایا ہے اور اپنی تمام اولاد میں سے انہیں کو منتخب کیا ہے، کیونکہ حَکَم کے آثار نجابت کا عبدالرحمٰن تجربہ کر چکے ہیں اور جہاں گیری اور جہاں بانی میں اُن کی سیاست واضح ہو چکی ہے۔

(۱) مجملات اندلس

مسعودی کہتے ہیں:۔

"اخبار المسعودیات" میں کہ ہمیں سے منسوب ہے اور کتاب "اصل المجالس" میں اندلس کے مذکور الصدر فرماں رواؤں کے حالات ہم بیان کر چکے ہیں' ان سب کی سیاست بھی لکھی ہے اور ہمسایہ فرنگی اقوام جلالقہ وجاسقس دوشکنش وقرمانیش و غوطش وغیرہ کے ساتھ بحر و بر میں اُن کی جو لڑائیاں ہوئیں ان سب کی تشریح بھی کر دی ہے۔

طارق نے کہ موسیٰ بن نُصَیر کے آزاد غلام تھے سنہ ۹۲ھ میں بعہدِ حکومتِ ولید ابن عبد الملک، اندلس کو فتح کیا تھا اور سمندر کو پار کر کے وہاں پہونچے تھے اور پادشاہِ اسپین لُزریق (راڈرک) کو قتل کیا تھا۔

طارق کے بعد خود موسیٰ بن نُصَیر بھی سمندر پار کر کے اندلس پہونچے اور اقوام اندلس سے مقابلہ کیئے، عجائب وغرائب مشاہدہ میں آئے، مائدۂ ذہب (سونے کی میز یا سونے کا خوان) ہاتھ لگا اور وہ گھر ملاحظہ میں آیا جس میں قدیم پادشاہان اسپین کے تاج رکھے تھے۔

یہ تمام واقعات، اُس وقت سے آج تک کے، کتب مذکورہ میں مبسوط ہیں۔

(۲) مجملات افریقیہ

کتاب "فنون المعارف وما جری فی الدہور السوالف" میں ممالک افریقیہ کی لڑائیاں اور واقعات اور حملے یہ سب ہم بیان کر چکے ہیں، جب سے یہ ملک فتح ہوا ہے اُس زمانہ سے (اب تک کے) حالات مدوّن ہیں۔

افریقیہ میں موسیٰ بن نُصَیر کے واقعات، موسیٰ کے بعد جتنے فرماں روا گزرے (اُن سب کے حالات کا تذکرہ ہو چکا ہے) تا آنکہ رشید (ہارون عبّاسی) کے عہد میں ابراہیم بن الاغلب بن سالم بن تمیم بن شوادہ التمیمی افریقیہ کے حاکم ہوئے، اُن کے اور اُن کے بعد اُن کی اولاد کے حالات بھی بیان ہو چکے ہیں حتیٰ کہ داعیٔ طالبیین ابو عبداللہ شیعی معروف بہ محتسب نے بنی الاغلب کے ملک پر قبضہ کر لیا اور ان لوگوں کے ہاتھ سے حکومت نکل گئی۔

افریقیہ میں حکومتِ شیعہ

ابو عبداللہ شیعی نے قوم بربر کے قبیلۂ کتامہ کو لے کر بنی الاغلب الاغلب پر خروج کیا، فریقین میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں (جب بنی الاغلب کا استیصال ہو گیا اور ابو عبداللہ کا تسلط بیٹھ گیا تو) اُس نے عبیداللہ (مورثِ سلطنت عبیدیہ افریقیہ) کو حکومت سپرد کر دی، عبیداللہ نے اُس کو قتل کر ڈالا۔

اُس کے بعد بہت سے واقعات پیش آئے، عبید اللہ نے شہرِ مہدیہ آباد کیا اور ملکِ مصر پر قبضہ کرنے کے لئے بار بار فوجیں روانہ کیں۔

یہ واقعہ سنہ ۳۰۴ھ کا ہے۔

آخر وفات پائی۔

خروج ابویزید خارجی

عبید اللہ کے بعد ابوالقاسم عبدالرحمٰن کو حکومت ملی۔ ابویزید مَخلَد ابن کیداد نے ابوالقاسم پر خروج کیا، یہ شخص قوم بربر کے قبیلۂ زناتہ میں خاندانِ بنی یفرَن کا (سرگروہ) تھا، خوارج کے فرقۂ اباضیہ کا ایک شعبہ نکاریہ ہے، یہ اسی شاخ کا ثمرہ تھا، اباضیوں کی جمعیّت ساتھ تھی۔

ابوالقاسم کی فوجوں کے ساتھ بہت سے واقعات پیش آئے بہتیری لڑائیاں ہوئیں، کتنے ہی لوگ مارے گئے، حتّٰی کہ افریقیہ کے بیشتر ممالک پر قبضہ ہو گیا اور اُس نے (دارالملک، مہدیہ میں ابوالقاسم کا محاصرہ کر لیا۔

یہ محاصرہ اتنے زمانہ تک رہا کہ ابوالقاسم نے اسی حالتِ محصوری، میں وفات پائی۔

اسماعیل بن ابی القاسم

ابی القاسم کے مرنے پر اُن کے بیٹے اسماعیل نے محاصرہ توڑ دیا اور شہر سے نکل کر ابویزید سے مقابلہ کیا، متعدد معرکے ہوئے، ابویزید کی جمعیت کم ہوتی گئی اور (اُسی کی، فوجیں اُس سے جُدا ہوتی گئیں، اب اسماعیل نے گھیر لیا اور ابویزید کو محصور ہونا پڑا، حتّٰی کہ سنہ ۳۳۶ھ کے ماہ محرم کی پانچ شبیں باقی تھیں کہ ابویزید قتل ہو گیا۔

ان لڑائیوں میں جو لوگ مارے گئے (آغازِ خروج سے ابویزید کے انجام تک) اُن میں جس قدر تعداد شمار میں آسکی وہ تقریباً چار لاکھ تھی۔

اَلمُعِزّ لِدِینِ اللہ بانیٔ خلافتِ مصر

اسماعیل کے مرنے پر اُن کے بیٹے فرماں روا ہوئے جن کا نام معد اور کُنیّت ابوتمیم تھی (اُنھوں نے بڑی سطوت وجبروت سے سلطنت کی، جوہر صقلی انہیں کا سپہ سالار تھا جو اصل میں سسلی کا ایک عیسائی لڑکا تھا اور اسلامی فتوحات کی ذیل میں دربارِ مہدیہ تک پہونچا تھا اُس نے اُس کو اتنی ترقی دی کہ قائدِ اعظم ہو گیا، ملکِ مصر کا فاتح اور شہر قاہرہ کا بانی وہی تھا اس ملک کے فتح ہونے پر بادشاہ نے اسی کو مرکزِ سلطنت بنا لیا، اپنی خلافت کا اعلان کیا جو نہایت

شان و شکوہ کی تھی؛ خطاب خلافت المعز لدین اللہ تھا) اب تک (یعنی تا بعہدِ مصنف) یہی پادشاہ حکمراں ہے۔

یہ اور اس کے علاوہ جو واقعات پیش آئے کتاب "تقلب الدّول وتغیر الآراء والملل" میں شرح و بسط سے ہم بیان کر چکے ہیں، اس مختصر میں تو صرف مجملات ہیں کہ ہماری کتابوں میں ان سب عنوانات کے متعلق جو تذکرے ہیں اُن کو یاد دلائیں۔

القاب ملوک بنی اُمیّہ

جو لوگ تمام بنی ہاشم سے منحرف ہیں، خواہ وہ بنی ہاشم کی اُس شاخ کے ہوں جو ابوطالب سے نکلی ہے یا اُس شاخ کے جس کی اصل (حضرت) عباس (رضی اللہ عنہ) تھے، یہ لوگ بنی اُمیّہ کے جانب دار اور اُن کے خلیفہ و امام ہونے کے قائل ہیں، ان میں سے ایک مُتاخِّر مورخ کو میں نے دیکھا ہے جس نے بیان کیا ہے کہ بنی اُمیّہ میں جتنے فرماں روا گزرے ہیں سب کے خطاب بھی تھے اور خلفاے بنی عباس کی طرح وہ بھی لقب رکھتے تھے، مؤرخ مذکور نے اس باب میں دو روایتیں ذکر کی ہیں:۔

پہلی روایت

محمد بن عبد اللہ بن محمد القرشی نے مُصعَب بن عبد اللہ سے مُصعَب نے عبد اللہ سے، عبد اللہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ عبد الملک بن مروان کے آزاد غلام "سابق" نے مجھ سے بیان کیا کہ امیر المومنین عبد الملک کو میں نے یہ کہتے ہوئے سُنا ہے:۔

(۱) امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیان کا لقب "الناصر لحق اللہ" تھا (یعنی اللہ کے حق کی نصرت کرنے والے)۔

(۲) یزید بن معاویہ:۔ المستنصر علی الزّیغ (گمراہی پر فتحیاب ہونے والا)

(۳) معاویہ بن یزید:۔ الرّاجع الی اللّٰہ (خدا کی جانب رجوع کرنے والا)

(۴) مروان :۔ المومن باللّٰہ (خدا پر ایمان لانے والا)

دوسری روایت

ابو مُطَرِّف نے اپنے والد سے اور اُنہوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے:۔

(۵) عبد الملک کا لقب "الموفق لامر اللّٰہ" تھا (یعنی اللہ کے حکم کو ترجیح دینے والا)۔

(۶) ولید بن عبد الملک:۔ المنتقم للّٰہ (خدا کے لئے دشمنانِ خدا سے انتقام لینے والا)۔

(۷) سلیمان بن عبد الملک:۔ المهدی (ہدایت یافتہ) یہ خطاب لوگوں نے سلیمان کو دیا تھا،

کیونکہ بر سرِ منبر جو کچھ ہوتا تھا (یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ و رضی اللہ عنہ کو بر سرِ منبر جو گالیاں دی جاتی تھیں)، اس کا سلسلہ منقطع کر دیا اور عمر بن عبدالعزیز کو اپنا ولی عہد بنایا، ورنہ خود سلیمان نے اپنا لقب "الداعی الی اللہ" قرار دیا تھا (یعنی اللہ کی جانب دعوت کرنے والا)۔

(۸) عمر بن عبدالعزیز :- المعصوم باللہ (خدا کی عنایت سے محفوظ رہنے والے)۔

(۹) یزید بن عبدالملک :- القادر بصنع اللہ (خدا کے حسنِ صنعت سے سب کچھ قدرت رکھنے والا)

(۱۰) ہشام بن عبدالملک :- المتخیر من اللہ (خدا سے خیر حاصل کرنے والا)۔

ہشام کا نام "منصور" رکھا گیا تھا، سبب یہ ہے کہ ہشام کی پیدائش اُس موقت ہوئی جب مُصعب بن الزُبیر کے قتل کا خط آیا ہے، عبدالملک کے آنے پر جب یہ بچّہ روبرو لایا گیا اور اُس کا نام بتایا گیا تو عبدالملک نے کہا :- یہ نام تو ہمارے خاندان کا نہیں ہے، اس کا اس کے نانا کے نام پر ہشام نام رکھو اور منصور سے ملقّب کیا کرو رہ یہ نام و خطاب اُس وقت تک رہا کہ یزید نے ہشام کو ولی عہد قرار دیا جس کے بعد "المتخیر من اللہ" لقب پڑا۔

(۱۱) ولید بن یزید :- المکتفی باللہ (خدا ہی پر کفایت کرنے والا)۔

(۱۲) یزید بن الولید :- الشاکر لانعم اللہ (خدا کی نعمتوں کا شکر کرنے والا)۔

(۱۳) ابراہیم بن الولید :- المتعزز باللہ (خدا سے عزت و غلبہ حاصل کرنے والا)۔

(۱۴) مروان بن محمد :- القائم بحق اللہ (خدا کے حق کے ساتھ قائم رہنے والا)۔

(۱۵) عبدالعزیز بن مروان جب ولی عہد تھا تو منبروں پر "المعظم لحرمات اللہ" (خدا کی حرمتوں کی بزرگداشت کرنے والا) کے خطاب سے اُس کے لئے دعا کی جاتی تھی۔

(۱۶) مَسلَمہ بن عبدالملک نے خلیج قسطنطنیہ پر جب اپنا شہر آباد کیا تو اُس کا نام "مدینۃ القھر" (غلبہ والا شہر) رکھا اور اپنا نام "القاہر بعون اللہ" (خدا کی مدد سے غلبہ پانے والا) قرار دیا۔

دونوں روایتوں پر تبصرہ

مسعودی کہتے ہیں :- مورخ مذکور نے اگرچہ یہ دونوں روایتیں کی ہیں مگر تمام مورخین اس کے مخالف ہیں، جو بات اُس نے بیان کی ہے اگر درست ہوتی تو ظاہر و مشہور و متواتر ہوتی مجہول نہ ہوتی، ایسی منقول روایتوں میں اور موروث امور میں اُس کا تذکرہ آتا جن کو رد کرنے کے لئے کوئی عذر و حیلہ ممکن نہ ہوتا، جب تمام حاملانِ اخبار و ناقلانِ سیر و آثار نے بالاتفاق اس کا ذکر تک نہیں کیا اور نہ مصنفین کتب تاریخ و سیرت نے کہ بنی اُمیّہ

کے حالات بیان کئے ہیں اور اُن کے واقعات کی تشریح کی ہے، اور ان میں ایسے بھی ہیں جو بنی اُمیّہ کے دوست تھے، اُن سے موالات رکھتے تھے اور وہ بھی ہیں جو اُن سے منحرف تھے، جب ان سب میں سے کسی نے بھی یہ باتیں نہیں لکھیں تو معلوم ہوا کہ یہ بے اصل ہیں۔

تاریخ مناقب بنی اُمیّہ

سنہ ۳۲۴ھ میں علاقہ اُردن واقع مُلکِ شام کے شہر طبریہ میں ایک صاحب کے پاس جو بنی اُمیّہ سے موالات رکھتے ہیں، علم و ادب کے مدّعی اور عثمانیت کے جانب دار ہیں، میں نے ایک کتاب دیکھی جس میں تقریباً تین سو ورق تھے اور گٹھا ہوا گنجان خط تھا، اس کتاب کا نام "البراہین فی امامۃ الامویین ونشر ماطوی من فضائلہم" تھا (یعنی بنی اُمیّہ کی امامت و خلافت کے دلائل اور اُن کے فضائل کی اشاعت جن پر آج کل پردہ پڑا ہوا ہے) اس کتاب کے ابواب و عنوانات اور تفصیل مباحث کا خلاصہ یہ ہے:-

(۱) اس کتاب میں (حضرت) عثمان بن عفّان (رضی اللہ عنہ) و معاویہؓ و یزید بن معاویہ و معاویہ بن یزید و مروان بن الحکم و عبد الملک بن مروان اور بعد کے مروانیوں کی خلافت کا تذکرہ ہے، تا بہ مروان بن محمّد بن مروان بن الحکم۔

(۲) عبد الرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبد الملک کا بیان ہے اور لکھا ہے کہ مروان بن محمّد نے اُن کی خلافت پر نص کیا تھا اور اپنے بعد اُنہیں کو ولی عہد بنایا تھا۔

(۳) عبد الرحمٰن کی اولاد میں باقی جتنے فرماں روایان بنی اُمیّہ نے اندلس میں سلطنت کی ہے اور جن کا تذکرہ ہم پہلے ہی کر چکے ہیں، اُن سب کے حالات سنہ ۳۰۰ھ تک بیان کئے ہیں۔

(۴) اندلس کے فرماں روائے حال عبد الرحمٰن بن محمّد کے واقعات بیان کئے ہیں، جو اس وقت کہ سنہ ۳۴۵ھ ہے، وہاں کے بادشاہ ہیں۔

(۵) ان میں سے ہر ایک کے فضائل و مناقب لکھے ہیں اور اُن امور کی تشریح کی ہے جن کے باعث وہ خلافت و امامت کے مستحق ٹھہرے، سب کے نام دیئے ہیں، ناموں کے متعلق نصوص بیان کئے ہیں کہ اعیانِ بنی اُمیّہ میں ہر فرد کی خلافت منصوصاً ہوئی ہے اور ہوگی۔

(۶) ایسی روایتیں لکھی ہیں جن کی نسبت تواتر کا دعویٰ ہے اور روایات متواترہ کی حیثیت میں انھیں پیش کر کے شیعۂ عثمانیہ و اولیائے ابی سفیان و انصارِ مروان سے اُن کو منسوب کیا ہے۔

(۷) ان روایات کے ساتھ ہی ساتھ (الف) منصوصات و منقولات میں اہلِ امامت یعنی جمہور شیعہ سے معارضہ ہے۔

(ب) اصحابِ اختیار، یعنی معتزلہ، زیدیہ، خوارج، مُرجیہ، حشویہ، نابتہ کے اقوال پر استدلال کیا ہے اوران کو فاسد بتایا ہے۔

(ج) اُن اہلِ حدیث سے مناقضہ کیا ہے جو (حضرت) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی خلافت کو منصوص قرار دیتے ہیں، ایسے ہی مناقضات خوارج کے فرقۂ بَیْہَسِیَّہ و فرقۂ بکریہ وغیرہا سے بھی کئے ہیں، بکریہ منسوب بہ بکرؔ خواہرزادۂ عبدالواحد۔

(د) سب کو ملزم بنایا ہے، سب سے معارضہ کیا ہے، اور سب کے متعلق معترضانہ مسائل پیش کئے ہیں۔

(۸) سب کے بعد آنے والے حوادث کا بیان ہے جو زمانۂ مستقبل میں پیش آئیں گے، پیش گوئیاں درج کی ہیں کہ:-

(الف) پھر بنی اُمیّہ کو غلبہ ہوگا اور اُنہیں کو سلطنت ملے گی۔

(ب) خاندان ابوسفیان کا ایک شخص مُلک شام کی وادی یابس (خشک ندی) کے پاس ظہور کرے گا جس کے ساتھ قبائل غسّان و قضاعہ و لخم و جذام ہوں گے، وہ حملہ کرے گا اور لڑائیاں لڑے گا۔

(ج) بنی اُمیّہ اندلس سے مُلکِ شام میں چلے آئیں گے۔

(د) ان کے گھوڑے سفید مائل بہ سیاہی اور جھنڈے زرد رنگ کے ہوں گے، جو واقعات اُن کو پیش آئیں گے، جو لڑائیاں، حملے اور پیش قدمیاں اُنہیں کرنی پڑیں گی، اُن کا بھی تذکرہ ہے، اس کتاب میں نہ بنی اُمیّہ کے خطاب و القاب ہیں اور نہ کچھ اس عنوان کا بیان ہے۔



نقشہ سلطنت اسلامیہ
خلافتِ بنی اُمیہ
سنہ ۴۱ھ تا ۱۳۲ھ
۶۶۱ء ۷۵۰ء

خلافتِ بنی عباس

ابی العباس السفاح

نام :۔ عبداللہ۔

کنیت :۔ ابوالعباس۔

لقب :۔ سفاح (خوں ریز) پہلے "المہدی" خطاب تھا۔

نسب :۔ عبداللہ بن محمد بن عبداللہؓ بن العباسؓ بن عبد المطلب۔

سلسلۂ مادری :۔ سفاح کی ماں ریطہ تھیں، بنت عبید اللہ بن عبداللہ ابن عبدالمدان بن الدیان بن قطن بن زیاد بن الحارث .... بن مالک بن ربیعۃ ابن کعب بن الحارث .... بن کعب بن عمرو بن علۃ بن جلد بن مالک بن اُدد بن زید ابن یشجب بن یعرب بن قحطان۔

تاریخ بیعت :۔ شب جمعہ، ۱۳۔ ربیع الآخر ۱۳۲ھ۔

مقام بیعت :۔ کوفہ۔

حصول خلافت

کوفہ و خراسان وغیرہ اسلامی ممالک میں بنی عباس کے لئے دعوت خلافت کی ابتدا سنہ ۱۰۰ھ میں ہوئی[1]۔

واقعہ یوں ہوا کہ ابوہاشم عبداللہ بن محمد بن الحنفیہ سنہ ۹۸ھ میں سلیمان بن عبدالملک کے پاس آئے تھے، سلیمان نے خوش ہو کر اُن کی ضرورتیں پوری کر دیں اور (کامیاب) واپس کیا۔

---

[1] واضح رہے کہ ۱۰۰ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز مسند خلافت پر متمکن تھے۔ اُن کے دَور کو متفقہ طور پر سراہا جاتا ہے۔ اور اُن کی دینداری اور نیکوکاری کی بنا پر اُنہیں خلیفہ راشد کہا جاتا ہے۔ اُس زمانہ میں بنی عباس یا علویوں کے لئے دعوت خلافت کی ابتدا کرنے کے معنی یہ تھے کہ عباسیوں یا علویوں کو خلافت دلانے کا مقصد کسی باطل نظام کو ختم کرنا نہیں تھا بلکہ خلافت ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل کرنا مقصود تھا۔ چنانچہ بتیس سال کی جد وجہد کے بعد اس میں کامیابی ہو گئی۔

کسی کو ساتھ کر دیا تھا جس نے راستہ میں اُنہیں زہر دے دیا[1]۔ ابو ہاشم کو یہ کیفیت محسوس ہوئی تو محمدؐ بن علیؓ ابن عبداللہؓ بن العباس بن عبد المطلب کے پاس گئے جو اُن دنوں حمیمہ میں، اور بقولِ بعض کرار میں تھے، یہ مقام علاقۂ دمشق کے کوہستانِ شراۃ و بلقاء میں واقع ہے۔

ابو ہاشم نے محمدؐ بن علی سے دعوت (اہل بیت) کے اسرار کہہ دیئے، داعیوں سے اُن کا تعارف کرا دیا، اور جتا دیا کہ خلافت اُنہیں کی اولاد کو ملنے والی ہے جن میں (پہلا) خلیفہ ابن الحارثیہ ہوگا، یہ بھی کہا گیا کہ اس دعوت کا اعلان اُس وقت ہو جب ہجرت (نبوی) کے سو سال پورے ہو جائیں۔

ابراہیم الامام

محمدؐ جب مشرف بہ وفات ہوئے تو اپنے بیٹے ابراہیم کو اپنا وصی بنایا، اب یہ دعوت انہیں کی جانب منتقل ہو گئی اور امام اُن کا نام پڑا۔ ابو مسلم نے خراسان میں اُنہیں کے لئے دعوت کی۔

مروان بن محمد الجعدی (خاتم بنی اُمیۂ دمشق) کو جب اس کی خبر ہوئی تو اپنے عامل دمشق ولید بن معاویہ بن مروان بن الحکم کے پاس حکم نامہ بھیجا کہ چند آدمیوں کو جو بھروسہ کے ہوں حمیمہ یا کرار بھیج کے ابراہیم الامام کو پکڑ بلوائے اور میرے پاس بھیج دے۔

ولید بن معاویہ نے اس حکم کے مطابق ابراہیم کو مروان کے پاس بھیج دیا جس نے اُنہیں اسی سال، یعنی سنہ ۱۳۲ھ کے ماہ محرم میں قید کر دیا اور دو مہینہ کے بعد قید خانہ ہی میں وہ قتل بھی ہو گئے۔

ابراہیم نے اپنے بھائی ابو العباس عبداللہ بن محمد کو اپنے بعد ولی عہد مقرر کیا۔ ابن الحارثیہ وہی تھے۔

وفات سفاح :- ابو العباس نے مقام انبار میں خاص اپنے شہر کے اندر جسے خود ہی تعمیر کیا تھا اور "ہاشمیہ"[2] اُس کا نام رکھا تھا، وفات پائی۔

تاریخ وفات :- یکشنبہ، ۱۲۔ ذی الحجہ، سنہ ۱۳۶ھ۔

---

[1] ابن خلدون کا بیان ہے کہ وہ راستہ میں بیمار ہو گئے تھے اُسی میں وفات پائی۔

[2] آنحضرتؐ کے پردادا حضرت ہاشم کے نام پر ایک شاندار محل ہاشمیہ تیار کرایا تھا اسی... نسبت سے شہر کا نام ہاشمیہ ہوا۔

مدت عمر :- تینتیس (۳۳) برس۔

مدتِ خلافت :- چار برس آٹھ مہینہ ایک دن۔

شکل وشمائل :- دراز قد، گورا رنگ، اُبھری ناک، تنگ نتھنے، بیچ میں دبے ہوئے، خوش رو، گھونگروالے بال، زلفیں رکھے ہوئے تھے۔

سیاسیات وخصائل :- رائے صائب تھی، جو عزم کرتے پورا کر کے رہتے، اخلاق شریفانہ تھے، زر و مال بخشنے میں بڑے سخی،[1] مزاج ایسا تھا کہ اپنے دشمنوں میں ایک عالم کی خوں ریزی کا حکم دینا آسان اور معمولی بات تھی، یہ بھی نہ دیکھتے کہ حقیقت کیا ہے؟

اسلام میں پہلا وزیر دولت عباسیہ میں پہلے پہل جس شخص پر وزارت کا اطلاق ہوا وہ ابو سلمۃ الخلال حفص بن سلیمان تھا جو قبیلۂ ہمدان کے خاندان سبیع کا آزاد غلام تھا، اُس نے ابو العباس السفاح کی وزارت کی، اُس کو "وزیر آلِ محمدؐ" (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا جاتا تھا، ایک شاعر اُسی کے متعلق کہتا ہے:-

ان المساءة قد تسر وربما

(برائی اور بدی بھی کبھی مسرت انگیز ہوتی ہے)

کان السرور بما کرهت جدیرا

(اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس بات کو تم برا جانتے ہو اُس پر خوش ہونا چاہیئے تھا)

ان الوزیر وزیر آل محمد

(حقیقت میں وہ وزیر جو اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وزیر تھا)

اودی فمن یشناك كان وزیرا

(وہ ہلاک ہو گیا، اب یہ سمجھ لو کہ وہی وزیر تھا جو تم سے بغض ونفرت رکھتا تھا اور عداوت کیا کرتا تھا)

ابو سلمہ کے حالات اور اس کے قتل کا سبب کتاب "مروج الذہب ومعادن جواہر" میں ہم بیان کر چکے ہیں، وہ پہلا وزیر تھا جس نے بنی عباس کی وزارت کی حالتِ وزارت میں اس کا باپ بھی زندہ موجود تھا۔

تاریخ وزارت (۱) عہدِ بنی اُمیّہ :- سلاطین بنی اُمیّہ اس امر کو برا جانتے تھے کہ اپنے کسی کاتب (معتمد، یا سکریٹری) کو وزیر کا خطاب دیں، وہ کہتے تھے کہ "وزیر" لفظ "وزارت" سے مشتق ہے، اور خلیفہ کی شان اس سے کہیں بزرگ تر ہے کہ وہ موازرت

[1] اسی لئے السفاح (سخی) لقب ہوا۔ ظلم وجور کی وجہ سے نہیں جیسا کہ عموماً مورخ بیان کرتے ہیں۔

کا محتاج ہو۔ (وزیر:۔ پادشاہ کی ذمہ داریوں کا بوجھ اُٹھانے والا، بار بردار، معاون، موازرت:۔ معاونت)۔

(۲) سلاطینِ یمن :۔ عرب کے سلاطین یمن و شام وحیرہ پادشاہ کے وزیر کو :۔ (۱) راہن (۲) وزعیم (۳) وکافی (۴) وکامل، کہتے تھے، ان القاب وخطاب سے اُن کا مطلب یہ ہوتا کہ یہ وزیر تدبیر میں مرتہن رہتا ہے، اصابتِ رائے کا زعیم ہے، مہتم بالشان امور میں پادشاہ کے لئے کافی ہوتا ہے، فضائل میں کامل ہے۔

(راہن :۔ آمادہ وطیّار وثابت قدم ومستقل مزاج۔ زَعیم :۔ وہ شخص جو شریف بھی ہو، بزرگ بھی ہو، سردار بھی ہو اور مسلّح بھی رہتا ہو)۔

(۳) سلاطینِ ایران :۔ ایرانیوں نے اپنے پادشاہ کے وزیر کا نام (۱) بار بردار (۲) تکیۂ بازو (۳) کفایت کرنے والوں کا سردار (۴) بڑے بڑے کاموں کا مُدبّر، رکھا تھا۔

ان خطابات کا سبب یہ تھا کہ حکومت کا نظام، مملکت کی آرائش، اور سلطنت کی رونق وزیر ہی پر منحصر ہوتی ہے، وزیر ہی پادشاہ کی زبانِ گویا، خازن زر ومال، امین رعیّت وملک ہیں، تمام لوگوں سے زیادہ یہ خصوصیت اُنہیں میں ہے کہ پادشاہ رعیّت دونوں سے مستغنی ہیں مگر سب سے بڑھ کے فیاضی وبزرگداشت کے مستحق ہوتے ہیں۔

(۴) سلاطین روم :۔ رومیوں نے پادشاہ کے وزیر کا نام (۱) مدارالمہام، (۲) ومرجع رائے وتدبیر، رکھا تھا۔

(۵) دولتِ اسلام :۔ جب اسلام آیا، قرآن نازل ہوا، اور اُس میں اللہ تعالےٰ نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں بیان فرمایا :۔

"واجعل لی وزیراً من اھلی، ھارون اخی، اشدُدبہ اَزری، واشرکہ فی امری"۔ (یا اللہ میرے خاندان میں سے میرا ایک وزیر بنا جو میرا بھائی ہارون ہو کہ میں اُس سے اپنی کمر مضبوط کروں اور اپنی حکومت میں اُس کو شریک کرلوں)۔

توبنی عباس یہی بہتر سمجھے کہ کاتب کو وزیر کے خطاب سے نامزد کیا جائے۔

خصائص وزرائے اسلام

خلفاء وسلاطین اپنے کاتبوں کے زمرہ سے وزیر کا انتخاب کرتے، انتخابِ وزارت میں شرط یہ تھی :۔

(الف) وزیر صاحبِ کمال ہو، امین ہو، عفیف ہو، اور خاصانِ سلطنت میں سے ہو۔
(ب) خیر خواہ ہو، راست بازو راست گفتار و راست کردار و کارگزار آدمی ہو۔
(ج) اسرارِ سلطنت کا امین اور مال و دولت کا موتمن ہو۔
(د) بادشاہ اپنے معاملاتِ حکومت میں اُس کے حزم و احتیاط و عاقبت اندیشی و فضیلت رائے و حسنِ تدبیر پر بھروسہ کر سکے۔

سفّاح کا دوسرا وزیر :- ابو العباس نے ابو سلمہ کے بعد ابو العباس خالد ابن برمک کو اپنا وزیر بنایا۔

نقش خاتم :- الله ثقة عبد الله وبه يومن (اللہ ہی پر عبد اللہ کا بھروسا ہے اور وہ اسی پر ایمان لایا ہے)۔

قاضی :- (۱) ابنِ ابی لیلی الانصاری ثم الاوسی (۲) یحیٰی بن سعید الانصاری۔

حاجب :- ابو غسّان صالح بن الہیثم، جو سفاح کا آزاد غلام تھا۔

ابی جعفر المنصور

نام و نسب :- عبد اللہ بن محمدؐ بن علی بن عبد اللہ بن العباس۔

کُنّیت :- ابو جعفر۔

لقب :- المنصور۔

سلسلۂ مادری :- منصور کی ماں سلامہ بنتِ بشیر بصرہ کی مُولّدات میں، اور بقولِ بعض قوم بربر کی تھیں۔

تاریخ بیعت :- منصور اُسی دن خلیفہ ہوئے جس دن سفاح نے وفات پائی۔

منصور نے ابو مسلم کو قتل کیا جس نے بنی عباس کی سلطنت قائم کی تھی اور اُن کے دشمنوں سے اُن کا انتقام لیا تھا، ابو مسلم رومیۃ المدائن میں قتل ہوا، یہ واقعہ شعبان سنہ ۱۳۷ھ کا ہے۔

محمدؐ (النفس الزکیہ)

محمدؐ بن عبد اللہ بن الحسنؒ بن الحسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب نے، جمادی الآخرہ سنہ ۱۴۵ھ کی دو شبیں باقی رہی تھیں کہ مدینہ میں ظہور کیا، شہریوں اور بدویوں کی بہت بڑی جماعت نے اُن سے بیعت کی، اُنھوں نے اپنا نام مہدیؑ رکھا۔

منصور نے اُن سے مقابلہ کے لئے عیسٰی بن موسٰی کو چار ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا، مدینہ کے سامنے مقابلہ ہوا جس میں محمدؐ اپنے کچھ رفقاء کے ساتھ قتل ہوئے۔

یہ واقعہ اسی سال (سنہ ۱۴۵ھ) کے ماہِ رمضان کا ہے۔

ابراہیمؒ بن عبد اللہ

محمدؐ کے بھائی ابراہیمؒ نے رمضان کی چاند رات والے دن بصرہ میں ظہور کیا اور بصرہ و اہواز و سواد کنسکرؔ کے علاقوں پر قابض ہو گئے۔

ابراہیم کی جمعیت بہت بڑھ گئی اور وہ کوفہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔

منصور نے عیسٰی بن موسٰی کی سرلشکری میں فوجیں بھیجیں، مقام باعمرٰی میں مقابلہ ہوا جو کوفہ سے سولہ (۱۶) فرسنگ ہے۔

یہ واقعہ بھی اسی سال کا ہے جب کہ ماہ ذی القعدہ میں چار شبیں باقی رہی تھیں۔

اس جنگ میں ابراہیمؒ اپنے رفقاء کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ قتل ہوئے اور جو لوگ باقی بچے تھے بھاگ گئے۔

محمدؒ و ابراہیم کے قتل ہونے کے بعد ابو جعفر کو "منصور" کا لقب ملا۔

منصور کی وفات:۔ منصور نے "بیر میمون" میں جو مکّہ سے چھ (۶) میل کے فاصلہ پر واقع ہے وفات پائی۔

تاریخ وفات:۔ ۶۔ ذی الحجہ، سنہ ۱۵۸ھ۔

مدّت عمر :۔ ترسٹھ (۶۳) سال۔

مدفن :۔ حرم (بیت اللہ)۔

مدتِ خلافت:۔ اکیس برس گیارہ مہینہ بیس دن۔

شکل و شمائل :۔ دراز قد، گندم گوں، جسم کے دُبلے پتلے، رخساروں پر گوشت کم تھا اور ڈاڑھی گھنی نہ تھی، سیاہ رنگ سے خضاب کرتے تھے۔

عادات وخصائل :۔ تجربہ کار، رائے و تدبیر میں دور اندیش، شکنجۂ روزگار میں کسے ہوئے زمانہ نے اُن کی سطوت کے عقدے کھول رکھے تھے، علم (حدیث) کی روایت کی تھی اور حلال و حرام (فقہ) میں عرفان حاصل تھا۔

جب کوئی حادثہ پیش آتا منصور میں مطلق فتور، اور کسی خوف کی حالت میں سستی عارض نہ ہوتی۔ مال و دولت کو (مصرف صحیح میں) اس قدر بخشتے اور لُٹاتے کہ کہا جاتا:۔ تمام انسانوں میں یہی شخص سب سے بڑا فیاض ہے، اور بعض اوقات (جب موقع نہ ہوتا) اتنی کفایت شعاری کرتے کہ کہا جاتا:۔ تمام انسانوں میں یہی شخص سب سے بڑا بخیل ہے[1]۔

سیاست:۔ منصور کی سیاست پادشاہانہ تھی، حملہ آور شیر کی طرح (ضرورت کے وقت)

---

[1] ابوجعفر منصور خلفائے راشدین کی طرح بیت المال کو پبلک کا خزانہ سمجھتے تھے اس لئے اس میں بیجا تصرف کو گوارا نہیں کرسکتے تھے۔ یہاں تک کہ خود بہت تھوڑا وظیفہ لیتے تھے اور نہایت عسرت کے ساتھ گزر کرتے تھے۔ البتہ جہاں پبلک کے مفاد کا سوال آتا وہاں خرچ کرنے میں ذرا کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ اُن کے بارے میں ابن خلدون نے مقدمہ میں ایک واقعہ لکھا ہے جو اُن کی سادگی اور دیانت داری پر دلالت کرتا ہے اور بے انتہا سبق آموز ہے۔

اُٹھ کھڑے ہوتے اور اس بات کی ذرّہ برابر پروا نہ کرتے کہ غیر کی ہلاکت ہی میں اُن کے مُلک کی حفاظت منحصر ہے۔

مال و دولت :۔ منصور نے اس قدر مال و زر جمع کیا جتنا اُن سے پیشتر اور اُن کے بعد کسی خلیفہ سے جمع نہ ہو سکا، اس اندوختہ کی مقدار چھیانوے کروڑ (۹۶۰۰۰۰۰۰۰) تھی، مہدی کو جب خلافت ملی تو سب کا سب خرچ کر ڈالا۔

وزیر سلطنت :۔ کچھ مدّت تک خالد بن برمک نے منصور کی وزارت کی (۲) پھر ابوایوب الموریانی الخوزی مزاج میں دخیل ہو گیا اور خلیفہ نے اُس کو وزیر بنا لیا اُس کے قتل کے حالات اور اُس کے بعد وزراء کو جو واقعات پیش آئے، ہم اپنی گذشتہ کتابوں میں لکھ چکے ہیں (۳) ان دونوں کے بعد منصور نے اپنے آزاد غلام ربیع کو وزیر بنایا۔

کاتب :۔ وزرائے سلطنت کے علاوہ متعدد افراد کاتب بھی تھے۔ مثلاً (۱) سلیمان بن مجالد (۲) عبدالحمید بن عدی (۳) ابن ابی عطیّۃ الباہلی۔

نقشِ خاتم :۔ اللہ ثقۃ عبد اللہ وبہ یومن (اللہ ہی پر عبداللہ کا بھروسا ہے اور وہ اُسی پر ایمان لایا ہے)۔

قاضی :۔ (۱) یحییٰ بن سعید الانصاری (۲) ابان بن صدقہ (۳) عثمان ابن عمر التیمی (۴) عبداللہ بن محمّد بن صفوان۔

حاجب :۔ (۱) عیسیٰ بن روضہ (۲) ابوالخصیب مرزوق (۳) ربیع، ابوالخصیب و ربیع یہ دونوں منصور کے آزاد غلام تھے، وزارت سے پہلے حجابت ہی ربیع کے سپرد تھی۔

المہدی محمدؐ بن عبداللہ المنصور

نام و نسب :۔ محمدؐ بن عبداللہ المنصور۔

لقب :۔ المہدی۔

کنیت :۔ ابوعبداللہ۔

سلسلۂ مادری :۔ مہدی کی ماں اُمّ موسیٰ تھیں، بنتِ منصور بن عبداللہ ابن شہر الحمیری ثمّ الرُعینی۔

تاریخ بیعت :۔ جس وقت منصور نے انتقال کیا۔

وفات :۔ ماسبذان (ایران) کا مقام "الرذوالرّاق" جو علاقۂ جبال میں واقع ہے۔[1]

تاریخ وفات :۔ ۲۳۔ محرم سنہ ۱۶۹ھ۔

مدّت عمر :۔ بیالیس (۴۲) برس۔

مدّت خلافت :۔ دس برس پینتالیس دن۔

شکل و شمائل :۔ خوب رو، خوش اندام، گندم گوں، دراز قد، داہنی آنکھ میں ایک سفید داغ تھا۔

عادات و خصائل :۔ شریفانہ مزاج، طبیعت میں شرف و کرم، ہردلعزیز فیاض منش تھے۔

سیاست :۔ قصور کو نہایت کشادہ پیشانی سے معاف کرتے، اور جب کسی دشمن پر کامیابی ہوتی تو اُس کے ساتھ بہت ہی شرافت کا برتاؤ کرتے، کسی خوف کے موقع پر مزاج میں غفلت طاری نہ ہوتی، معاملاتِ حکومت میں کسی ایسے شخص پر بھروسا نہ کرتے جو بھروسے کے قابل نہ ہوتا، قرابت داروں کے ساتھ حق صلۂ رحم بجالاتے، اہلِ خاندان

---

[1] جغرافی تقسیم عرب کے مطابق ماسبذان کو علاقۂ سیروان در جُرجان میں تلاش کرنا چاہیئے، مہدی کا مدفن "الرذوالرّاق" بتانے میں تحریف ہوئی ہے، اُس مقام کا نام "الرذن وا لرّان" تھا اور جس خاص بستی میں انتقال ہوا اسے "رذین" کہتے تھے۔ مصنف نے خود بھی کتاب المروج میں یہی لکھا ہے، باب ۱۰۹، ذکر خلافت مہدی، ص ۲۲۵ (عمادی) ۱۲

کے ساتھ عمدہ سلوک مرعی رکھتے، طبیعت میں نرمی تھی، عہدہ داروں کو اکثر منصوب و معزول کرتے اور بے سبب کرتے۔

وزیر :- (۱) ابوعبید اللہ معاویہ بن عبید اللہ الاشعری الطرانی، منسوب بہ شہر طبریّہ۔

(۲) یعقوب بن داؤد، جو قبیلۂ بنی سلیم کے آزاد غلام تھے۔

(۳) ابوصالح الفیض۔

نقش خاتم :- اللہ ثقۃ محمّد وبہ یومن (اللہ ہی پر محمّد کا بھروسا ہے اور وہ اُسی پر ایمان لایا ہے)۔

قاضی :- (۱) عافیۃ بن یزید الازدی (۲) ابن علاثۃ العُقَیلی۔

حاجب :- (۱) ربیع (۲) خضر بن سلیمان

(۳) فضل بن الرّبیع

موسیٰ الہادی بن محمّد المہدی

نام :- موسیٰ بن محمد المہدی۔

لقب :- الہادی۔

کنیت :- ابو جعفر۔

سلسلۂ مادری :- ہادی کی والدہ ایک اُمّ وَلَدْ لونڈی تھیں جن کو "خیزران" کہتے تھے۔ یہ یمن کے مقام جُرَش کی مُوَلّدہ تھیں۔

تاریخِ بیعت :- جس وقت مہدی نے انتقال کیا۔

مقام وفات :- عیسیٰ آباد قریب مدینۃ السلام (بغداد)۔

تاریخ وفات :- ۱۸۔ ربیع الاول۔ سنہ ۱۷۰ھ۔

مدتِ عمر :- پچیس (۲۵) برس۔

مدّت خلافت :- ایک سال ایک ماہ پچیس دن۔

شکل وشمائل :- دراز قد، بھاری جسم، گورا رنگ، کشادہ مونھ، اوپر کے ہونٹ میں سفیدی تھی، شجاع وبہادر، جسم کے اعتبار سے بڑے ہی شدید وسخت اور بہت ہی دلیر، پیش قدمی میں سب سے زیادہ جرأت کرنے والے، مزاج میں یک گونہ تندی وتیزی وجبر تھا جس کے باعث لوگ اُن کو شوریدگی کے ساتھ منسوب کرتے تھے[1]۔

کاتب :- عبید اللہ بن زیاد بن ابی لیلیٰ۔

وزیر :- ربیع، ہادی نے پہلے کاتب ہی پر کفایت کی تھی، بالآخر ربیع کو وزارت سپرد کی جو اُنہیں کا آزاد غلام تھا۔

---

[1] سیوطی کا کہنا ہے کہ ہادی "بڑے رعب ودبدبہ کا خلیفہ تھا دربار میں اس کی ہیبت طاری رہتی تھی لیکن نجی مجلسوں میں وہ شگفتہ رہتا تھا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے خاص عقیدت رکھتا تھا۔ صوم وصلوٰۃ کا پابند تھا۔ مہدی کی طرح ملحدوں اور زندیقوں کا دشمن تھا اس نے مانی مذہب کی خاص طور سے جڑیں کھوکھلی کیں، مگر زندگی نے زیادہ ساتھ نہ دیا۔

علاوہ بریں ہادی نے عمر بن بزیغ اور ابراہیم بن ذکوان الحرّانی سے بھی کتابت کا کام لیا۔

اخبار الوزراءؔ

مسعودی کہتے ہیں :۔

جو روایت ہم نے پہلے بیان کی ہے یہی اکثر مورّخین کا بیان ہے، لیکن اسی ذیل میں دوسری روایت بھی ہے۔

ابو عبداللہ محمدّ بن داؤد بن الجرّاح نے، جو وزیر خلافتِ عباسیہ ابوالحسن علی بن عیسیٰ کے چچا تھے، ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "اخبار الوزراء" ہے، ابوالعبّاس احمد بن عُبَیدُ اللہ بن عمّار نے اس کتاب پر اضافہ کیئے ہیں اور مجملات کی تشریح کر دی ہے۔

کتاب مذکور میں ہے کہ موسیٰ الہادی نے ابراہیم بن ذکوان الحرّانی الاعور صاحب طاقِ حرّان کو وزیر بنایا۔ اُس کے دائرۂ وزارت میں بغداد کے مغربی حصّہ سے منتہائے ممالک مغربیۂ بنی عباس تک کے علاقے شامل تھے اور زمام حکومت کے تمام محکمے اور خاتم خلافت ربیع کے ہاتھ میں دی۔

ابو عبداللہ محمدّ بن عَبْدُوس الجہشیاری نے بھی "اخبار الوزراء والکُتّاب" لکھی ہے، اُس میں ہے کہ ہادی نے مدینۃ السلام (بغداد) پہونچ کر اپنے آزاد غلام ربیع کو وزیر بنایا مگر کچھ دنوں کے بعد وزارت سے الگ کر کے ابراہیم ابن ذکوان الحرّانی کو وزیر اور ربیع کو دواوین زمام کا متوّلی مقرر کیا۔ ربیع کی وفات تک جو سنہ ۱۶۹ھ میں واقع ہوئی، یہی کام سپرد رہا، وفات کے وقت ربیع کی عمر اٹھاون (۵۸) برس تھی، اس کے بعد ہادی نے ابراہیم بن ذکوان ہی کو دیوانِ زمام کی افسری بھی تفویض کی۔

دوسرے مصنفین نے بھی "اخبار الوزراء والکُتّاب" میں کتابیں لکھی ہیں :۔

(۴) متاخرین میں ابوعبداللہ محمدّ بن عبدوس۔

(۵) ابن ماشطۃ الکاتب۔

(۶) ابوبکر محمد بن یحییٰ الصولی الجلیس۔

(۷) علی بن الفتح المعروف بالمطوّق۔

ان مصنفین نے سنہ ۳۲۰ھ تک کے وزیروں اور کاتبوں کے حالات لکھے ہیں اور ان میں بھی ایسی ہی روایت ہے۔

ہادی کا نقشِ خاتم :- اللہ ربی (میرا پروردگار خدا ہے)

قاضی :- (۱) ابویوسفؒ رفیقِ (امامِ اعظم) ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابت۔

قاضی ابویوسفؒ کا نام یعقوب تھا، ابن ابراہیم بن جبیب، جو خاندانِ انمار کے تھے، اُنمار بن اراش بن عمرو بن الغوث بن بنت بن مالک بن زید کہلان، کا انصارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں شمار تھا، انصاریوں میں بنی عمرو بن عوف کے سلسلہ میں تھے جو قبیلۂ اَوس کی ایک شاخ ہے۔

(۲) سعید بن عبدالرحمٰن الجمحیؒ۔

ہارون الرشید

نام :۔ ہارون بن المہدی۔

لقب :۔ الرشید

کنیت :۔ ابوجعفر

والدہ :۔ خیزران، کہ وہی اُن کے (بڑے) بھائی ہادی کی والدہ بھی تھیں۔

تاریخ بیعت :۔ جس وقت ہادی نے انتقال کیا اُسی وقت خلافت کی بیعت ہوئی۔

رشید نے اپنے بیٹے محمد بن زُبیدۃ (الامین) کے لئے اپنے بعد اور عبداللہ المامون کے لئے محمدؐ کے بعد بیعت لی، مامون کو مُلکِ رَے وخراسان ومضافات کا والی مقرر کیا، دونوں (بھائیوں) سے وفای عہد ومیثاق کی قسمیں لیں، مامون کے بعد اپنے (تیسرے) بیٹے قاسم کے لئے بھی ولایت عہد کی بیعت لی، مگر شرط یہ کردی کہ خلیفہ ہونے کے بعد مامون کو اختیار رہے کہ مناسب سمجھیں تو قاسم کو ولی عہد رہنے دیں ورنہ برطرف کردیں۔

مقام وفات :۔ رشید نے ایک گاؤں میں وفات پائی جسے سناباد کہتے ہیں، یہ گاؤں سرزمین خراسان کے علاقۂ طوس (مشہد) میں واقع ہے۔

تاریخ وفات :۔ شنبہ۔ ۴ جمادی الآخرہ۔ سنہ ۱۹۳ھ۔

مدتِ عمر :۔ چوالیس برس چار مہینے۔

مدتِ خلافت :۔ تیئس برس دو مہینے سولہ دن۔

شکل وشمائل :۔ کامل الخلقۃ، حسین وجمیل، بلند بالا، گورا رنگ، فربہ جسم، بالوں میں سفیدی آچلی تھی، سر پر پٹے تھے، جب حج کرتے تو مونڈوا ڈالتے۔

عادات وخصائل :۔ تمام آداب واخلاق میں کامل ومکمل، فیاض، بہادر وشجاع، حج اور جہاد کا بڑا شوق تھا، اپنی خلافت کے عہد میں آٹھ حج اور آٹھ ہی جہاد کئے۔

سیاست :۔ خلیفہ ہونے کے کچھ زمانہ بعد رشید بیدار ہوگئے اور تمام معاملاتِ حکومت

سے آگاہی حاصل کرلی، جو لوگ سلطنت کے پر دہ دوست گرفتہ تھے انہیں خراب کر ڈالا اور مال و زر کی فراہمی پسند کی[1]۔

وزارت :- برامکہ یعنی یحییٰ بن خالد بن برمک اور جعفر و فضل فرزندان یحییٰ کو وزیر مقرر کیا، پھر صفر ۱۸۷ھ میں ان کا استیصال کر دیا، جعفر کو اپنی خلافت کے سترھویں سال قتل کیا۔

برامکہ کو تباہ کرنے کے بعد علی بن یقطین کو خاتم خلافت سپرد کی، فضل بن ربیع اور اسماعیل بن صبیح مرتے دم تک مزاج میں نہایت دخیل رہے، اسماعیل کے باپ صبیح، سالم افطس کے اور سالم افطس بنی اُمیّہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

برامکہ کے بعد رشید کے کاروبار میں خلل آگیا اور لوگوں میں خلیفہ کی بدتدبیری و سوء سیاست کھل چلی[2]۔

---

[1] غالباً مؤلف کی مراد برامکہ کی دولت سے ہے۔ مگر جس کی سخاوت نے مال و دولت کے انبار سے جن کے گھر بھر دیئے ہوں وہی ان کے مال و زر کا تمنائی ہو! محل نظر ہے۔ دراصل سیم و زر کے انبار نہیں بلکہ وہ نشہ سیمیں تھا جس نے برامکہ کو اپنے افعال و اعمال پر ایک نظر ڈالنے کا موقع نہ دیا۔ مؤرخین نے ان کی تباہی کے متعدد ٹھوس دلائل دیئے ہیں۔

(۱) برامکہ کا بے پناہ اقتدار اور خلیفہ کو مسلوب الاختیار کر دینا۔

(۲) برامکہ کی ذاتی منفعت اور کنبہ پروری۔

(۳) خلیفہ وقت کے مخالفین علویوں سے ہمدردی۔

(۴) برامکہ کا زندیقیت کی طرف میلان۔ ابن ندیم اور بعض مورخین کے قول کے مطابق ان کی بربادی کا یہ ایک اہم سبب تھا۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب "معارف" میں لکھا ہے کہ اصمعی نے برامکہ پر کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ ایک دفعہ برامکہ نے بڑے مؤثر انداز میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ کعبہ شریف کے وسط میں ایک انگیٹھی تعمیر کی جائے جس میں شب و روز عود سلگائی جائے، ہارون سمجھ گیا تھا کہ اس کا مقصد آتش پرستی کو رواج دینا اور کعبہ کو آتش کدہ میں تبدیل کرنا ہے۔ اس سے ہارون کے مذہبی شعور کو کافی ٹھیس پہنچی تھی۔

[2] یہ کہنا غلط ہے کہ برامکہ کے بعد ہارون رشید کی بدتدبیری اور سوء سیاست (باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۶ پر)

نقشِ خاتم :- باللہ یثق ھارون (اللہ ہی پر ہارون بھروسا کرتا ہے)۔

قاضی :- فریضۂ قضاء بہت سے لوگوں نے ادا کیا، مثلاً :-

(۱) علی ابن حرملہ (۲) عون بن عبداللہ المسعودی

(۳) حفص بن غیاث (۴) شریک ابن عبداللہ بن ابی شریک النخعی۔

(۵) محمد بن سماعۃ الحنفی

حاجب :- (۱) بشیر بن میمون (۲) محمد بن خالد بن برمک

(۳) فضل بن ربیع

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۵ کا)

کھل چلی۔ جعفر بن یحییٰ برمکی کا قتل ۱۸۷ھ میں ہوا۔ اور ہارون بھی اس کے بعد کل چھ سال زندہ رہا۔ اس مختصر سے عرصہ میں بھی ڈھائی تین سال ۱۹۱-۹۲ھ تا ۱۹۳ھ وہ خود ایک طویل سلسلہ علالت میں مبتلا رہا۔ لیکن کاروبار حکومت یا ملکی سیاست میں کوئی نمایاں فرق پیدا نہیں ہوا امورِ مملکت کی انجام دہی میں وہی تندہی اور جہاد میں علالت کے باوجود بھی وہی جد و جہد اور پہلی سی سرگرمی موجود تھی۔ آخر سال بھی رافع کی سرکوبی کے لئے جا رہا تھا کہ بیماری نے بستر مرگ پر لٹا دیا۔ یہاں تک کہ مقام طوس پہ انتقال ہوگیا۔

امین

نام :- محمّد بن ہارون الرّشید۔

لقب :- الامین۔

کنیت :- ابو موسیٰ۔

والدہ :- اُمّ جعفر زُبَیدہ بنت جعفر بن ابی جعفر المنصور۔

تاریخ بیعت :- شنبہ، ۱۵۔ جمادی الآخرہ، سنہ ۱۹۳ھ۔

مامون نے بھی خراسان میں امین کی بیعت کی اور عہد و پیمان سابق کے مطابق اپنی اطاعت گزاری وانقیاد و فرماں برداری لکھ بھیجی، لیکن امین نے مامون کو معزول کرنے کی کاروائی شروع کردی اور اس کے لئے حیلے اور بہانے تلاش ہونے لگے۔

بعض مناصب اور عہدے جو مامون سے متعلق تھے، ان سے دست کش ہو جانے کو لکھا کہ یہ خدمتیں اُنہیں کو ملیں گی جنھیں میں خود مامور کروں، مامون نے جب اس کو تسلیم نہ کیا تو حکم نامہ بھیجا کہ تدبیر مملکت میں مدد دینے کے لئے میرے پاس چلے آؤ، مامون نے عذر خواہی کی اور جواب میں وجوہ و اسباب معذرت بیان کئے، ان کے مرتبہ ولایتِ عہد میں امین نے اپنے بیٹے کو مامون سے مقدم رکھنے کی خواہش کی اور اس کے متعلق ترغیب و ترہیب سے بھی کام لیا مامون نے اس کو بھی نہ مانا اور فضل بن سہل (المقلب بہ) ذی الریاستیں نے امین سے جنگ کرنے پر مامون کا قصد مستقل بنادیا۔

النّاطق بالحق

سفارت نے واپس آکر جب مامون کے عزم و استقلال کی خبر سنائی تو امین نے اپنے بیٹے موسیٰ کے لئے بیعت خلافت لی اور اُس کو "النّاطق بالحق" کا خطاب دیا (یعنی گویای حقیقت) یہ ولی عہد اُس وقت بہت چھوٹا ننھا سا بچہ تھا۔

علی بن عیسیٰ بن ماہان کو عظیم ترین طاقت و ساز و سامان کی پچاس ہزار فوج کے ساتھ بھیجا کہ مامون کو پکڑ لائے۔

ذوالیمینین

مامون نے ابن ماہان سے مقابلہ کے لئے طاہر بن الحسین بن مُصعب ابن زریق بن حمزۃ الرستمی کو روانہ کیا جو (مشہور بہادر اور) سخت کوش رستم دستاں کی اولاد میں تھا، اسلام میں یہ خاندان قبیلۂ خزاعہ کا مولیٰ تھا اور یہ لوگ اسی قبیلہ کے ساتھ اپنے آپ کو منسوب کرتے تھے۔

طاہر نے رے میں نزول کیا اور چلتے چلتے علی بن عیسیٰ بن ماہان بھی رے کے قریب آگیا۔ فریقین میں مقابلہ ہوا اور سخت جنگ ہوئی، جس میں علی بن عیسیٰ مارا گیا، اس کی جمعیت درہم وبرہم ہوگئی، اور طاہر اس کی فوج پر قابض ہوگیا۔

اسی موقع پر مامون کو "امیرالمومنین" کے لقب سے سلام کیا گیا اور طاہر کا نام "ذوالیمینین" پڑا جو وہاں سے چل کر ایک ایک شہر کو فتح کرتا ہوا اور مقابلہ کرنے والی فوجوں کو شکست دیتا ہوا حلوان میں پہونچ کر فروکش ہوا۔

ہرثمہ بن اَعیَنْ

ہرثمہ بن اعین ایک لشکر جرّار لئے ہوئے حلوان میں طاہر کے ساتھ شامل ہوگیا۔

مامون نے طاہر کو لکھا تھا کہ ہرثمہ کو (براہِ راست) مدینۃ السّلام (بغداد) جانے دے اور خود اہواز کے راستہ سے کوچ کرے۔

اس قرارداد کے مطابق ہرثمہ نے کوچ در کوچ کرتے ہوے مدینۃ السلام کے مشرقی گوشہ کے سامنے پڑاؤ ڈالا، اور طاہر نے جاکے اہواز وواسط ومدائن کو فتح کرلیا۔ کوفہ وبصرہ پر قابض ہوگیا، اور مدینۃ السّلام کے مغربی گوشہ کے سامنے چھاؤنی چھائی۔

یہ واقعہ سنہ ۱۹۶ھ کا ہے۔

حصارِ بغداد

ہرثمہ اور طاہر دونوں نے (دونوں طرف سے) بغداد کا محاصرہ کرلیا اور صبح وشام وشب وروز بغدادیوں سے جنگ ہونے لگی۔

مدینۃ السّلام میں طاہر وہرثمہ کے پہونچنے سے پیشتر ہی حسین بن علی بن عیسیٰ ابن ماہان پہونچ چکا تھا، یہ شخص شہر رقہ سے آیا تھا اور ایک بڑی فوج اپنے ساتھ لایا تھا، پہلے یہ عبدالملک بن صالح بن علیؒ بن عبداللہ بن العباسؓ کے ساتھ تھا، عبدالملک نے جب انتقال کیا تو اسی سال (۱۹۶ھ) کی تیسری رجب کو مدینۃ السّلام پہونچ کر محمدؐ (امین) کو تو معزول قرار دیا اور مامون کی خلافت کے لئے دعوت کرنے لگا جسے لوگوں نے بھی مان لیا۔

امین کی نظربندی اور پھر آزادی

حسین نے محمدؐ (امین) کو، اُن کی والدہ (زبیدہ خاتون) کو، اور محمد کے لڑکوں کو شہر ابوجعفر میں (یعنی قدیم بغداد میں جسے خلیفہ ابوجعفر منصور نے آباد کیا تھا) قید کر دیا۔

فوج نے حسین سے اپنی تنخواہیں طلب کیں، اُس کے پاس کیا تھا کہ انہیں دیتا، اُمید دلائی کہ ہرثمہ کو آجانے دو (اُس وقت تنخواہ دی جائے گی)۔

فوج نے (ناراض ہوکر) محمدؐ کو رہا کر دیا جو دو روز تک قید رہے تھے اور پھر اُسی حالت پر پہونچا دیا اور از سرِ نو بیعت کی، یہ بیعت جمعہ کے دن ہوئی، جب کہ اسی سال کے ماہِ رجب کی سولہ (۱۶) شبیں گزر چکی تھیں۔

حسین بن علی کو سپاہی پکڑ لائے، مگر محمدؐ نے درگذر کیا اور قصور معاف کر دیا، اپنے معاملات کی سربراہ کاری اُس کے سپرد کی اور خاتمِ خلافت اُس کے ہاتھ میں دی، مگر اُس نے غدّاری کی اور ہرثمہ کے پاس جانے کے قصد سے بھاگ گیا، تعاقب کرنے والوں نے اُس کو جا پکڑا بغداد سے ایک ہی فرسنگ کی مسافت پر نہروان کے راستہ میں قتل ہوا، اور اُس کا سر محمدؐ کے پاس لایا گیا۔

سقوطِ بغداد

محرم سنہ ۱۹۸ھ میں ہرثمہ بغداد کے مشرقی حصہ اور طاہر مغربی حصہؔ کے اندر داخل ہو گیا، طاہر نے جنگ میں اس قدر کوشش کی کہ مغربی جانب کے بیشتر حصوں پر قابض ہو گیا اور محمدؐ (امین) کو ابوجعفر منصور کے شہر میں محصور کر لیا۔

امین نے ہرثمہ کے پاس جانے کے لئے درپردہ مراسلت کی کیونکہ طاہر سے زیادہ اُس پر بھروسا تھا، ہرثمہ نے اس کا انتظام کر لیا اور اپنے ایک حرّاقہ (آتش زن کشتی) پر سوار ہو کر ایک گھاٹ کی جانب چلا، امین بھی اُسی حرّاقہ پر سوار ہو گئے۔

طاہر کو اطلاع ملی تو اُس نے چند مخصوصین بھیجے جنھوں نے حرّاقہ پر سنگ باری کی (اور وہ غرق ہو گیا) مگر امین کی جان بچ گئی اور وہ پیر کر کنارہ پہونچ گئے، لیکن یہاں طاہر کے کچھ لوگوں کے ہاتھ پڑے اور گرفتار کر لئے گئے۔

مقتلِ امین

طاہر کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو اُس نے کسی کو بھیج کر امین کو قتل کرا دیا۔ امین کا سر اُس کے پاس لایا گیا جسے اُس نے مامون کے ہاں خراسان بھیجدیا۔

اسی سال یعنی سنہ ۱۹۸ھ کی پچیسویں محرم کو یکشنبہ کی شب میں واقعۂ قتل پیش آیا، امین

کی عمر اُس وقت تینتیس (۳۳) برس تھی اور مدتِ خلافت چار برس سات مہینے دس دن۔

حُلیۂ امین :۔ خوش رو، پورا قد و قامت، فربہ بدن چھوٹی چھوٹی آنکھیں، کشادہ و فراخ مونڈھے، سخت و شدید جسم، سخاوت و فیاضی میں ہاتھ کھلا ہوا۔

سیاست :۔ بدخصلت، ضعیف الرائے، نہایت خوں ریز، ہوا و ہوس (کے گھوڑے) پر سوار، معاملات کو مہمل چھوڑ دیتے، مہمات امور میں غیروں پر بھروسا کرتے اور ایسوں پر وثوق رکھتے جو اُن کے خیر خواہ نہ ہوتے۔

وزارت :۔ امین نے فضل بن ربیع کو وزیر بنایا، لیکن کچھ زمانہ کے بعد جب فضل پر ثابت ہو گیا کہ امین کی حکومت مختل ہوئی جاتی ہے اور مٹی جاتی ہے تو روپوشی اختیار کر لی۔ اب کاتبوں کی جماعت میں سے جو لوگ موجود تھے وہی وزارت کا کام بھی کرنے لگے مثلاً اسماعیل بن صبیح۔

امین کے مزاج میں بہت سے لوگ دخیل ہو گئے، مثلاً :۔ محمد بن علیسیٰ ابن نہیک۔ سندی بن شاہک (یہ شخص دراصل ہندوستانی تھا) اور سلیمان ابن ابی جعفر المنصور۔

نقشِ خاتم :۔ نعم القادر اللہ (اللہ کیا اچھا قدرت والا ہے) اور بقولِ بعض :۔

سائل اللہ لا یخیب (اللہ سے مانگنے والا ناکام نہیں رہتا)۔

قاضی :۔ (۱) محمد بن سماعہ (۲) محمد بن حلبیب (۳) اسماعیل بن حماد ابن ابی حنیفہؒ۔

(۴) ابوالبختری وہب بن وہب القرشی۔

حاجب :۔ عباس بن الفضل بن الربیع۔

مامون

نام :- عبداللہ بن ہارون۔

لقب :- المامون۔

کنیت :- ابو جعفر۔

والدہ :- مامون کی ماں بادغیس کی ایک اُمّ ولد لونڈی تھیں جن کا نام مراجل تھا۔

تاریخ بیعت :- عام طور پر مامون کے لئے بیعت خلافت اُس وقت ہوئی جب خلیفۂ مخلوع (امین)، قتل ہو گئے، یعنی بروز یکشنبہ، ۲۵-محرم سنہ ۱۹۸ھ۔

ولایت امام رضا (رضی اللہ عنہ)

مامون نے علی الرضی بن موسیٰ بن جعفر بن محمدؒ بن علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالب (رضوان اللہ علیہم) کے لئے بیعت لی اور اپنے بعد اُن کو ولی عہد بنایا، سیاہ لباس کو (جو شعارِ خلافت بنی العباس تھا) ترک کر دیا اور بجائے اس کے سبز لباس پہنا اور لوگوں پر بھی اسی کو لازم قرار دیا۔

مدینۃ السلام (بغداد) میں جس قدر بنی ہاشم تھے اس واقعہ نے سب کو مضطرب کر دیا۔ اہل بغداد پر عموماً اور بنی ہاشم پر خصوصاً یہ بات گراں گذری کہ اُن کے قبضہ سے نکل کے ابو طالب کی اولاد میں حکومت منتقل ہو جائے۔

منصور بن المہدی

قوم نے حسن بن سہل کو جو ذی الریاستین (فضل بن سہل) کا بھائی تھا (بغداد سے نکال دیا) یہ شخص ملک میں مامون کا قائم مقام تھا، منصور ابن مہدی کے ہاتھ پر سب نے بیعت کی (یعنی منصور کو خلیفہ بنایا)، مگر منصور ایک ضعیف الرائے اور کمزور فطرت کا آدمی تھا، کام نہ چل سکا اور اُس کی خلافت یوں ہی رہ گئی۔

ابراہیم بن المہدی

منصور کے بعد قوم نے اُس کے بھائی ابراہیم بن المہدی سے بیعت

کی۔ ۵۔ محرم سنہ ۲۰۲ھ کو خلیفہ بنایا، اور مدینۃ السّلام وغیرہا کے منبروں پر اُن کے لئے دعا کی گئی۔

ابراہیم نے حسن بن سہل سے جنگ کرنے کے لئے، جو نواح مدائن میں تھا فوجیں روانہ کیں، لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا جن میں کبھی ایک فریق کو شکست ہوتی تھی کبھی دوسرے کو۔

تالیفِ قلوب واسترضائے عوام

بغداد چلنے کے لئے مامون نے مرو سے کوچ کیا، علی بن موسی الرّضی (رضی اللہ عنہ) بھی ساتھ تھے اور ذوالرّیاستیں فضل بن سہل جو مامون کا وزیر اور اس سلطنت کا قائم کرنے والا تھا۔

سرخس کے ایک حمام میں ناگہاں فضل بن سہل قتل ہوگیا، یہ واقعہ اسی سال ۵ شعبان روزِ دوشنبہ کا ہے۔

غرّۂ ماہ صفر سنہ ۲۰۳ھ کو طوس میں رضی بھی قتل ہوگئے (رضی اللہ عنہٗ)۔

شورش مٹ گئی

مامون کا بغداد کے قریب پہونچنا تھا کہ ابراہیم کو جن لوگوں کی نصرت پر اعتماد تھا برگشتہ ہوگئے اور بیشتر افرادِ بنی ہاشم وغیرہم جو بیعت کرچکے تھے بیٹھ رہے، ناچار ابراہیم نے روپوشی اختیار کرلی۔

یہ واقعہ اسی سال کی گیارھویں ذی الحجہ کا ہے۔

عباسیوں کی شکایت میں ابراہیم کہتے ہیں :۔

فلا جُزِیت بنوا لعباس خیرا　　علی رغمی ولا اغتبطت بریّ

(بنو عباس کو جزائے خیر نہ ملے، اگرچہ یہ میری خواہش کے خلاف ہے، اور نہ قابلِ رشک سیرابی اُن کو حاصل ہو)۔

اتونی مھطعین وقد اتاھم　　بوار الدھر بالخبر الجلیّ

(وہ میرے پاس بڑے تذلل کے ساتھ آئے، کیونکہ اُن پر زمانے کی ہلاکت علانیہ بربادی کی خبر لئے ہوئے آچکی تھی)

وقد ذھلی الحواضن عن بنیھا　　وصُدّ الثدی عن فم الصبیّ

(حالت یہ تھی کہ مائیں اپنے بچوں کو بھول گئی تھیں، اور بچے کے مُنہ سے چھاتی ہٹالی گئی تھی)

وحل عصائب الاملاک منھا　　فشدّت فی رقاب بنی علیؓ

(عصابۂ حکومت بنی عباسؓ کے گلے سے اُتار کے بنی علی کی گردنوں میں باندھ دئے گئے تھے)

فضجت ان تشد علی رؤوس تطالبها بمیراث النبیؐ

(بنو عباس چیخ اُٹھے تھے کہ مبادا یہ دستار ایسے سروں پر نہ بندھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کا اُن سے مطالبہ کرتے ہیں)۔

ابراہیم کا عہد حکومت، من ابتدائے بیعت تا روپوشی، ایک سال گیارہ مہینے چند دن تھا۔

قدوم بغداد

شنبہ ۱۸۔ صفر ۲۰۴ھ کو مامون دارالسلام میں داخل ہوئے اور آٹھ دن کے بعد حکم دیا کہ سیاہ لباس (جو شعار خلافت عباسیہ تھا)، پھر اختیار کیا جائے اور سبز رنگ کو (جو شعار بنی علی تھا) پارہ پارہ کر دیا جائے۔

ابراہیم کا انجام

مدینۃ السلام میں مدتوں ابراہیم روپوش اور ایک جگہ سے دوسری جگہ سرگرداں رہے، یہاں تک کہ اسی عالم میں شب یکشنبہ ۱۷۔ ربیع الآخر ۲۱۰ھ کو پکڑے گئے، مامون نے اُن کو معاف کر دیا، پہلے تو کچھ روز نظر بند رہے، پھر آزاد کر کے تمام مال و اسباب واپس دیا اور پھر وہی پہلی منزلت عنایت فرمائی۔

مامون کی وفات

مقام وفات :۔ چشمۂ بدندون۔ واقع ملک روم۔ متصل طرطوس۔

تاریخ وفات :۔ ۱۳۔ رجب ۲۱۸ھ۔

مدت عمر :۔ ۴۹ برس۔

مدفن :۔ طرطوس۔

مدت خلافت :۔ ۲۰ سال ۵ ماہ ۸ یوم۔

شکل و شمائل :۔ گورا رنگ، زردی مائل، دراز ریش، تنگ پیشانی۔

عادات و خصائل :۔ باکمال، صاحب علم، فیاض، بہت ہی معاف کرنے والے، قدرت حاصل ہونے پر شریفانہ برتاؤ کے خوگر، بابرکت و بلند اقبال۔

سیاست :۔ تدبیر و انتظام عمدہ، اچھوں کی تربیت، بڑے فراخ حوصلہ، نہ ہوس اُن کو فریب دے سکتی تھی اور نہ فریب اُن پر کارگر ہو سکتا تھا، ممالک محروسہ کے دور دست مقامات سے بھی ویسی ہی واقفیت تھی جیسے قریبی مقامات سے، کبھی ایسا بھی ہوا کہ اشتعال و غیظ و غضب کے عالم میں جلد سزا دے دی۔

وزرائے خلافت :۔ (۱) فضل بن سہل۔

(۲) حسن بن سہل، برادر فضل

حسن جب مختلف عوارض کی وجہ سے کام نہ کر سکے اور خانہ نشین ہو گئے، تو انجام خدمات وزارت کے لئے مامون نے ایسے اہل قلم کی جانب توجہ مبذول کی جن کی بہترین انشاء پردازی کا اُن کو علم تھا اور جانتے تھے کہ اس زمانے میں کوئی اُن کے برابر بلکہ اُن کے لگ بھگ بھی نہیں، ان کاتبوں کو نوبت بہ نوبت وزارت ملی۔

(۱) احمد بن ابی خالد الاحول:۔ حسن بن سہل جب خانہ نشین ہو گئے تو احمد ان کی نیابت میں کام کرتے تھے، مامون نے جب وزارت کے لئے طلب کیا تو عرض کی:۔

امیرالمومنین! میرے اور لوگوں کے درمیان ایک ایسا درجہ قرار دیجئے کہ دوست مجھ سے متوقع رہیں اور دشمن ڈریں، کیونکہ غرض و غایت کے بعد مصیبت و آفت ہے۔

(۲) احمد بن یوسف۔

(۳) ابو عبّاد ثابت بن یحییٰ۔

(۴) عمرو بن مَسْعَدہ بن صول:۔ یہ بھی اپنے پیش رووں کے طریقے پر چلتے رہے تاہم بہت سے لوگ اُن کو وزراء میں شامل نہیں سمجھتے۔

(۵) محمد بن یزداد بن سوید۔ مامون نے جب انتقال کیا ہے اس وقت یہی وزیر تھے۔

اختیارات:۔ فضل بن سہل کے بعد مامون نے اپنے کامل اختیارات کسی کو تفویض نہیں کئے، خلافت کے تمام کام خود ہی کرتے تھے اور تدبیر سلطنت میں اپنے آپ کو کسی وزیر کی شرکت کا محتاج نہیں سمجھتے تھے۔ پیش گاہ خلافت میں نہ کسی کو وزیر کہا جاتا تھا نہ لکھا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اکثر مورخین نے ان کاتبوں کو وزیر نہیں لکھا ہے۔

اخبار الوزراء والکتاب" میں جو کتابیں میں نے دیکھیں، مثلاً:۔ (۱) تاریخ ابی عبداللہ محمد بن داؤد بن الجراح (۲) تاریخ محمد بن یحییٰ الصولی الندیم (۳) تاریخ محمد بن عبدوس الجشیاری (۴) تاریخ ابن ماشطۂ کاتب، ان میں بعض نے تو ان وزراء کو وزیر لکھا ہے اور بعض نے نہیں، سبب یہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔

نقشِ خاتم:۔ اللہ ثقة عبد اللہ وبه یومن (عبداللہ کا بھروسا اللہ پر ہے اور وہ اسی پر ایمان لایا ہے) [مامون کا نام عبداللہ تھا]

قاضی:۔ محمد بن عمر الواقدی، یحییٰ بن اکثم۔

حاجب:۔ شبیب بن حُمیدؔ بن قحطبہ، علی بن صالح صاحب المصلی، محمد بن حمّاد بن دنقش۔

معتصم باللہ

نام :۔ محمد بن ہارون الرشید۔

لقب :۔ المعتصم باللہ۔

کنیت :۔ ابو اسحاق۔

والدہ :۔ ایک ام ولد تھیں جن کا نام ماروہ تھا۔

تاریخ بیعت :۔ جس وقت مامون نے وفات پائی۔

قدوم بغداد :۔ غرۂ ماہ رمضان ۲۱۸ھ کا ہے۔

بابک خُرّمی

معتصم نے افشین وغیرہ امرا و سرداران فوج کو بابک خرمی سے لڑنے کے لئے آذربائیجان روانہ کیا، یہ واقعہ ۲۲۰ھ کا ہے، ماہ رمضان، اور بقول بعض شوال، ۲۲۲ھ میں فتح ہوئی، بابک قید کر لیا گیا اور (شہر) سُرّ من رائی میں لایا گیا جہاں صفر ۲۲۳ھ میں قتل ہوا۔

مقتولین بابک

بابک نے (اپنے) بائیس برس کے (عہد تغلب میں) افواج مامون و معتصم کے جتنے سالار و سرلشکر قتل کئے اور اُن کے علاوہ جس قدر عام طبقے والوں کو ذبح کیا، اُن کا شمار کم سے کم تعداد بیان کرنے والے پانچ لاکھ (۵,۰۰,۰۰۰) بیان کرتے ہیں، یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس سے بہت زیادہ تعداد تھی، حتیٰ کہ (ان مقتولین کی) کثرت تعداد شمار میں آ سکتی ہی نہیں۔

بابک نے ۲۰۱ھ میں، اور بقول بعض ۲۱۰ھ میں، خروج کیا تھا، یہ خلافت مامون کا زمانہ تھا، مقام خروج کوہ بذین تھا جو علاقۂ آذربائیجان میں واقع ہے، فرقۂ جاویدانیہ والے اُس کے ساتھ تھے، یہ لوگ جاویدان بن شہرک خُرّمی کے رفیق تھے جو خود بابک کا ساتھی اور مصاحب تھا، ان کے علاوہ بابک کے ساتھیوں میں اور لوگ بھی تھے۔

فرقۂ خُرّمیہ[1] اور اس کے مذاہب

مسعودی کہتے ہیں :-

ہم اپنی کتاب "المقالات فی اصول الدیانات" اور "سرالحیاۃ" میں فرقۂ خُرّمیہ کے مذاہب بیان کر چکے ہیں، ان میں ایک گروہ تو "خُرّمیۂ کودکیہ" کا ہے اور دوسرا "خرّمیۂ کودشاہیہ" کا، نواح اصفہان، برج، گرج ابی دُلف، زرّین یعنی زرّ معقل زرّ ابی دلف، رستاق ورسنجان، قسم، گودشت جو مہرجان قذق کے علاقۂ صیمرہ میں واقع ہے، بلاد سیروان

---

[1] منصور کے دور سے (ابو مسلم خراسانی کے قتل ۱۳۷ھ کے بعد) بلاد فارس، عراق وخراسان سے کئی زبردست تحریکیں اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کے اقتدار کو ختم کرنے کے لئے داخلی طور پر اٹھیں اور انہوں نے عالم اسلام میں بڑی تباہی مچائی، ان میں راوندیہ منصور کے دور میں، مقنعیہ مہدی کے عہد میں، خرمیہ بابکیہ مامون کے زمانے میں اور زندیقیت جس کا تاریخی طور پر آغاز بنوامیہ کے دور زوال میں ہوا مگر بنوعباس کے ابتدائی دور میں زور وشور سے اُٹھی اور مسلمانوں کی مذہبی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ بن گئی۔

خرمیہ کی بنیاد کسریٰ اول کے باپ قباد کے زمانہ میں مزدک نے رکھی تھی۔ بلاد فارس میں بابک خرمی کے خروج کے بعد یہ خرمیہ بابکیہ کے نام سے موسوم ہوئی۔ لیکن بابک خرمی سے قبل، خرمیہ کا ایک سردار جاویدان ہارون رشید کے زمانے میں اس تحریک کو لے کر اُٹھا تھا مگر ہارون نے ۱۹۲ھ میں اسے کچل دیا تھا۔ مامون کے زمانے میں ۲۰۰ھ یا بعض ۲۰۱ھ اور بقول ابن خلدون ۲۰۲ھ جاویدان کے ایک غلام یا ساتھی بابک خرمی نے یہ دعویٰ کیا کہ جاویدان کی روح اس میں حلول کر گئی ہے۔ اس فرقہ کے لوگ تناسخ کے قائل تھے۔ عورتوں سے تمتع پر کوئی پابندی نہیں تھی مطلق آزادی خاص تعلیم تھی لذت نفس اور شراب نوشی وعیاشی ان کا مسلک تھا۔ رجعت کے عقیدے کے قائل تھے۔ یعنی حضرت مہدی علیہ السلام نزول فرما کر شیخین کو زندہ کریں گے اور قتل کریں گے پھر زندہ کریں گے اور قتل کریں گے۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ کے متعلق عقیدہ تھا (نعوذ باللہ) لیکن سیاسی طور پر سب سے بڑا، اہم اور بنیادی مقصد یہ تھا کہ حکومت سلطان عربوں سے مجوسی ایرانیوں میں منتقل کر دی جائے اس مقصد کے لئے انہوں نے عربوں کے خلاف سخت شورشیں اختیار کیں۔ بابک خرمی کے گرد صرف حواریوں کی تعداد بیس ہزار ہو گئی تھی۔ ارمنی اور بزنطینی بادشاہ اس کی پشت پناہی کر رہے تھے، ایران اور آذربائیجان کے درمیان، انھوں نے ایک تہلکہ ڈال دیا تھا۔ مامون کے بڑے بڑے جنرلوں اور لشکروں کو شکست دے دی تھی۔ مامون ان کو دبانے میں (باقی حاشیہ صفحہ ۲۴۷ پر)

(شیروان یا شروان) آربون جان جو علاقہ ماسیدان میں واقع ہے، ہمدان، ماہ کوفہ، ماہ بصرہ آذربائیجان، ارمینیہ، قم، قاسان (کاشان)، رے، خراسان، اور بقیہ عجمی ممالک میں یہ لوگ آباد ہیں، ان میں مذہبی تنازع بھی ہے، خود کودکیہ وکودشاہیہ میں اختلاف ہے اور پھر ان دونوں کے اور فرقہائے محمرہ ومزدکیہ وماہانیہ وغیرہا کے درمیان بھی اختلافات ہیں، ان مقامات میں جن لوگوں کے ساتھ ہماری ملاقات ہوئی اُن سے ہمارے مناظرے بھی ہوچکے ہیں، مستقبل کے متعلق یہ فرقے منتظر ہیں کہ آیندہ زمانے میں اُنہیں کو سلطنت ملے گی اور فرماں روائی اُنہیں میں عود کر آئے گی۔

ہُرمُزان

ہُرمُزان ایک ایرانی سردار تھا، لڑائی میں گرفتار کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینۂ مبارکہ لایا گیا بظاہر تو مسلمان ہوگیا مگر درپردہ مجوسی ہی رہا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۶ کا)

ناکام رہا تھا۔ اور خرم بابک خرمی براہ راست نہ سہی بالواسطہ اپنے ایک سیاسی مقصد میں ضرور کامیاب ہوگئے تھے۔ خود مامون نے اپنے ہی ہاتھوں عرب قومیت پر ایک ضرب کاری لگائی۔ شجاعان عرب نظر انداز کئے جانے لگے۔ اور ان کے اعلیٰ اوصاف کو زنگ آلود ہونے کے لئے چھوڑ دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب قوم پھر کبھی اپنی سابقہ شان و شوکت اور عظمت وجلال کے ساتھ نہ اُٹھ سکی۔ بہرکیف مامون کے دور میں اقتدار اہل عجم کے ہاتھوں ہی میں پہنچ گیا۔ یہی ان تمام تحریکوں کا مقصد اولیٰ تھا۔ اگرچہ معتصم نے اپنے زمانے میں ایک ترکی جنرل افشین کے ذریعہ جو خود ان معتقدات کا قائل تھا اپنا معتمد اور مقرب بنا کر بابک خرمی کا خاتمہ کردیا (۲۲۳ھ) اور ۲۲۶ھ میں افشین کو بھی قتل کرادیا مگر عرب قوم کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا، اقتدار عجمیوں سے ترکوں میں منتقل ہوگیا۔

در اصل راوندیہ، مقنعیہ، خرمیہ اور زنادقہ اپنے قدیم ایرانی مذاہب مجوسیت، صابئیت، مانویت اور مزدکیت وغیرہ کو اب بھی اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے تھے مسلمانوں کے اقتدار کی وجہ سے وہ اسلام اور ان مذاہب کی تعلیمات میں ہم آہنگی اور تطبیق پیدا کر کے غیر اسلامی معتقدات اور تعلیمات کو مسلمانوں کی مذہبی اور فکری زندگی میں داخل کرنا چاہتے تھے۔ اور وہ اس میں کافی حد تک کامیاب ہو رہے تھے خلفاء وقت نے ان کو دبانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا مگر ان نازک حالات اور بدلے ہوئے ماحول میں مسلمان مبلغین اور ارباب فکر ونظر نے بڑی دلیری اور حمیت اسلامی کا ثبوت دیا۔ اسلام کے تحفظ کے لئے سینہ سپر ہوگئے اپنی زندگیاں وقف کردیں اور غیر معمولی مستعدی اور جانفشانی سے کام کیا۔ انہیں کی کوششوں کا یہ نتیجہ تھا کہ ان عناصر کی اکثریت اور بیشتر اثرات کو رفتہ رفتہ ختم کردیا گیا۔

اسلام سے انتقام لینے کی تدبیر میں لگا رہتا تھا، یہ سازش کامیاب ہوئی اور ایک ایرانی غلام "فیروز" دیلمی کے خنجر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے[۱]۔ عبید اللہ بن عمرؓ بن الخطاب نے اپنے والد عمر رضی اللہ عنہ کی وفات پر اُس کو قتل کر ڈالا، اُنھیں (مجوسیوں) میں سے جو لوگ (حقیقۃً) اسلام سے جدا مگر (بظاہر) اسلام ہی کے تابع رہے ہیں اُن سب کے حالات ہرمزان سے لے کر آج تک کے (کتاب المقالات وسرّ الحیاۃ میں) ہم بیان کر چکے ہیں، اور اور باتیں بھی لکھی ہیں۔

ان کے علاوہ دوسرے اصحاب الاثنین کے واقعات (جو دو خداؤں یا دیوتاؤں کو مانتے ہیں) نیز اُن تمام لوگوں کے حالات جو باوجود باہمی اختلافات کے قِدَم (یعنی عالم کے ازلی وابدی وقدیم ہونے کے قائل ہیں، اسی طرح باقی مخالفین توحید ومناقضین ملت اسلامیہ کے مفصل تذکرے بھی مکمل شرح وبسط کے ساتھ کتاب "الابانہ فی اصول الدیانہ" میں آچکے ہیں، ہماری یہ کتاب (تنبیہ واشراف) تو فقط ایک تاریخی کتاب ہے، مباحثہ ومناظرہ کی کتاب نہیں ہے۔

نصرانیت پر چڑھائی

معتصم نے جہاد کے لئے ملک روم پر چڑھائی کی، غزوات کرتے ہوئے اُنقرہ تک پہنچ گئے، اُس کو فتح کر لیا، اور ماہ رمضان ۲۲۳ھ میں شہر عمُّوریہ کو فتح کیا۔

حیدر بن کاؤس آشروسنی یعنی افشین پر معتصم کی ناراضی کا واقعہ ۲۲۵ھ کا ہے۔

[اُنقرہ وہی مقام ہے جسے فرنگی تلفظ کے اتباع میں آجکل انگورہ کہتے ہیں، عہد نصرانیت میں شہرۂ آفاق شاعر عرب امرؤ القیس کا مرقد یہی شہر تھا، اسلامی تمدن نے اس کے امتیازات بڑھا دیئے، عہد معتصم سے آج تک دار الاسلام ہے (حماها الله وايد بها دينه في مشارق الارض ومغاربها)]۔

معتصم کی وفات، پنجشنبہ کے دن سُرّ من رآی میں جبکہ ماہ ربیع الاول ۲۲۸ھ کی گیارہ

---

[۱] حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے واقعہ کو عموماً اس انداز سے پیش کیا جاتا رہا ہے گویا وہ ایک اتفاقی حادثہ تھا۔ اور ایک شخص ابولولو فیروز نے اپنے ساتھ پورا انصاف ہوتے نہ دیکھ کر اور اشتعال میں آکر آپ کے خنجر مار دیا۔ زخم اتنا کاری تھا کہ اُس کی تاب نہ لا کر آپ جاں بحق تسلیم ہوئے۔ بعض حضرات کی زبانی یہ بھی سنا تھا کہ آپ کی شہادت ایک سازش کے تحت ہوئی تھی جس میں ایران کے چند مجوسی شریک تھے۔ محمد حسین ہیکل نے بھی اپنی قابل قدر تالیف "فاروق اعظم" میں اس سازش کا ذکر کیا ہے یہاں ایک قریب العہد مؤرخ کے بیان سے زبانی روایتوں اور ہیکل کے بیان کردہ واقعہ کی تصدیق وتوثیق ہوتی ہے۔

(۱۱) شبیں باقی رہی تھیں معتصم نے انتقال کیا۔

مدت عمر :۔ چھیالیس برس دس مہینے۔

مدت خلافت :۔ آٹھ برس آٹھ مہینے دو دن۔

شکل وشمائل :۔ گورا رنگ، سرخی مائل، اچھا بھرا جسم، تنومند، خوش رو، میانہ قد، چوڑا سینہ، سخت اور گٹھا ہوا بدن، دراز ریش مگر بال پکے نہ تھے۔

عادات وخصائل :۔ جسمانی طاقت، شدّت رعب و ہیبت، شجاعت قلب، اور مکارم اخلاق میں نہ کوئی اُن کا ہمسر تھا نہ ہو سکتا تھا، اپنے ترک غلاموں کو جنھیں خود ہی بنایا تھا، خود ہی تربیت کی تھی، پرانے وفاداروں اور اپنے والد کے خیر خواہوں پر ترجیح دی۔

خلیفۂ مُثَمَّن :۔ معتصم کا نام الخلیفۃ المثمن پڑ گیا تھا، اس لئے کہ خلفائے بنی عباس میں (بہ اعتبار شمار) وہ آٹھویں خلیفہ تھے (ب) ۲۱۸ھ میں مسند خلافت پر بیٹھے (ج) آٹھ برس آٹھ مہینے آٹھ دن خلافت کی [دنوں کی تعداد بجائے آٹھ کے دو ہی صحیح ہے]۔ (د) جب وہ مرے ہیں تو بقول بعض اُس وقت اُن کے آٹھ لڑکے اور آٹھ لڑکیاں موجود تھیں (ھ) بیت المال میں آٹھ ہزار دینار اور آٹھ ہزار درم چھوڑے (و) آٹھ عظیم الشان فتوحات اُنکو حاصل ہوئے۔

فتوحات

(۱) بابک اور مازیار بن قارن جو طبرستان کے کوہستان کا مالک تھا ان دونوں کی گرفتاری (۲) محمرہ کے خرمی لوگوں کا مغلوب کرنا جن کی تعداد دو لاکھ تھی۔ یہ ماہات اور جل کے شہروں پر غالب آ چکے تھے اور انھوں نے پوری طاقت بڑھا کر اپنا زبردست اقتدار قائم کر لیا تھا۔

ہندوستان کا بیڑا

(۳) ہندوستان کے جہازوں کی گرفتاری جن میں ہندوستان کی طاقتور فوج بھری ہوئی تھی اور اُن کے قدم فارس اور عمان کے ساحلی مقامات اور نواح بصرہ میں پورے طور سے جم گئے تھے (۴) بطائح سے جاٹوں کا اخراج۔

عرب سے ہندوستانیوں کا اخراج

جاٹ بصرہ کے قریبی اور بصرہ اور واسط کے درمیانی مقامات پر غالب آ گئے تھے اور راستے لوٹتے خوں ریزیاں کرتے پھرتے تھے، ان کا جتھا بڑا اور طاقت ور تھا، چونکہ ہندوستان میں گرانی ہو گئی تھی اس لئے یہ ہندوستان کے ایک گوشے سے نکل کر چکر لگاتے

ہوئے ممالک کرمان فارس اور کور آلا ہواز سے ہوتے ہوئے ان مقامات میں آپہنچے تھے۔ اور یہاں بود و باش اختیار کرلی تھی اور غلبہ حاصل کر کے اپنا پورا اقتدار قائم کرلیا تھا، اور اُن کے خوف و دہشت سے مُلک دہل گیا تھا، آخر کار معتصم نے اُن کو خراسان کے راستے سے خانقین اور جلولا کے ملکوں میں اور شامی سرحد کی طرف سے عین زربہ کے ملک میں خارج کر دیا۔

ہند کی بھینس عرب میں

اسی زمانے سے شام میں بھینسیں پائی جاتی ہیں اس سے پہلے اُن کا وہاں وجود تک نہ تھا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شامی سرحد اور شام کے سواحل میں بھینسوں کی ابتدا آل مہلب کی بھینسوں سے ہوئی جو بصرہ، بطائح، اور طفوف میں رہا کرتی تھیں، جب یزید بن مہلب مارا گیا تو یزید بن عبداللہ بن مروان بہت سی بھینسوں کو ان علاقوں میں لے آیا۔

پانچویں مہم جعفر بن مہر جس کردی کا قتل ہے، اس کی بہت بڑی جمعیت موصل، آذربائیجان اور ارمینیہ کے مابین تھی اُس نے کئی شہروں پر چیرہ دستی کر کے راستوں کو پُرخطر بنا دیا تھا اور قتل و خوں ریزی میں دراز دستی شروع کر دی تھی۔

چھٹے افشین کا بادشاہ روم توفیل کو شکست دینا۔

ساتویں عموریہ کا فتح کرنا۔

اور آٹھویں عموریہ کے بطریق یاطس کا قید کرنا، عموریہ قسطنطنیہ کے بعد رومیوں کا سب سے بڑا شہر تھا۔

ہم نے اپنی کتاب "اخبار الزمان ومن اباده الحدثان" میں جو گذشتہ قوموں، اگلے قبیلوں اور برباد رفتہ سلطنتوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ ان محاربات اور واقعات کا بیان شرح و بسط کے ساتھ کیا ہے۔

وزارت :۔ معتصم نے وزارت کے عہدے پر فضل بن مروان کو مامور کیا جو اُس کی خلافت سے پہلے اُس کا میر منشی رہ چکا تھا، پھر احمد بن عمار بن شاذی بصری کو اس عہدۂ وزارت پر فائز کیا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شخص وزیر نہیں بنایا گیا تھا بلکہ لوگوں کی عرض داشتیں معتصم کے حضور میں پیش کرنے کی مخصوص خدمت اُس کو تفویض کی گئی تھی، نیز اس نے محمد بن عبدالملک زیات کو اسی عہدۂ وزارت پر مقرر کیا۔

نقش خاتم :- اس کی انگوٹھی میں "الحمد للہ الذی لیس کمثلہ شئی وھو خالق کل شیئ" کا نقش درج تھا۔

قضاء :- منصب قضا پر جعفر بن عیسیٰ الحسنی (جو حسن بن الحسن بصری کی اولاد سے تھے) شعیب بن سہل، اور محمد بن سماعۃ کا تقرر کیا۔ قاضی القضاۃ کے عہدے پر احمد بن ابی داؤد الایادی (یہ فقہی مسائل میں بصریوں کے مذہب کی جو حسن بصری کا طریقہ تھا پیروی کرتے تھے) عبید اللہ بن حسن العنبری، عثمان البتی، اصم نیز اور لوگوں کو مقرر کیا۔ اصم کے جانشین اُن کے بیٹے ابوالولید ہوئے۔ حجابت کے عہدے پر محمد بن حماد بن دنقش اور بغا الکبیر کو مامور کیا۔

نیا دار الخلافہ

خلفائے عباسیہ میں معتصم سب سے پہلا خلیفہ ہے جو مدینۃ السلام سے جس کی تعمیر منصور نے کی تھی منتقل ہو کر دوسری جگہ چلا آیا۔

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جب اُس کے ترک اور عجمی غلاموں کی کثرت ہو گئی تو مدینۃ السلام کے لوگوں کو معتصم سے نفرت ہونے لگی اور اُس کے اہالی موالی اذیتیں دینے لگے، کیونکہ آئے دن ان غلاموں کی سختیوں سے لوگوں کو دوچار ہونا پڑتا تھا، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ یہ غلام بے تحاشا گھوڑے دوڑاتے جاتے تھے جس سے راستہ چلنے والوں کو دھکے لگتے تھے۔ لوگ برافروختہ ہو کر اُن پر جھپٹ پڑتے اور اُن کو جان سے مار ڈالتے تھے، اس بناء پر معتصم نے ان غلاموں کو وہاں سے ہٹا دینا اور خود بھی مدینۃ السلام سے علیحدہ ہو جانا پسند کیا، اور ۲۲۰ھ میں مقام قاطول کے ایک حصے میں جا کر اُس قصر میں فروکش ہوا جو ہارون الرشید کے لئے وہاں بنایا تھا، یہاں اُس نے ایک شہر بسانے کا ارادہ کیا یہاں تک کہ اس کا یہ خیال پختہ ہو گیا، وہ ہمیشہ اس نواح میں آمد و رفت کیا کرتا تھا آخرکار اُس نے موضع سامرّائے کو جو بلاد کورۃ الطیرہان میں واقع ہے پسند کیا، ۲۲۱ھ میں شہر کی تعمیر کی داغ بیل ڈالی اور اُس کا نام سُرّ من رائی رکھا، تعمیر کا کام نہایت قلیل مدت میں انجام کو پہنچا، مکانات اونچے اونچے اور تمام بازار قصر ایک دوسرے کے پاس پاس تھے، تمام دفاتر، عملہ اور خزانے یہاں منتقل ہو کر چلے آئے، شہر میں خلیفہ کی آمد، جگہ کی پاکیزگی، منظر کی دل فریبی، مکانوں کی خوبصورتی اور ذرائع معاش کی فراوانی کے سبب لوگوں نے بھی یہاں کا رُخ کیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ شہر پُرانے وقت سے اسی نام کے ساتھ چلا آتا ہے اور یہ نام سام بن نوح کی مناسبت سے رکھا گیا تھا، پہلے ایک بڑا آباد شہر تھا جس میں برابر چہل پہل رہا کرتی

تھی لیکن زمانے کے امتداد سے اس میں تنزل آتا رہا یہاں تک کہ آخری ویرانی امین ومامون کے عہد فتنہ میں انجام کو پہنچی۔

وہ مقام جہاں اب معتصم کا قصر ہے وہاں عیسائیوں کی خانقاہ اور اُن کی آراضی تھی جن کو اُن سے اُس نے خرید لیا تھا، وہ سات بڑے بڑے شہر جو مسلمانوں کے عہد حکومت میں بسائے گئے تھے اُن میں سُرّمن رائے آخری شہر تھا۔

اسلام کے سات بڑے شہر

اس جگہ ہم اُن تمام شہروں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اُن کے بیان، اُن کی یکجائی ترتیب اور حسن موقع سے اُن کے اجتماعی تذکرے کی حالت مقتضی ہے۔

بصرہ :- پہلا شہر بصرہ ہے، ایک شخص عتبہ بن غزوان نے (جو قبیلۂ بنی مازن بن منصور سے تھا اور اس قبیلے کے لوگ سُلیم بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس بن عیلان بن مضر کے بھائی تھے) محرم ۱۷ھ میں اس شہر کو بسایا اور بصرہ کی مسجد تعمیر کی، بعض مورخوں کا خیال ہے کہ یہ شہر ربیع الاول یا ربیع الثانی ۱۶ھ میں آباد کیا گیا، اور عتبہ بن غزوان یہاں مدائن سے اُس وقت آیا جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو فارس کی اہم جنگ سے جو جلولا میں چھڑی ہوئی تھی فرصت ملی، جب عتبہ بصرہ پہنچا اُس زمانے میں اُس کا شمار ارض ہند میں تھا اور یہاں سفید پتھر ہوتے تھے۔ عتبہ نے مقام خریبۃ میں آکر قیام کیا۔

ابو مخنف لوط بن یحییٰ غامدی، ابوالحسن علی بن محمد مداینی، ہیثم بن عدی اور دوسرے مورخین کا خیال ہے کہ عتبہ بن غزوان نے مقام بصرہ میں ۱۴ھ میں اقامت کی تھی اور حضرت عمرؓ نے عتبہ کو وہاں اس لئے بھیجا تھا کہ مدائن اور اُس کے اطراف و جوانب سے اہل فارس کی امداد کو وہ روک دے۔

مسعودی کہتے ہیں :-

کہ اسی وجہ سے بعض لوگوں کو دھوکا ہوگیا ہے کہ بصرہ اسی سال آباد کیا گیا تھا۔

کوفہ :- دوسرا شہر کوفہ ہے، کوفہ جس کی تعمیر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کی ہے۔ اس میں بھی لوگوں کو اختلافات ہیں بعض کا قول ہے کہ یہ شہر ۱۷ھ میں آباد کیا گیا ہے واقدی کا خیال بھی دوسرے مورخین کے ساتھ اسی طرف منتقل ہوا ہے اور بعض دوسرے مورخین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کوفہ ۱۵ھ میں بسایا گیا ہے، اور عبدالمسیح بن بقیلہ غسانی نے حضرت سعدؓ کو

اس مقام کی اطلاع دی تھی۔ غسانی نے کہا کہ "میں آپ کو ایسے قطعۂ زمین کی خبر دیتا ہوں جو وادیوں سے اوپر اور کف دست میدان کے نشیب میں واقع ہے" مگر سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کوفہ اور بصرہ اُس وقت آباد کیے گئے ہیں جب فارس کا دارالسلطنت مدائن زیر نگیں ہو چکا تھا اور شاہ فارس یزدگرد بن شہریار بن کسریٰ پرویز نے مدائن سے بھاگ کر حلوان میں دم لیا تھا اور جلولا کی سخت مہم سر ہو چکی تھی۔

فسطاط:۔ تیسرا شہر فسطاط مصر ہے، حضرت عمرو بن العاصؓ نے ۲۰ھ میں اس شہر کو آباد کیا، حضرت عمرو بن العاصؓ کا اس مقام پر آنا، یہاں کے باشندوں سے جنگ کرنا ۱۹ھ کا واقعہ ہے، مگر اس واقعے میں بھی اختلاف ہے۔

احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری نے اپنی کتاب فتوح البلدان میں بیان کیا ہے کہ وہ قلعہ جس پر مسلمان حملہ آور ہوئے تھے، شہر فسطاط کے وسط میں واقع تھا، اس کا نام بابلون اور بقول بعض بونہ تھا مگر اس وقت قصر الشمع کہلاتا تھا، مسلمانوں نے اُس کا نام فسطاط رکھ دیا کیونکہ وہ اس جگہ کو فسطاط القوم کہنے لگے یعنی قوم کا اجتماعی مقام۔

عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن الحکم مصری نے اپنی کتاب "فتوح مصر والاسکندریہ والمغرب والاندلس واخبارہا" میں بیان کیا ہے کہ "حضرت عمروؓ نے سات ماہ تک اس مقام کا محاصرہ جاری رکھ کر بالآخر اُس کو اپنی مفتوحات میں داخل کیا، یہاں سے اسکندریہ کی طرف کوچ کیا جب اُس کو بھی فتح کر لیا تو اُس کے مکانات اور عمارتوں کو خالی دیکھ کر اس شہر میں سکونت کا ارادہ کیا اور کہا "یہ مکانات ہمارے لئے کافی ہیں چنانچہ اُنہوں نے حضرت عمرؓ کو خط لکھ کر اجازت طلب کی، حضرت عمر نے ہرکارے سے پوچھا "کیا ہمارے اور وہاں کے مسلمانوں کے درمیان کوئی دریا بھی حائل ہے؟" ہرکارے نے جواب دیا "ہاں امیر المومنین دریائے نیل واقع ہے" حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو ابن العاصؓ کو لکھا "ہم پسند نہیں کرتے کہ مسلمان ایسے مقام میں مقیم ہوں کہ ہمارے اور اُن کے درمیان دریا حائل ہو جائے جو جاڑے اور گرمیوں میں یکساں نہ رہے" یہ حکم پاکر حضرت عمروؓ اسکندریہ سے چل کر فسطاط میں آ گئے۔

عبدالرحمٰن اور دوسرے مؤرخین کا بیان ہے کہ "فسطاط کا یہ نام اس وجہ سے ہوا کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے جب اسکندریہ جا کر وہاں کے رومیوں سے جنگ کرنی چاہی تو اُنہوں نے اپنے خیمے کے اُکھاڑنے کا حکم دیا اس وقت اُن کو معلوم ہوا کہ خیمے میں ایک کبوتر نے گھونسلا لگایا ہے،

اُنہوں نے کہا اب اس کا احترام ضروری ہو گیا ہے، حکم دیا کہ خیمہ علیٰ حالہ قائم رہنے دیا جائے، اور قصر الشمع کے افسر کو اُس کی ہدایت بھی کرتے گئے۔

جب مسلمان اسکندریہ سے واپس آئے تو اُنہوں نے قیام کے متعلق آپس میں مشورہ کیا۔ کسی نے کہا فسطاط میں ٹھہرنا چاہیئے، یہ نام عمروؓ کے فسطاط (خیمہ) کی وجہ سے ہو گیا تھا جس کو وہ اسکندریہ جاتے وقت چھوڑ گئے تھے، یہیں مسلمان فروکش ہوئے اور نئی آبادی کی بنیاد ڈالی، اور جب تک مسلمانوں نے مسجد کے قبلہ کی سمت متعین نہ کی حضرت عمروؓ برابر وہاں ٹھہرے رہے۔

رملہ :- چوتھا شہر رملہ ہے، جب ولید بن عبدالملک نے اپنے بھائی سلیمان کو فلسطین کی سپاہ کا افسر مقرر کیا تو وہ مقام لُدّ میں اقامت پذیر ہوئے اور شہر رملہ کی بنیاد ڈالی اور اُس کو آباد کیا، سب سے پہلے اُنھوں نے قصر اور وہ مکان تعمیر کیا جو آج بھی دار الصباغین کے نام سے مشہور ہے، لوگوں نے بھی اجازت پاکر مکانات تعمیر کئے۔ سلیمان نے عوام کے لئے ایک نہر جو بردہ کے نام سے نامزد ہے اور بہت سے کنویں کھدوائے اور ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جس کی تعمیر بھی شروع کردی، ابھی مسجد مکمل نہیں ہوئی تھی کہ وہ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ اور اُس کی تعمیر اپنے دور حکومت میں بھی جاری رکھی، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عہد میں تعمیر کی تکمیل کرائی مگر اُنہوں نے اصلی خاکہ سے مسجد کو چھوٹا کرا دیا، اور کہا کہ "ہم نے جتنی بڑی مسجد تیار کرائی ہے اہل رملہ کے لئے کافی ہے" احمد بن یحییٰ بلاذری نے اس واقعہ کو اسی طرح بیان کیا ہے۔

واسط :- پانچواں شہر واسط عراق ہے، احمد بن یحییٰ بلاذری کا بیان ہے کہ ۸۳ھ یا ۸۴ھ میں حجاج نے شہر واسط عراق کی بنیاد ڈالی، اور یہاں مسجد، قصر، اور گنبد اخضر تعمیر کرائے، اس سرزمین میں قصب یعنی نرکل زیادہ ہوتے تھے، اس مناسبت سے شہر واسط القصب کہلانے لگا، شہر واسط سے بصرہ، کوفہ، اہواز، اور بغداد کی مسافت ایک دن یعنی پچاس فرسخ ہے۔

دار السلام :- چھٹا شہر مدینۃ السلام ہے، ۱۴۵ھ میں بغداد کی غربی جانب ابوجعفر منصور نے ایک شہر کی بنیاد ڈالی اور اُس کو اپنی طرف .... منسوب کیا، اس مقام پر ایک باغ اور ایک پُرانی خانقاہ شہر صراۃ کے متصل واقع تھی، باغ فارسی زبان کا لفظ ہے جس کی وجہ سے اس جگہ کا نام بغداد ہو گیا، بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہاں ایک بت تھا جو باغ کہلاتا تھا یہ واقعہ مجوسیت کے ظہور اور اہل فارس کے اس نواح میں غلبے سے پہلے کا ہے جس کو ابن ابی طاہر نے اپنی کتاب اخبار بغداد میں اور دوسرے مصنفین نے بیان کیا ہے۔

اسی اثناء میں محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہم) نے مدینہ میں اور اُن کے بھائی ابراہیم نے بصرہ میں خروج کیا، اس خبر سے منصور کوفہ چلا آیا اور اُس وقت تک یہاں ٹھہرا رہا جب تک دونوں قتل نہ کر دیئے گئے، ۱۴۶ھ میں وہ بغداد واپس آیا اور اُس کی تعمیر پوری کرائی، اس کا نام مدینۃ السلام رکھا، پھر تمام خزانے اور دفاتر یہاں منتقل کرائے۔

جب مہدی کے لئے بغداد کی مشرقی جانب میں جس وقت وہ رَے جانے لگا تھا رُصافہ کی آبادی قائم کی گئی تو لوگ اس حصے کو مہدی کے لشکر کے رہنے کے سبب عسکر المہدی کہنے لگے، ۱۵۱ھ میں مہدی جب رَے سے واپس ہوا تو اسی رصافہ میں اُس نے قیام کیا۔

یہ آبادیاں جو بغداد کی شرقی و غربی دونوں جانب تھیں مسلسل ملتی ہوئی چلی گئیں، لوگ بغداد کی غربی جانب کو زوراء (کج) کہنے لگے، کیونکہ قبلہ کی سمت قائم کرنے میں کج ہونا پڑتا تھا اور شرقی جانب روحاء کہلانے لگا اور یہ نام اب تک قائم ہیں۔

سُر من رائے :- ساتواں شہر سُر من رائے ہے، جس کا بیان اوپر گذر چکا۔

واثق باللہ

ابو جعفر کنیت، ہارون بن محمد معتصم نام، اور واثق باللہ لقب تھا۔ اس کی ماں ام ولد تھی۔ جس کا نام قراطیس تھا۔

بروز جمعہ ۱۹۔ ربیع الاول ۲۲۷ھ میں معتصم کی وفات کے وقت اُس کی بیعت لی گئی، اور بروز چہارشنبہ ۲۴۔ ذی الحجہ ۲۳۲ھ میں سرمن رائے میں اُس کا انتقال ہوا، اس وقت اس کی عمر ۳۴ سال کی تھی، پانچ سال نو مہینے اور چھ روز تک اُس نے حکومت کی۔

حلیہ یہ تھا:۔ گورا رنگ جس میں سرخی غالب تھی، بدن سڈول، سینہ چوڑا، گھن کی ڈاڑھی اور آنکھوں میں سفید پتلیاں تھیں، اکثر باتوں میں مامون کی روش اختیار کی تھی، مذہبی معاملات میں لوگوں کو مصائب میں ڈال کر خوش ہوتا تھا، جس کی وجہ سے اُن کے دل پھر گئے اور طعن و تشنیع کرنے لگے۔

وزارت کے عہدے پر محمد بن عبدالملک زیات کو اسی طرح بحال رکھا جس طرح وہ معتصم کے عہد زمانے میں تھا، اس کی انگشتری میں اللہ ثقۃ الواثق عبارت کندہ تھی، واثق نے منصب قضا پر احمد بن ابی داؤد کو مامور کیا اور حجابت کے عہدے پر محمد بن حماد بن دنقش، ایتاخ، اور وصیف کو مقرر کیا۔

متوکل علی اللہ

ابو جعفر کنیت، جعفر بن محمد معتصم نام، اور متوکل علی اللہ لقب تھا، اس کی ماں ام ولد تھی، شجاع نام تھا، اور طخارستانیہ کہلاتی تھی، واثق کی وفات کے روز اُس کی بیعت لی گئی، اُس نے اپنی خلافت کے بعد اپنے تین بیٹوں منتصر، ابو عبد اللہ المعتز، اور ابراہیم المؤید کی ولی عہدی کی بھی بیعت لی۔

اُس نے ترکی غلاموں پر سختیاں کیں، کسی کو موقوف کیا، اور کسی کے درجے توڑے، اور اُن کی جگہ دوسروں کو مقرر کرنا شروع کیا، اُن کو مغلوب کرنے کی بہت کوششیں کیں، تقریباً بارہ ہزار بے نوایان عرب اور دوسرے لوگوں کو شہزادہ المعتز کی خاطر عبد اللہ بن یحییٰ بن خاقان وزیر کے پاس جو شہزادہ کی اتالیقی بھی کرتا تھا رکھا۔

ان عربوں کے مامور ہونے کے بعد سے ترکی غلاموں کی مالی امداد بالکل کم کر دی اور اُن کے استیصال کے منصوبے سوچا کرتا تھا۔

اُس نے اپنے بیٹے محمد کو بُری طرح ذلیل و رسوا کیا تھا اس وجہ سے وہ بھی متوکل کے قتل پر آمادہ و مستعد ہو گیا، مقصد براری کے لئے اُس نے وصیف، بغا، اور دوسرے غلاموں سے ساز باز کی، جنھوں نے اس مہم کو انجام دینے کے لئے کمسن غلاموں کی ایک جماعت تیار کی جس میں باغر بھی شریک کیا گیا، انجام کار بروز چہار شنبہ ۳۔ شوال ۲۴۷ھ اُسی کے آباد کردہ شہر "جعفریہ" متعلق سرمن رائے میں اُس کا سر تن سے جدا کیا گیا[1]۔

---

[1] بنو عباس کے دور عروج کا آخری خلیفہ متوکل تھا۔ فارغ البالی اور خوشحالی کے لحاظ سے مسعودی ہی نے اس کے دَور کو عہد سرور سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے عدل و انصاف، احیاء سنت، رویت باری اور خلق قرآن کے مباحث پر پابندی اور علماء پر مظالم کے تدارک کی بنا پر بعض نے اس کو خلفاء راشدین کے مماثل قرار دیا ہے۔ اس نے عربوں کو ترکوں کے مقابلہ پر آگے بڑھانا چاہا۔ معتصم واثق اور خود اس کے دَور میں ترکوں کو جو طاقت حاصل ہو گئی تھی اُس کو توڑنے کے لئے کامیاب کوشش کی اس کا یہ اقدام اس کی اعلیٰ سیاسی بصیرت پر مبنی تھا مگر اس کے بیٹے محمد (الملقب بہ منتصر باللہ) نے (باقی حاشیہ صفحہ ۲۵۸ پر)

متوکل نے ۴۱ سال کی عمر پائی، چودہ سال نو مہینے اور نو روز اُس نے حکومت کی۔

اُس کا حلیہ یہ تھا، گندمی رنگ، زردی مائل، منہ چھوٹا، خوبصورت چہرہ، چھوٹے چھوٹے رخسارے، اور آنکھیں بڑی بڑی تھیں، وہ نہایت بردبار اور حاضر جواب تھا، دینی امور میں کشت و خون کو روک کر اُس نے لوگوں کو مصائب سے نجات دی، دنیا پر اُس کی پوری حکومت تھی، اُس نے اُس کی لذتوں سے حظ وافر حاصل کیا، مگر ایسی لایعنی اور مضحک اور مہمل باتوں کو اُس نے اختیار کیا تھا جو بادشاہوں کے لئے باعث ننگ ہوا کرتی ہیں۔

محمد بن عبداللہ زیات[1] کو اپنے عہد میں چالیس روز تک وزیر رکھ کر قتل کرا دیا، بعدہٗ محمد بن فضل جرجرائی اور اُس کے بعد عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان مروزی کو وزارت دی، جس وقت عبیداللہ کو قلمدان وزارت سپرد کیا گیا تھا اُس کا باپ یحییٰ بن خاقان زندہ تھا۔

اُس کی انگشتری میں "جعفر علی اللہ یتوکل" کا نقش کندہ تھا۔

منصب قضاء پر یحییٰ بن اکثم، جعفر بن محمد برجمی کو اور حجابت کے عہدے پر وصیف، بُغا، اور زرافہ کو مقرر کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۷ کا)

باپ سے کشیدگی کی وجہ سے ترکوں سے ساز باز کیا اور انہیں کے ہاتھوں باپ کو قتل کرا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترک حکومت پر چھا گئے اور خود منتصر کی ہلاکت بھی انہیں کے ہاتھوں ہوئی۔

[1] زیات بڑا ظالم اور متکبر تھا۔ اس نے واثق کے دور میں لوگوں پر بڑے مظالم کئے تھے ظالم نے ظلم کا بھی عجیب طریقہ نکالا تھا۔ سزا دینے کے لئے کیلوں یا نوکدار میخوں کا ایک تنور بنوایا تھا تاکہ اس میں بیٹھنے والا اگر ذرا بھی جنبش کرے یا پہلو بدلے تو یہ برچھی نما میخیں اس کے جسم کو چھید ڈالیں۔ غرضکہ کسی کروٹ چین نہ لینے دیں۔ علاوہ ازیں اپنے دور اقتدار میں اس نے متوکل کی تذلیل کی تھی بلکہ واثق کی نگاہوں میں مورد عتاب بنوا دیا تھا۔

منتصر باللہ

ابو جعفر کنیت، محمد بن جعفر متوکل نام اور منتصر باللہ لقب تھا، اس کی ماں ام ولد تھی، روم کی رہنے والی اور حبشیہ نام تھا، علی الصباح متوکل کے قتل ہوتے ہی اُس کی بیعت لی گئی اور چوتھی ربیع الاول ۲۴۸ھ میں بمقام سرمن رائے وہ جاں بحق تسلیم ہوا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب اُس کی عمر اٹھائیس سال کی تھی تو لوگوں نے اُسے زہر دے کے مار ڈالا، وجہ یہ ہوئی کہ جب اُس کے غلاموں کو اس بات کا علم ہوا کہ اُس کی نیت اُن کی طرف سے خراب ہو گئی ہے، اور وہ اُن کے خلاف تدبیریں کیا کرتا ہے تو انہوں نے اُس کے قتل کرنے میں بڑی عجلت اور چابک دستی کا اظہار کیا، اُس نے کل چھ مہینے اور ایک روز حکومت کی۔

حلیہ یہ تھا، قد میانہ، حسین چہرہ، گندمی رنگ، نہایت جسیم لحیم اور رعب دار تھا، ہر وقت باخبر رہا کرتا تھا مگر نہایت ممسک واقع ہوا تھا، مال و زر کی اتنی حفاظت کرتا تھا کہ لوگ اُسے بخیل اور کنجوس کہا کرتے تھے۔

اُس نے احمد بن خصیب کو وزارت کا عہدہ دیا۔ اسی اثناء میں اُس کا انتقال بھی ہو گیا، انگشتری میں "محمد باللہ ینتصر" کی عبارت کندہ تھی۔

منصب قضاء پر جعفر بن محمد اور بہ قول بعض جعفر بن عبدالواحد ہاشمی کو اور حجابت کے عہدے پر وصیف اور بغا کو مقرر کیا۔

مستعین باللہ

ابو عبداللہ کنیت، احمد بن محمد بن محمد معتصم نام اور مستعین باللہ لقب تھا، اُس کی ماں ام ولد تھی اور مخارق کہلاتی تھی۔ منتصر کی وفات کے روز اس کی بیعت لی گئی، بغا الکبیر کا بھانجا اوتامش نامی، اور اُس کا میر منشی شجاع ابن القاسم سیاہ وسفید کے مالک ہو کر ہر قسم کے احکام نافذ کرنے لگے تھے جس سے غلاموں کی جماعت میں سخت شورش برپا ہو گئی یہاں تک کہ اس جماعت نے اوتامش اور شجاع کو ۲۴۹ھ ربیع الاول کی وسط تاریخوں میں تہ تیغ کر دیا۔

اب تک مستعین سر من رائے میں مقیم تھا، مگر جس وقت وصیف اور بغا نے ترکی غلام باغر کو جو متوکل کے قتل کی سازش میں پیش پیش تھا مار ڈالا، تو غلاموں نے سخت ہنگامے برپا کئے اور وہ گروہ در گروہ اُٹھ کھڑے ہوئے، اس وقت مستعین وصیف اور بغا کو ساتھ لے کر مدینۃ السلام آگیا اُدھر ترکوں نے مدینۃ السلام کے لوگوں سے جنگ کی ٹھان لی اور سر من رائے میں ابو عبداللہ المعتز کی بیعت لے کر جنگ چھیڑ دی اور تقریباً ایک سال تک یہ جنگ جاری رہی۔

مستعین کے تمام معاملات کو محمد بن عبداللہ بن طاہر انجام دیا کرتا تھا، مگر بعد کو مستعین نے تخت سے دست بردار ہو کر خلافت معتز کے حوالے کر دی، انجام کار بروز چہارشنبہ تیسری شوال سنہ مذکور میں سر من رائے کے ایک مقام قادسیہ میں وہ قتل کیا گیا، اُس وقت اُس کی عمر ۳۵ سال کی تھی، اُس نے بیعت کے دن سے معزول ہونے تک تین سال آٹھ مہینے اور اٹھائیس روز حکومت کی اور اُس کے معزول ہونے سے مقتول ہونے تک صرف نو مہینے کا وقفہ تھا۔

مستعین نہایت لحیم جسیم اور خوبصورت تھا، ڈاڑھی سیاہ تھی، وہ نرم مزاج مگر لایعنی باتوں کی اتباع میں سخت مطلق العنان تھا، خوف سے اُس کو جان کے لالے پڑے رہتے تھے، اسی خوف اور بے اطمینانی کے باعث اپنے دار الحکومت اور مرکز عزت سے اُس نے راہ گریز اختیار کی، اور امور سلطنت کے بار سے سبکدوش ہو گیا۔

اُس نے احمد بن خصیب کو وزیر مقرر کیا، مگر جب وہ معتوب ہوا تو قرعۂ وزارت ترکی النسل اوتامش نامی ایک شخص کے نام نکلا اور شجاع بن القاسم کو میر منشی نامزد کیا۔ یہ لوگ جس طرح چاہتے تھے امورِ سلطنت کا انصرام کرتے تھے۔ اوتامش اور شجاع کے قتل کے بعد احمد بن صالح بن شیرزاد کو عہدۂ وزارت عطا کیا۔

اُس کی انگشتری کے نگینے پر جو جبل کے نام سے مشہور تھا "احمد بن محمد" کی عبارت کندہ تھی۔

منصب قضا پر حسن بن ابی الشوارب اموی کو اور حجابت کے عہدے پر وصیف اور بغا کو مقرر کیا۔

المعتز باللہ

ابو عبداللہ کنیت، زبیر بن جعفر متوکل نام، اور المعتز باللہ لقب تھا، اُس کی ماں رومی النسل ام ولد تھی، اور قبیحہ کے نام سے موسوم تھی۔

مستعین کی خلافت سے دست برداری کے بعد بروز پنجشنبہ ۴۔ محرم ۲۵۲ھ میں المعتز کی عام بیعت لی گئی، اُس کی خدمت میں وصیف اور بغا حاضر ہوئے اُس نے اُن کو سابق عہدے پر بحال کر دیا، مگر پھر بھی وہ ان دونوں کے خلاف برابر تدبیریں کیا کرتا تھا، چنانچہ آخر شوال ۲۵۳ھ میں غلاموں نے ہنگامہ برپا کر کے وصیف کو مار ڈالا۔

ایک شب معتز سوار ہو کر کہیں جا رہا تھا کہ اُسے بغا کی سازش کی اطلاع ملی جس میں معتز کو وہ مبتلا کرنا چاہتا تھا، ناچار بغا فرار ہو کر نواح موصل کی طرف چلا گیا، مگر کچھ دنوں کے بعد ایک چھوٹی کشتی پر سوار ہو کر براہ دجلہ پوشیدہ طریقے سے پھر واپس آیا، اور معتز کے خلاف کارروائیاں کرنے لگا، لیکن یہ راز بھی ظاہر ہو گیا، اور سر من رائے کے ایک پُل پر وہ گرفتار کر لیا گیا اور جب معتز کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو اس نے اس کے قتل کا حکم دیا، چنانچہ آخر ذی القعدہ ۲۵۴ھ میں قتل ہو کر اس کا سر معتز کے پاس لایا گیا۔

اب صالح بن وصیف نظام حکومت پر برسرکار آیا اور تمام معاملات کو خود ہی انجام دینے لگا، لیکن معتز کی طرف سے اس کا دل صاف نہ تھا۔ صالح کو اپنے خلاف کارروائیوں کی اطلاع پہنچا کرتی تھی، بالآخر اُس نے معتز کو قابو میں لا کر، ۲۷۔ رجب ۲۵۵ھ میں معزول کر دیا۔ اور اسی سال ۳۔ شعبان کو بمقام سر من رائے وہ قتل کر دیا گیا اُس وقت اس کی عمر چوبیس سال کی تھی، مستعین کے عزل سے خود اپنے عزل تک اس نے تین سال چھ مہینے اور چوبیس روز حکومت کی۔

حلیہ یہ تھا:۔ رنگ گورا، چہرہ حسین، کالے بال، خوبصورت آنکھیں، وہ اتنا حسین تھا کہ اُس کے حسن و جمال کی نظیر تمام خلفاء میں نہیں ملتی ہے، مگر وہ عیش و نشاط میں ہر وقت ڈوبا

رہتا تھا، اور تدبیر ورائے میں نہایت بے بہرہ تھا، اس کی ماں قبیحہ اور دوسرے لوگ اس کی طرف سے سلطنت کے معاملات انجام دیا کرتے تھے، جس کی وجہ سے ہر ایک کو امور مملکت میں تغلب و تصرف کا موقع ہاتھ آگیا، اور وہ کارہائے سلطنت میں لوگوں کی نظروں سے بالکل اُتر گیا۔ اُس نے وزارت کے عہدے پر جعفر بن محمود الاسکافی بعدہٗ عیسیٰ بن فرخ بادشاہ اور پھر احمد بن اسرائیل کو مقرر کیا۔

تمام مراسلات صالح بن وصیف کے نام سے جاری ہوتے تھے یہ شخص حکومت میں اس قدر دخیل ہو گیا تھا گویا وزارت اسی کے لئے نامزد ہو چکی ہے۔

اس کی انگشتری میں "المعتز باللہ" کندہ تھا۔

منصب قضا پر حسن بن ابی الشوارب اموی کو اور حجابت کے عہدے پر صالح بن وصیف اور بایکباک کو مقرر کیا۔

مہتدی باللہ

ابو عبداللہ کنیت، محمد بن ہارون واثق نام، اور مہتدی باللہ لقب تھا، اس کی ماں رومی النسل ام ولد تھی، جس کا نام قرب تھا۔

بروز چہارشنبہ ۲۷۔ رجب ۲۵۵ھ میں اس کی بیعت لی گئی، اس کی حکومت میں صالح بن وصیف دخیل کار اور معاملات سلطنت کا نگراں اور کفیل تھا۔

موسیٰ بن بغا الکبیر جو رے کا عامل تھا، جب یہاں آیا تو اس نے مہتدی کی تمام سرگذشت کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھا، مہتدی نے اُسے رے واپس جانے کو لکھا اور چند پیامبر بھی اُس کے پاس بھیجے مگر اُس نے واپس جانے سے انکار کیا، اس کی آمد سر من رائے میں محرم ۲۵۶ھ میں ہوئی تھی، جس وقت وہ اس شہر کے قریب پہنچا، تو صالح بن وصیف روپوش ہوگیا۔

چونکہ موسیٰ بن بغا الکبیر بغیر اجازت کے چلا آیا تھا، اس لئے مہتدی اُس سے سخت برہم تھا، اُس نے اُس پر نافرمانی کا الزام عائد کیا، بالآخر دونوں نے ایک دوسرے کی وفاداری اور اخلاص مندی کا عہد و پیمان کیا، اسی وقت صالح کی جستجو کی گئی اور وہ گرفتار ہو کر ۲۲۔ صفر سنہ مذکور میں قتل کیا گیا۔

اسی زمانے میں مساور بن عبدالحمید شاری مولی کی وجہ سے جبکہ جبال شہر زور، اور دوسرے شہروں میں حالت نہایت مخدوش ہوگئی تھی۔ موسیٰ بن بغا نے اُس پر لشکر کشی کی بڑی تیاریاں کیں، اور بایکباک بھی فوج گراں لے کر اُس سے جا ملا، دونوں فوجیں آگے بڑھیں جس وقت مساور کی فوج سے مڈبھیڑ ہوئی دونوں کی فوجوں نے اُسے سخت شکست دیکر کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔

اس مہم کے سر ہونے پر مہتدی نے بایکباک کو لکھا کہ وہ موسیٰ کو قتل کر کے اُس کی فوج کو اپنی قیادت میں لیلے، بایکباک نے اس کی اطلاع موسیٰ کو کر دی، یہ خبر معلوم کر کے موسیٰ نے سر من رائے کی طرف کوچ کیا تاکہ وہ مہتدی سے اس کا بدلہ لے، جب وہ دربار میں پہنچا تو وہ گرفتار کر لیا گیا جب اُس کے ساتھیوں نے سخت شورش اور ہنگامے برپا کئے، تو موسیٰ کا سر کاٹ کر اُس کی جماعت کے لوگ میں ڈال

دیا گیا، یہ واقعہ رجب سنہ مذکور کا ہے۔

موسیٰ کے قتل ہونے کے بعد اُس کا بھائی ابو نصر بن بغا بھی باغی ہو گیا، اور غلاموں کی جمعیت لے کر سر من رائے کے باہر فوجی تیاریاں کرنے لگا۔ مہتدی نے اُس کو امان دے کر اپنے پاس بُلایا، مگر جوں ہی وہ حاضر ہوا اُسے بھی قتل کر ڈالا۔ جس کی وجہ سے غلاموں نے آمادۂ فساد ہو کر مہتدی کے خلاف سخت شور و شر برپا کیا، ناچار مہتدی اُن سے مقابلے کے لئے مغاربہ، فراغنہ اور اشروسیہ کی فوجوں کو لے کر شہر سے باہر نکلا، اور عوام سے کمک حاصل کی، مگر غلاموں نے اُسے شکست دے کر گرفتار کر لیا،

اس جنگ میں اُس نے کئی زخم کاری بھی کھائے، آخر ۱۶۔ رجب ۲۵۶ھ میں بمقام سر من رائے وہ قتل کیا گیا۔

اُس کا حلیہ یہ تھا، قد میانہ، بدن حسین، پیشانی چوڑی، آنکھیں کنجی، پیٹ بڑا، ڈاڑھی لانبی، اور سر چندلا تھا، وہ نہایت متقی تھا، اور تہذیب و شائستگی، علم و فضل، اعتدال و میانہ روی اور امانت و دین داری میں تمام خلفائے بنو عباس میں قریب قریب ویسا ہی تھا۔ جس طرح خلفائے بنو امیہ میں حضرت عمر بن عبد العزیز تھے، اس کو ایسی جماعتوں سے سابقہ پڑا جن کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ دینی اخلاق کو محرمات سمجھ رکھا تھا، اور دنیاوی باتوں کے سوا کچھ نہیں چاہتی تھیں۔ ان لوگوں نے اُس کا ناحق خون کر کے اپنی حالت کو خراب اور پراگندہ کر دیا۔

اس نے باوجود قلیل المدت حکومت کے اپنے زمانے میں ایک جماعت کو وزارت کا عہدہ دیا، اور ہر ایک شخص پر اس کی ذمہ داری عائد کی، چند وزراء کے نام یہ ہیں :-

جعفر بن محمود اسکافی، محمد بن احمد بن عمّار، سلیمان بن وہب، اس کی انگشتری میں "محمد بن امیر المومنین" کندہ تھا۔

اُس نے منصب قضا پر حسن بن محمد ابی الشوارب کو اور حجابت کے عہدے پر صالح بن وصیف، بعدہٗ موسیٰ بن بغا، اور عبد اللہ بن ذکین کو مقرر کیا۔

معتمد علی اللہ

ابو العباس کنیت، احمد بن جعفر متوکل نام، اور معتمد علی اللہ لقب تھا، اس کی ماں ام ولد تھی، جس کا نام فیتان تھا، بروز سہ شنبہ ۱۶۔ رجب ۲۵۶ھ میں اس کی بیعت لی گئی، جب یہ تخت نشین ہوا تو امور سلطنت کو پس پشت ڈال دیا اور عیش وطرب اور دنیاوی لذتوں میں مبتلا ہو گیا، جس کی وجہ سے اس کی حکومت کا خاتمہ ہوا چاہتا تھا۔ دفعۃً اُس کا بھائی ابواحمد موفق طلحہ بن جعفر متوکل جس کا لقب ناصر لدین اللہ تھا، تدابیر ملکی، سیاست سلطانی اور نظام حکومت پر بروئے کار آیا، اور معتمد کو ایسا بے دست وپا کر دیا کہ وہ کسی قسم کا فرمان جاری کر سکتا تھا، اُس نے نہایت خوش اسلوبی سے سلطنت کو سنبھال لیا، دشمن جو سر پر کھڑے تھے اُن کا قلع قمع کیا، غلاموں کی شوریدہ سری، نافرمانی، اور کاوشوں کو جو وہ اکثر کیا کرتے تھے، اور جو لوگ کہ اختیار سے باہر ہو چکے تھے اُن کی اصلاح کی۔ ایک زمانے تک موفق نے امور سلطنت کو انجام دیا، صفر ۲۷۸ھ میں مدینۃ السلام میں اُس کا انتقال ہوا۔

(مسعودی کہتا ہے) معتمد نے صفار کے مقابلے میں اپنی افواج لے کر بروز شنبہ ۳۔ جمادی الاخری ۲۶۲ھ میں سر من رائے سے مدینۃ السلام کی طرف کوچ کیا، اور ایک مقام پر پہنچا، جو نہر دجلہ کے کنارے سیب اور دیر العاقول کے درمیان باصنطرنذ کے نام سے مشہور تھا، یہ مہم یعقوب بن لیث صفار کے ساتھ بروز یکشنبہ ۷۔ رجب سنہ مذکور پیش آئی، اُس نے صفار کو سخت ہزیمت دی، اور اُس کا تمام لشکر لوٹ لیا۔

معتمد شعبان سنہ مذکور میں سر من رائے واپس آیا، اور صفار نے جندیسابور کی راہ لی جو کورالاہواز کے قریب تھا، یہاں وہ شوال ۲۶۵ھ میں جاں بحق تسلیم ہوا۔

علی بن محمد زنگیوں کا سرغنہ آل ابی طالب کی طرف آپ کو منسوب کرتا تھا اُس کے قتل کا واقعہ صفر ۲۷۰ھ میں پیش آیا وہ خلیفہ مہتدی کے عہد خلافت میں وسط شوال ۲۵۴ھ میں ایک مقام جو برنخل کے نام سے موسوم تھا اور حامل بصرہ کے زیر اثر اور مفتح کے ایک گوشے میں واقع تھا علم بغاوت

بلند کر کے بصرہ اور کورآلا ہواز کے اکثر حصص، ارجان کے قریبی مقامات جو سرزمین فارس اور واسط میں تھے، نعمانیہ اور جرجرایا کے مشہور مقامات جو نہر دجلہ کے کنارے واقع تھے، طفوف اور کوفہ کے مضافات اور دیگر مقامات کو اپنے تصرف میں لے آیا تھا، جس وقت اُس نے علم بغاوت بلند کیا تھا اُس وقت سے لے کر اُس کے مارے جانے تک کل مدت چودہ سال چار مہینے ہوتی ہے، اس معرکے میں جتنے سرکاری آدمی اور غیر سرکاری لوگوں میں جس قدر مرد، عورتیں، اور بچے، تلواروں سے مارے گئے، آگ میں جلائے گئے، پانی میں ڈبوئے گئے اور بھوکوں ہلاک ہوئے، اُن کی تعداد میں اختلاف ہے، بعض لوگ دس لاکھ کا تخمینہ کرتے ہیں، لیکن لوگوں کی غالب رائیں یہ ہیں کہ اُن کا شمار نہیں ہوسکا، کیونکہ کثرت اور دشواریوں کے سبب تعداد معلوم ہونی ناممکن تھی۔

بروز دوشنبہ ۲۶۔ جمادی الآخری ۲۷۰ھ میں جس وقت اُس کا سر معتمد کے سامنے بغداد لایا گیا، تمام سڑکیں آراستہ تھیں اور جا بجا قبے بنائے گئے تھے۔

۱۹۔ رجب ۲۷۹ھ میں معتمد کی وفات بغداد میں ہوئی، اُس وقت اُس کی عمر پچاس سال اور چند ماہ کی تھی، اور بقول بعض اڑتالیس سال کی تھی، اُس نے ۲۳ سال اور ۱۲ روز حکومت کی۔

اُس کا حلیہ یہ تھا، بدن خوبصورت، آنکھیں بڑی، قد اونچا، نہایت لحیم جسیم، ڈاڑھی لانبی، اور سر بڑا تھا، جب وہ تخت نشین ہوا تو اُس کو اپنوں سے خوف اور غلاموں سے ڈر لگا رہتا تھا، اس وجہ سے اُس نے امور سلطنت کو اُنہیں لوگوں کے ہاتھوں میں ڈال دیا تھا، یہاں تک کہ اُس کا بھائی ابو احمد موفق کار ہائے سلطنت انجام دینے کے لئے آمادہ ہوا جس کا تذکرہ ہم نے اوپر کیا ہے۔

وزارت کے عہدے پر حسب ذیل لوگوں کو بہ ترتیب مقرر کیا۔

عبید اللہ بن یحییٰ بن خاقان، حسن بن مخلد بن جراح، سلیمان بن وہب، حسن بن مخلد (دوبارہ وزیر بنایا گیا) ابو الصقر اسماعیل بن بلبل، حسن بن مخلد (اسے سہ بارہ وزارت کا عہدہ ملا) ابوبکر بن صالح بن شیر زاد، اسماعیل بن بلبل، (اسے دوبارہ یہ عہدہ ملا)۔

اُس کی انگشتری میں "المعتمد علی اللہ یعتمد" کندہ تھا، منصب قضا پر حسن بن محمد بن ابی الشوارب اور اُس کے بھائی علی بن محمد کو اور حجابت کے عہدے پر یار جوخ ترکی، کیغلغ، جسنج جس کا نام حسن بن ترتنک تھا، خطارمش اور ریکتمر کو مقرر کیا۔

معتضد باللہ

ابو العباس کنیت، احمد بن طلحہ موفق نام اور معتضد لقب تھا، اس کی ماں ام ولد تھی، اور حقیر نام تھا، بروز سہ شنبہ ۱۸۔ رجب ۲۷۹ھ میں اس کی بیعت لی گئی۔ اور بروز یکشنبہ یا سہ شنبہ ۲۲ یا ۲۴۔ ربیع الاول ۲۸۹ھ میں بغداد میں اس کا انتقال ہوا، اُس وقت اُس کی عمر ۴۷ سال کی تھی، اس نے نو سال اور نو مہینے اور بائیس روز حکومت کی۔

اس کا حلیہ یہ تھا، نحیف الجسم، لوگوں میں میانہ قد نظر آتا تھا، ڈاڑھی خوبصورت رخسارے چھوٹے اور خضاب سے بالوں کو سیاہ کرتا تھا، کسی واقعے کے ہوتے ہی نچلا بیٹھا نہ رہتا۔ کاموں میں ابتری پیدا نہ کرتا، تن تنہا امور سلطنت کو انجام دیتا، اور بغیر کسی تامل کے اپنی تدابیر عمل میں لاتا تھا، اُس نے نہایت ضابطہ و آئین، پختہ کاری و تجربہ اور پوری قوت کے ساتھ حکم رانی کی، غلام جو برابر شور و غوغا اور ہنگامے برپا کیا کرتے تھے اُن کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روک دیا۔

اسماعیل بن بلبل کو قابو میں کر کے وزارت کا عہدہ عبید اللہ بن سلیمان بن وہب کو دیا۔ پھر قاسم بن عبید اللہ کو وزیر بنایا۔ اس کی انگشتری میں "الحمد للہ الذی لیس کمثلہ شیئ وھو خالق کل شیئ" کندہ تھا۔

منصب قضا پر ابو اسحاق اسماعیل بن اسحاق بن اسماعیل بن حماد بن زید مولی جہاضم ازدی کو مقرر کیا یہ مالکی المذہب تھے، پھر یوسف بن یعقوب جو قاضی اسماعیل کے چچا زاد بھائی تھے، اور ابو خازم عبد الحمید بن عبد العزیز حنفی بصری کو مشرقی ممالک کے عہدۂ قضا پر مامور کیا، اور حجابت کے عہدے پر صالح الامین اور اُس کے بعد حفیف سمرقندی کو مقرر کیا۔

بنو العباس میں سفاح اور منصور کے بعد اس وقت تک جتنے خلیفہ ہوتے آئے ہیں اُن میں بجز مستعین اور معتضد کے سب کے باپ خلیفہ تھے۔

مکتفی باللہ

ابو محمد کنیت، علی بن احمد معتضد نام اور مکتفی باللہ لقب تھا، ماں ام ولد تھی، جیجق لقب تھا اور اُس کو لوگ خاضع کہتے تھے، معتضد کی وفات ہوتے ہی اس کی بیعت لی گئی، اور روز یکشنبہ ۱۳۔ ذی القعدہ ۲۹۵ھ میں مدینۃ السلام میں اس کا انتقال ہوا۔ ۳۱ سال اور ۶ ماہ کی عمر پائی تھی، بعض روایتوں میں ہے کہ اس کی عمر اس سے زیادہ تھی، ۶ سال اور ۱۹ روز اُس نے حکومت کی۔

حلیہ یہ تھا، نحیف الجثہ، گندمی رنگ، چھوٹی آنکھیں، داڑھی اور سر کے بال دراز اور خوبصورت تھے، چہرہ حسین اور باندازِ مناسب تھا۔

جب وہ مسند آرائے حکومت ہوا تو اُس نے امور سلطنت کو باپ کی بدولت بکھرا ہوا پایا جس کی وجہ سے وہ بکثرت ریشہ دوانیوں اور اطراف ملک کی ہنگامہ آرائیوں میں مبتلا ہوا مگر اُس کے پاس، مال و زر وافر تھا اور فوج بہت کافی تھی اس لئے ان حالات کے مقابلے کے لئے سینہ سپر ہو گیا، باپ کے نقش قدم پر چلا اور اُسی کی روش پر گامزن ہوا، اس کو نہ بہادر کہا جا سکتا تھا اور نہ بُزدلی کا الزام اُس پر رکھا جا سکتا تھا، وزارت کے عہدے پر قاسم بن عبید اللہ کو جس طرح معتضد کے زمانے میں تھا قائم رکھا، پھر عباس بن حسن کو وزارت دی اُس وقت اس کا باپ حسن بن ایوب بن سلیمان زندہ تھا۔

اُس نے اپنی انگشتری میں اپنے باپ معتضد کی انگشتری کی طرح "الحمد للہ الذی لیس کمثلہ شیئٌ وھو خالق کل شیئ" نقش کندہ کرایا۔

منصب قضاء پر یوسف بن یعقوب اور اُس کے بیٹے محمد بن یوسف اور ابو خازم کو مقرر کیا، پھر آخر الذکر کی جگہ عبداللہ بن علی بن ابی الشوارب اموی کو مامور کیا، اور حجابت کے عہدے پر خفیف سمرقندی اور اپنے مولی اسوسن کو رکھا۔

مکتفی کے عہد میں قابل ذکر اہم واقعات میں قرمطی کی بغاوت ہے۔ یہ شام کا مقتدر شخص تھا ابو القاسم اُس کی کنیت تھی اور آل ابی طالب کی طرف اپنے تئیں منسوب کرتا تھا، حالانکہ قبائل

بنو کلب میں کوئی شخص آل ابی طالب میں داخل نہیں ہے۔

قرمطی ۲۸۹ھ میں سماوہ کو اپنے تصرف میں لایا، اور یہاں سے رقہ کی جانب جو بلاد مصر میں داخل تھا بڑھا، سبک دیلمی سے جو اس علاقے کا عامل تھا اس کی مڈ بھیڑ ہوئی، اُس نے دیلمی اور اُس کی افواج کے پرخچے اڑاتے ہوئے نواح دمشق کا رُخ کیا، اُس وقت طولون کے خاندان میں مصر اور شام کی حکومت تھی، اور ہارون بن خماردیہ ابن احمد بن طولون کی طرف سے طغج بن جف فرغانی دمشق، حمص اور اُردن کا حاکم تھا اُس نے وادی قروان، اور افاعی کے مقامات میں جو دمشق سے متعلق تھے اختتام رجب ۲۸۹ھ میں قرمطی سے مقابلہ کیا، مگر اُس نے طغج کو بھی شکست دی اُس کی جماعت کی بڑی تعداد کو تہ تیغ کیا، اور تین ماہ بیس روز تک دمشق کو محاصرے میں رکھا، اس درمیان میں اکثر خوں ریز لڑائیاں ہو جاتی تھیں مگر فتح وظفر کا نتیجہ کسی طرف ظاہر نہیں ہوتا تھا، اسی دوران میں لوگ دمشق کے اطراف وجوانب غوطہ اور دوسرے مقامات سے آآکر قرمطی جماعت میں شریک ہوتے رہے اور اُس کے قوت بازو بن گئے تھے، مصری فوج معرکہ آرائی کے لئے پہنچی اور خود طغج بھی آکے شامل ہوگیا۔ قرمطیوں نے اس پر حملہ کیا، کناکر کی اور کو کبا کے مشہور مقامات میں جو دمشق سے ایک دن کے فاصلے پر تھے غرہ رجب سال رواں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی، قرمطی مارا گیا، اور مصریوں کو بھی شکست ہوئی، جماعت قرامطہ نے قرمطی کے بھائی ابوالحسن کے ہاتھ پر بیعت کر کے ازسرنو دمشق کا محاصرہ کیا، اور شب وروز اہل دمشق کے ساتھ سرگرم پیکار رہنے لگے۔ دمشق کے حاکم نے شہر کو قرامطہ کے حوالے کیا، اور رعایا کو اُن کے حال پر چھوڑ کر دوسری جگہ چلا گیا، قرمطی نے بھی اسی سال روز یکشنبہ ۱۳۔ رجب کو وہاں سے کوچ کیا، اور حمص پہنچ کر خیمہ زن ہوا، یہاں سے اپنی جمعیتوں کو شہر بعلبک کی طرف جو دمشق کے ماتحت تھا روانہ کیا، ان لوگوں نے وہاں پہنچ کر شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

یہ خبر سن کر مکتفی اپنی افواج کو لئے مدینۃ السلام سے نکلا اور ابوالاعز خلیفہ بن مبارک بن خلیفہ سلمی کو مقدمۃ الجیش بنا کر روانہ کیا، وہ یہاں سے چل کر شہر حلب کے سواد میں پہنچا۔ قرمطی نے ایک دستہ فوج کا اُس کے مقابلے پر بھیجا، ابوالاعز کی فوج قرمطی سے زیادہ تھی، یہ واقعہ ۲۰۔ رمضان سنہ رواں میں پیش آیا۔

جب جنگ چھڑی تو مکتفی کی افواج نے کشتوں کے پشتے لگائے اور بے شمار قرامطہ کو گرفتار کیا، اور جو بچ رہے تھے اُن میں باہم پھوٹ پڑ چکی تھی، قرمطی نے اپنے رفقا کو چھوڑ دیا اور روپوش ہو کر کوفہ

کی راہ لی۔ دالیہ جو ولایات رحبہ اور سقی الفرات سے متعلق تھا اُس کے والی نے قرمطی کو گرفتار کرلیا، اُس وقت قرمطی کے رفقا میں صرف چار یا پانچ آدمی ساتھ رہ گئے تھے، وہ مکتفی کے پاس رقہ بھیجا گیا اور روز دوشنبہ ۲۶۔ محرم سنہ مذکور میں اُس کے سامنے پیش کیا گیا۔

اسی سال روز دوشنبہ یکم ربیع الاول کو مکتفی اچھے سامان اور پورے حشم کے ساتھ باجاہ و جلال قرمطی اور اُس کے اسیر رفقا کو ساتھ لئے ہوئے مدینۃ السلام میں داخل ہوا، کچھ روز کے بعد محمد بن سلیمان بھی بقیہ افواج اور قرامطہ اسیروں کے ساتھ جو شام میں ایک ایک کرکے گرفتار کئے گئے تھے آ پہنچا۔

پرانی عیدگاہ کے متصل اور مدینۃ السلام سے شرقی جانب ایک پر فضا رتیلا اور ہموار میدان خاصکر تیار کیا گیا تھا، ۲۳۔ ربیع الاول سنہ جاری میں قرمطی اور اُس کے ساتھیوں کے خون سے میدان لالہ زار بنایا گیا، قرامطہ نے عام خلقت کو تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا، اس لئے فتح و شادمانی کا یہ اہم واقعہ تھا، عام و خاص سب لوگوں نے بے حد خوشیاں منائیں۔

قرامطہ نے شام میں طولونی افواج کے پرخچے اڑا دیئے تھے، اس وجہ سے محمد بن سلیمان کو مصر کی طرف بڑھنے اور فتح کرنے کا اچھا موقع ہاتھ آیا، روز پنجشنبہ یکم ربیع الاول ۲۹۲ھ میں وہاں پہنچ کر اُس نے آل طولون کی رہی سہی قوتوں کو مٹا دیا اور اُن کے شیرازے کو منتشر کرکے اس حکومت کا خاتمہ کردیا، آل طولون کی کل، ۴۰ سال پانچ ماہ اور سات روز تک حکومت رہی۔

۲۹۳ھ میں بنو کلب میں ایک اور قرمطی جس کی کنیت ابو غانم تھی شام کے نواح میں نمودار ہوا، اُس کی تحریک نے زور پکڑا اور روز بروز اُس کے پیرو بڑھتے گئے اور اذرعات، بصریٰ، حوران، اور ثبنیہ کے اطراف میں جو دمشق کے ماتحت علاقے تھے پھیل گئے، یہ لوگ یہاں کے باشندوں کو لوٹتے، خوں ریزی اور قید کرتے ہوئے طبریہ کی طرف جو بلاد اردن میں واقع تھا چلے گئے، اور اس شہر میں بزور داخل ہو کر بکثرت افواج، رعایا اور یہاں کے سردار جعفر بن ناعم کو تہ تیغ کیا۔

یہ سُن کر خلیفہ نے حسین بن ہمدان تغلبی کو اُس کے مقابلے پر بھیجا، ایک مشہور مقام خندق پر جو دمشق کے ماتحت تھا اُس کا قرامطہ سے مقابلہ ہوا، دونوں میں خوب معرکہ آرائیاں ہوئیں، ایک دوسرے پر فتح پانے کی کوششیں کرتا رہا، آخر حسین اپنے حریفوں پر غالب آیا، اور اُن کو کھلے میدان میں شکست دی، یہ واقعہ اُسی سال شعبان کا ہے جس کی طرف بنو کلاب کے ایک شاعر نے

اپنے شعر میں اشارہ کیا ہے:۔

لولا حسین یوم وادی خندف ٭ وخیله وساجله لم تشتف

نفس امیر المومنین المکتفی

(اگر خندف کے معرکے میں سوار اور پیدل فوجوں کو لے کر حسین مقابلہ نہ کرتا تو امیر المومنین مکتفی کی روح کو تسکین نہ ہوتی)۔

یہ نظم طویل ہے، کہنے والے نے اس واقعے کے بہادر، معرکے کے تمام حالات اور شام میں قرامطہ کے کارناموں کو مفصل بیان کیا ہے۔

قرمطی ہزیمت اُٹھا کر ہیت چلا گیا، اور وہاں کے باشندوں کو قتل کر کے شہر میں آگ لگا دی، پھر وہاں سے ناحیۃ البحر کی طرف روانہ ہوا، مکتفی نے چند سپہ سالاروں کو اس کے تعاقب میں بھیجا، جن میں محمد بن اسحاق بن کنداجیق اور مونس خازن مشہور بہ فحل بھی تھے، شاہی افواج نے باغیوں کا محاصرہ کر لیا، یہ حالت دیکھ کر بنو کلب میں تشویش پیدا ہو گئی اور اُن کو اپنی جانوں کے لالے پڑ گئے، آخر اُن میں ایک آدمی اُٹھا اور دھوکا دے کر قرمطی کو جان سے مار ڈالا، اور اسی رات کو نعش مٹی کے نیچے دبا کر سب کے سب غائب ہو گئے۔

بنو کلب کا ایک سردار جس کی کنیت ابو ذئب تھی قرمطی کے سردار کی دونوں ہتھیلیوں کو کاٹ کر محمد بن اسحاق بن کنداجیق کے پاس لایا، جس نے ابو ذئب کو ان تحائف کے ساتھ دربار شاہی میں بھیج دیا، اور ۵۔ شوال سنہ جاری میں دربار خلافت میں سر پیش ہوا۔

زکرویہ بن مہرویہ کی بغاوت بنو کلب اور دوسرے قبائل میں ۲۹۳ھ میں شروع ہوئی تھی ایک مشہور مقام صوآر کا یہ رہنے والا تھا جو قادسیہ سے براہ خشکی عرضاً چار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شخص جس قرمطی کا ہم نے اوپر بیان کیا ہے اُس کا باپ تھا۔ اُس کی تحریک شام میں ظاہر ہوئی تھی، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ مضافات کوفہ میں تحریک قرامطہ کا بانی اور عبدان کی بغاوت سے پہلے تھا، بہرحال وہ اس سال ۱۰۔ ذی الحجہ کو مصلّی کوفہ میں آیا۔

اُس وقت کوفہ میں اسحاق بن ابراہیم، اور اسحاق بن عمران حاکم تھے، رعایا اور شاہی ملازمین نے اس کا مقابلہ کیا مگر اس نے اُنہیں شکست دے کر بہتوں کو قتل کر ڈالا۔

اسحاق بن عمران نے دربار خلافت سے کمک مانگی، خلیفہ نے رایق معتضدی نیز بشیر افشینی اور جنی صفوانی دو خادموں کی سرکردگی میں کوفہ فوج روانہ کی، صوآر کے قریب پہنچ کر غنیم سے مقابلہ ہوا

مگر نتیجہ برعکس نکلا۔ دشمن نے فوج کے بڑے حصے کو تباہ کر دیا، یہ واقعہ آخری ذی الحجہ میں رونما ہوا۔

اس کے بعد قرمطی مکہ سے واپس آنے والے حاجیوں کے قافلوں کی کمین گاہ جا بیٹھا سب سے پہلے خراسانی قافلہ کو واقصہ کی منزل پر جا گھیرا، یہ قافلہ بہت بڑا تھا اس کو لوٹ کر قافلہ کی دوسری منزل کی طرف بڑھا اُس کا نام عقبہ تھا، اُس نے یہاں شامی قافلہ پر چھاپا مارا، مبارک قمی، اور ابوالشعائر احمد بن نصر عقیلی قافلہ سالار تھے، آخر الذکر شامی سرحد کا حاکم تھا، قرمطی نے ان دونوں سرداروں، تمام امراء، اور عوام کو قتل کر کے یہاں سے تیسرے شاہی قافلہ کی طرف جو ہبیر کے مشہور مقام طلیح میں پڑا ہوا تھا گیا اور اُس کو بھی تاخت و تاراج کیا، یہ علاقہ ریگستان میں ثعلبیہ اور شقوق کے درمیان واقع ہے، قافلہ میں نفیس مولدی، احمد بن سیما، نیز امراء و سالار قافلہ اور ہر ملک اور ہر طبقے کے لوگ تھے، قافلہ کے پچاس ہزار سے زیادہ آدمیوں کو اُس نے قتل کیا اور اس سے پہلے دوسرے قافلوں میں جس قدر خوں ریزیاں کی تھیں اُن کے مقتولین کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔

یہ خبر سن کر قادسیہ سے وصیف بن صوار تگین خزری اور قاسم بن سیما اس کی سرکوبی کے لئے لئے بنی شیبان کی ٹڈی دل فوج لے کر روانہ ہوئے، اس مہم میں امراء بھی شریک ہو گئے تھے، کوفہ اور بصرہ کے درمیان ادم ایک مشہور جگہ پر جہاں قافلے پانی لینے کے لئے ٹھہرا کرتے تھے روز یکشنبہ ۲۴۔ ربیع الاول ۲۹۴ھ میں طرفین کا مقابلہ ہوا، اور گھمسان کی لڑائی ہوئی، انجام کار کرد بہ کی جماعت نے ہزیمت اُٹھائی اور تمام باغی بہ زور گرفتار کئے گئے، قرمطی بھی اسیر ہوا مگر اُسے کئی زخم کاری لگے تھے وہ جاں برنہ ہو سکا دوسرے روز اُس نے دم توڑ دیا۔ اس کی نعش اونٹ پر باندھ کر مدینۃ السلام بھیج دی گئی، اور تمام قیدی اور مقتولین کے سر بھی روز دوشنبہ ۹۔ ربیع الاول سنہ مذکور میں وہاں روانہ کئے گئے۔

مقتدر باللہ

ابو الفضل کینت، جعفر بن احمد معتضد نام اور مقتدر لقب تھا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اُس کا نام اسحاق ہے، وہ متوکل کے ہم شکل تھا اس لئے اس کا نام بھی جعفر ہو گیا۔ اُس کی ماں ام ولد تھی، روم کی باشندہ اور شغب نام تھا، روز یکشنبہ ۱۳۔ ذی القعدہ ۲۹۵ھ میں اُسکی بیعت لی گئی۔

اس کی خلافت کو چار مہینے گزرے تھے کہ اہل دفتر اور سپہ سالاروں کی ایک جماعت نے جس میں حسین بن حمدان بن حمدون تغلبی، وصیف بن صوار تگین خزری، محمد بن داؤد بن جراح اور علی بن عیسیٰ سرداران لشکر اور ممتاز اہل دفتر تھے، اُسے معزول کر کے عبداللہ بن المعتز کی بیعت کی۔ اس سلسلہ میں حسین بن حمدان، عباس بن حسن کے ہاتھ سے مارا گیا، اور فاتک معتضد بھی جو ابن حمدان کی مدد کو آیا تھا مقتول ہوا

عام لوگ مقتدر کو معزول سمجھ کر ۱۵۔ ربیع الاول روز شنبہ ۲۹۶ھ کو ابن المعتز کی بیعت کرنے لگے، ایک رات دن اسی طرح حالت گزری تاہم مقتدر دار الخلافہ سے نہ جدا کیا گیا اور نہ تخت خلافت سے اُتارا گیا، چند خاص شاہی غلاموں نے ابن المعتز کی جماعت سے مقابلہ کیا اور لڑ کر اُنہیں اُلٹے پاؤں پراگندہ بھاگنے پر مجبور کیا، اس ہنگامہ میں بہت سے لوگ کام آئے اور ابن المعتز گرفتار ہو کر قتل کیا گیا، جس سے مقتدر کے لئے مطلع صاف ہو گیا، مگر کچھ روز کے بعد مقتدر پھر معزول کیا گیا اور تخت خلافت سے اُتار کر نصف محرم ۳۱۷ھ میں دار الخلافہ سے جلاوطن کیا گیا، اور اُس کے بھائی قاہر کی بیعت لی گئی وہ تخت پر جلوہ افروز ہوا اور خلافت کی امانت اُس کے سپرد کی گئی۔

مقتدر کے معزول کرنے میں جو لوگ ساعی تھے اُن میں ابو الہیجا عبداللہ بن حمدان بن حمدن انازوک معتضدی، سربرآوردہ سپہ سالار اور فوج کے ممتاز آدمی تھے، مونس خادم بھی بادل ناخواستہ شریک ہو گیا تھا، مگر پیدل فوج کے چند آدمیوں نے مزاحمت کی اور گھر میں گھس کر نازوک کو جان سے مار ڈالا، اور زور زور سے مقتدر کا نام پکارا، اسی ہنگامہ میں ابو الہیجا بھی مارا گیا۔

مقتدر کے متبعین اور خاص لوگوں نے پھر اُس کی بیعت کی، دوبارہ اُس کو تخت پر بٹھایا اور از سر نو لوگوں سے بیعت لی گئی، اور بظاہر تمام رکاوٹیں دور کر دی گئیں، یہ واقعہ اس سال کی ۱۷۔ محرم روز دوشنبہ کا ہے۔

مگر کچھ روز کے بعد مقتدر اور مونس خادم کے تعلقات سخت کشیدہ ہو گئے، مونس موصل چلا آیا اور فوج کے بڑے حصہ کو ملا کر مدینۃ السلام پر حملہ کرنے کو بڑھا، مقتدر بھی اپنی وفادار فوجوں کو لئے ہوئے مقابلہ کے لئے نکلا مگر مدینۃ السلام سے باہر شماسیہ کے قریب مقتدر مارا گیا، یہ واقعہ ۲۷۔ شوال روز چہار شنبہ ۳۲۰ھ کا ہے اُس وقت اُس کی عمر ۳۸ سال ایک ماہ اور سترہ روز کی تھی۔

اُس کا حلیہ یہ تھا، قد میانہ ذرا جھکا ہوا، آنکھیں چھوٹی، گندم گوں رنگ، خوبصورت چہرہ، داڑھی خوشنما اور سرخی مائل تھی، بچپن میں اُسے حکومت ملی تھی، اس لئے نہایت سادہ لوح، عیش پسند اور ناآزمودہ کار تھا، سلطنت کے حالات سے بے خبر رہتا تھا، امراء، وزراء، اور اہل دفتر امور سلطنت انجام دیتے تھے، وہ خود کسی معاملہ میں گرہ کشائی نہیں کر سکتا تھا، تدبیر اور سیاست کے اوصاف سے بالکل بے بہرہ تھا۔ عورتیں، خدام اور دوسرے لوگ سلطنت کے معاملات میں بہت زیادہ دخیل ہو گئے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارے ملک میں بدنظمی پھیل گئی تھی، حکومت کے خزانوں میں جس قدر دولت اور ساز و سامان تھا سب صاف ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے خوں ریزیاں ہونے لگیں، حالات بالکل بگڑ گئے، اور خلافت کے بہت سے رسوم مٹ گئے۔

مسعودی کہتے ہیں:۔

ہمارے زمانہ ۳۳۲ھ تک جو مطیع کی خلافت کا عہد ہے، بجز جعفر متوکل اور جعفر مقتدر کے اس نام کا کوئی خلیفہ بنو امیہ اور بنو عباس میں نہیں گزرا ہے، اور ان دونوں کا قتل بھی ماہ شوال ہی میں واقع ہوا۔

اس کتاب کے گزشتہ صفحات میں ہم نے بیان کیا ہے، کہ متوکل ۳۔ شوال روز چہار شنبہ ۲۴۷ھ میں مقتول ہوا تھا، اُس وقت کسی قسم کا فتنہ برپا نہیں ہوا، اور نہ تلواریں نیام سے برہنہ کی گئیں، مگر مقتدر ۲۷۔ شوال روز چہار شنبہ کو اپنی ہی طرفدار جماعت کے خاص غلاموں کے ہاتھوں سے مارا گیا، یہ بھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ اُسے خود اُس کے باپ معتضد کے غلاموں نے قتل کیا۔

مقتدر کی ذات اور اُس کے دورِ حکومت میں وہ باتیں پیدا ہو گئی تھیں جن کی مثال تاریخ اسلام میں نہیں ملتی ہے۔

اوّل یہ کہ وہ اتنی عمر میں خلیفہ بنایا گیا، کہ تمام خلفاء اور سلاطین اسلام میں جلوس کے وقت اتنی عمر کسی کی نہ تھی جس وقت اُسے حکومت ملی ہے اُس کی عمر تیرہ سال دو ماہ اور تین روز کی تھی۔

دوم اُس نے پندرہ روز کم پچیس برس تک حکومت کی، اس سے پہلے کسی بادشاہ اور خلیفۂ اسلام نے اتنی مدت تک حکومت نہیں کی ہے۔

سوم اُس نے اپنے دورِ حکومت میں بارہ وزراء مقرر کئے، جن میں بعض نے دوبارہ اور بعض نے سہ بارہ وزارت کی خدمات انجام دیں، اس سے پہلے کسی عہد میں وزراء کی تعداد اس حد تک نہیں پہنچی ہے۔

چہارم اس کے عہد میں معاملات اور نظم و نسق میں عورتیں بہت زیادہ دخیل ہو گئی تھیں اس کی ماں کی خادمہ ثمل قہرمانہ مشہور تھی، اور ہر خاص و عام کے مظالم کی تحقیقات کے لئے اجلاس کرتی تھی، اس کے دربار میں وزیر، میر منشی، قاضی اور اہل علم حاضر ہوتے تھے۔

پنجم اُس کے زمانہ ۳۱۷ھ میں حج بیت اللہ ملتوی ہو گیا تھا، اور کسی کو حج کرنے کا موقع نہیں ملا، کیونکہ ابو طاہر سلیمان بن بہرام جنابی قرمطی جو بحرین کا حاکم تھا، ۸۔ ذی الحجہ روز دوشنبہ کو مکۂ معظمہ پہنچ چکا تھا، اسلام کی تاریخ میں بجز اس سال کے اور کبھی حج ملتوی نہیں کیا گیا تھا۔ ان باتوں کے علاوہ اس کے عہد میں اور بہت سے واقعات ظہور پذیر ہوئے۔

مقتدر نے عباس بن حسین کو جس طرح مکتفی کے عہد میں وزارت کے عہدہ پر تھا قائم رکھا مگر جب عباس مارا گیا تو حسب ذیل لوگوں کی طرف بہ ترتیب ذیل وزارت منتقل ہوئی۔

علی بن محمد بن موسیٰ بن فرات، محمد بن عبید اللہ بن یحییٰ بن خاقان، الملقب بہ دق صدرہ، علی بن علیسیٰ بن داؤد بن جراح، علی بن محمد بن محمد بن فرات (دوبارہ وزیر بنایا گیا) حامد بن عباس علی بن محمد بن فرات (سہ بارہ وزیر بنایا گیا) عبد اللہ بن محمد بن عبید اللہ خاقانی۔

عبد اللہ کو وزارت اُس وقت ملی تھی جب اُس کا باپ محمد بن عبید اللہ زندہ تھا مگر بیٹے کو عہدۂ وزارت پر فائز ہوئے بارہ روز گزرے کہ باپ کا انتقال ہوا، اُس کی وفات روز دوشنبہ وقت عصر ۲۲۔ ربیع الاول کو اور بقول بعض ۳۱۲ھ کے اوائل میں ہوئی، اُس وقت تک عبد اللہ

آخری شخص تھا کہ باپ کی زندگی میں وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا گیا۔

اس کتاب کے گذشتہ واقعات کے ضمن میں اُن لوگوں کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں جنھیں باپ کی زندگی میں وزارت ملی تھی اُن کے نام یہ ہیں۔

ابو سلمہ حفص بن سلیمان خلاّل، عبید اللہ بن یحییٰ بن خاقان، عباس بن حسن، بن ایوب

بقیہ اشخاص جو مقتدر کے عہد میں وزیر بنائے گئے تھے اُن کے نام حسب ذیل ہیں :۔

احمد بن عبید اللہ خصیبی، علی بن عیسیٰ (دوبارہ وزیر بنایا گیا) ابو علی بن محمدؐ بن علی بن مقلہ سلیمان بن حسن بن مَخْلَدَ بن جراح (علی بن عیسیٰ کا ابن عم تھا) عبید اللہ بن محمد کالاذانی، حسین بن قاسم بن عبید اللہ بن سلیمان بن وہب، فضل بن جعفر بن موسیٰ بن فرات۔

مقتدر کی انگشتری میں "المقتدر باللہ" کندہ تھا۔

منصب قضا پر جن لوگوں کا تقرر عمل میں آیا اُن کے نام یہ ہیں :۔

محمد بن یوسف بن یعقوب، مشرقی سمت اور کرخ کے لئے مقرر کئے گئے تھے، ترقی کرکے قضاء القضاۃ کا درجہ حاصل کیا، جب اُن کی وفات ہوئی تو اُن کے صاحبزادہ عمر بن محمد یوسف کو یہ عہدہ عطا کیا گیا، اور تقرر بھی سمت شرقی اور کرخ کے لئے عمل میں آیا، مدینۃ المنصور اور ماتحت علاقہ جات کے لئے یہ لوگ بہ ترتیب ذیل مقرر کئے گئے۔

عبد اللہ بن علی بن ابی الشوارب، اُن کے صاحبزادہ محمد بن عبد اللہ، عمر بن حسن (اشبانی کے نام سے مشہور تھے بعد کو اُن کا عہدہ توڑ دیا گیا) حسن بن عبد اللہ بن ابی الشوارب، عمر بن محمد بن یوسف

حجابت کے عہدے پر بہ ترتیب سوسن مولیٰ، نصر قشوری، یاقوت اور رایق کے دو بیٹے ابراہیم اور محمد مقرر کئے گئے۔

مسعودی کہتے ہیں :۔

اہم حوادث اور غیر معمولی واقعات جو مقتدر کے عہد میں رونما ہوئے اُن کی کوئی مثال پیشتر اسلام میں نہیں ملتی ہے۔ ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ ابو طاہر سلیمان بن حسن بن بہرام جنابی حاکم بحرین چار سو سوار جن کی سواری میں چار سو گھوڑیاں تھیں، اور پانچ سو آدمیوں کی پیدل پلٹن کے ساتھ احساء (بحرین میں واقع ہے) سے بصرہ پہنچا، اور شب کے وقت شہر میں گھس کر سبک مغلمی، اُس کے رفقاء اور رعایا میں جس جس سے اس کا سامنا ہوا قتل کرتا گیا، یہ واقعہ شب پنجشنبہ ۲۷ یا ۲۵۔ ربیع الاول ۳۱۱ھ اور بقول بعض شب دوشنبہ ۲۴۔ ربیع الاول کا ہے، ابو طاہر کی

جماعت چھ راتوں میں احساء سے بصرہ پہنچی تھی، لوگ خوف سے بھاگ کر ابلہ، مفتح، شطوط، انہار جزائر، اور دوسرے مقامات میں چلے گئے تھے، شہر میں سترہ روز ٹھہر کر جو کچھ مال سمیٹ سکی اس کو لے کر اپنے گھروں کو واپس آگئی پھر حجاج کے قافلوں کو جو مکہ معظمہ سے واپس آرہے تھے ثعلبیہ کے قریب ہبیر کے نواح میں جاکر روکا، اُس وقت یہ جماعت پانچ سو سوار اور چھ سو پیدل آدمیوں پر مشتمل تھی، اُس کے قافلہ کے سردار، خواص اور عوام لوگوں کے خون سے زمین کو رنگین کرکے ابوالہیجا عبداللہ بن حمدان بن حمدون امیر قافلہ، احمد بن محمد بن کشمرد وغیرہ ممتاز حضرات اور ہر طبقہ کے بہت سے مرد اور عورتوں کو گرفتار کرلیا اور تمام مال واسباب جس کا شمار و اندازہ کسی طرح نہیں کیا جاسکتا تھا لوٹ لیا، یہ واقعہ یکشنبہ ۱۹۔ محرم ۳۱۲ھ کا ہے۔

۳۱۳ھ میں ابوطاہر نے حجاج کے قافلوں کی جو حج کے لئے گھروں سے نکلے تھے ناکہ بندی کی، اس وقت بھی اُس کی جماعت کی تعداد پانچ سو سوار اور چھ سو پیدل آدمیوں پر مشتمل تھی، قافلہ کے بعض آدمیوں پر اُس کا داؤ چل گیا، مگر باقی لوگ کوفہ اور مدینۃ السلام سے واپس چلے گئے، ابوطاہر نے بھی کوفہ کا رُخ کیا، یہاں اس کا اُن بڑے لوگوں سے مقابلہ ہوا جو دربار خلافت سے جنگ کے لئے بھیجے گئے تھے، جن میں یہ لوگ تھے، جعفر بن ورقاء شیبانی، جنی صفوانی، خادم مولی ابن صفوان عقیلی، شامی سرحد اور انطاکیہ کا حاکم ثمل خادم دلفی، طریف سبکری خادم، اسحاق بن شیروین سبکری، ان کے علاوہ فوج کے سردار تھے، اُس نے ان لوگوں کو بھی شکست دی، بے شمار آدمیوں کو قتل کیا، اور جنی صفوانی کو لوگوں کے ساتھ گرفتار کرلیا۔ یہ واقعہ اسی سال یکشنبہ ۱۸۔ ذی القعدہ کا ہے۔

کوفہ سے مال واسباب اور اپنے اہل خاندان کو لے کر احساء واپس چلا گیا، اور کوفہ ایک شخص کے حوالہ کر گیا، جس کا نام اسمٰعیل بن یوسف بن محمد بن یوسف المعروف بہ اخیضر صاحب یمامہ بن ابراہیم بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب تھا۔

ابوطاہر کے مقابلہ کے لئے ابوالقاسم یوسف بن ابی سباح اپنی افواج لے کر واسط سے روانہ ہوا یہ آذربائیجان، ارمینیہ، اتران، بیلقان وغیرہ ممالک کا حاکم تھا، بارگاہ خلافت سے یہ واسط بھیجا گیا تھا تاکہ فوجی تیاریاں کرکے بحرین کی طرف فوج روانہ کرے، ابھی یہ واسط میں تیاریاں کر رہا تھا دفعتاً کوفہ پر حاکم بحرین کی چڑھائی کی خبر ملی، وہ فی الفور اُس کے مقابلہ کے لئے نکل کھڑا ہوا ابوطاہر آگے بڑھ کر اس مقام پر جو خورنق کے نام سے مشہور تھا اُترا، اور اس پر اپنا قبضہ کیا، ابن ابی سباح بھی دوسرے روز ابوطاہر کے پاس ہی ایک مقام پر آ ٹھہرا، جو بین النہرین کے

نام سے مشہور تھا، اور قریہ حروراء کے متصل واقع تھا، اسی حروراء کی طرف خوارج کے فرقہ حروریہ کی نسبت کی جاتی ہے، الغرض ابوطاہر اس قریہ اور کوفہ کے درمیان حائل ہوگیا تھا۔

۹۔ شوال روز شنبہ ۳۱۵ھ کو دو جماعتوں میں معرکۂ کارزار گرم ہوا۔ ابن ابی ساج گرفتار ہوگیا۔ اس کی فوج کے پرخچے اڑا دیئے گئے اور تیس ہزار سے زیادہ سوار اور پیدل آدمی کام آئے۔ اس کے علاوہ اُس کی فوج کا معتدبہ حصہ راستہ ہی سے جدا ہوگیا تھا اور ایک حصہ ابھی پیچھے رہ گیا تھا، حاکم بحرین کے تقریباً دو ہزار آدمی مارے گئے جن میں زیادہ تر پیدل تھے۔

ابوطاہر کوفہ سے انبار آیا، اور اُس کو اپنے قبضۂ تصرف میں لایا، ساتھ کے کچھ لوگ دریائے فرات کو پھاند کر مشرقی سمت میں جا پہنچے، اور انبار کے سپہ سالار اور اکابر لوگ مثلاً حارثی، یرغوث، ابن ہلال، محمد بن یوسف خزری کو قتل کردیا، یہ واقعہ اس سال سہ شنبہ ۲۔ ذی القعدہ کا ہے۔

ابوطاہر نے دریائے فرات پر ایک پُل بنایا، اور اپنی جمعیت نیز اہل خاندان کو یہیں چھوڑ کر خود سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ انبار سے گزرتا ہوا شاہی دربار تک جانا چاہا اور زبارا تک جو ایک چھوٹی نہر ہے بڑھتا چلا گیا، یہ نہر عقرقوق مشہور پہاڑی سے ایک فرسخ کی بلندی پر ہے اور مدینۃ السلام سے اس کی مسافت ایک دن سے بھی کم ہے۔

مونس خادم، نصر حاجب المعروف قشوری، اور ابوالہیجاء عبداللہ بن حمدان (جو ابن ابی ساج کے مقابلے سے پہلے چھوٹ چکا تھا اور اُس کے ساتھ کے قیدی بھی رہا ہو چکے تھے جن کے نام ہم نے اوپر لئے ہیں) اور دربار خلافت کا تمام شاہی لشکر اسی نہر پر پڑا ہوا تھا، جب انہیں ابوطاہر کے نزدیک آنے کی اطلاع ہوئی تو نہر کا پل کاٹ دیا، یہی نہر دونوں فریقوں کے درمیان حدفاصل بن گئی، ابوطاہر کی پیدل فوج کے چھ آدمی پانی میں اُتر آئے تھے، مگر اُن پر دوسری سمت سے پتھروں کی بوچھار پڑنے لگی، یہ واقعہ اسی سال ۱۲۔ اور ۱۳۔ ذی القعدہ کا ہے، چاروناچار اُس نے انبار واپس جانے کی ٹھہرائی۔

مونس نے اپنے غلام یلبق کو تقریباً تین ہزار اور بقول بعض سات ہزار فوج کے ساتھ قصر ابن ہبیرہ کے راستہ پر متعین کیا، جو کوفہ جاتے ہوئے راستہ میں ملتا ہے، یہ لوگ فرات کے جسر سورا کو عبور کرکے براہ خشکی روانہ ہوئے، اور راستہ کترا کے ابوطاہر کی جمعیت تک پہنچنے کی کوشش کی، بعض ممتاز آدمیوں نے پانی میں اُتر کر ابوطاہر کے بنائے ہوئے پل کو جلا ڈالا، جس کے جل جانے سے وہ نہر کی مشرقی سمت میں رہ گیا، اور اُس کی جماعت نہر کی غربی جانب میں تھی، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خود اسی نے

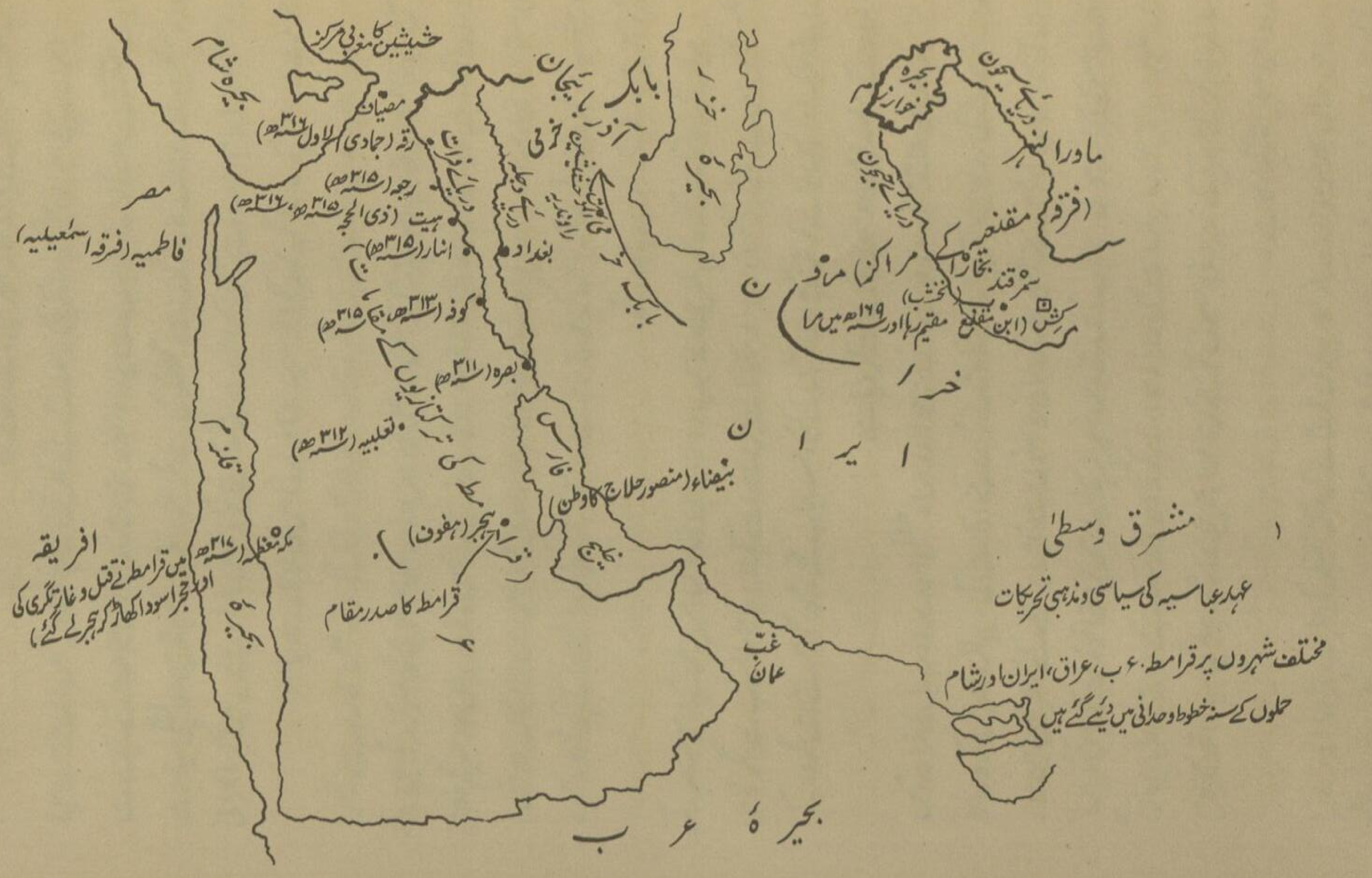
نہر کو عبور کر کے پل کاٹ دیا تھا، جب اُس نے یلبق کی آمد کی خبر سُنی تو ایک چھوٹی کشتی میں دس آدمیوں کے ساتھ دریائے فرات کو طے کیا۔ جس میں اُس کے تین بھائی بھی تھے بقیہ لوگ تیر کر فرات کے پار ہوئے، اور بھاگ کر اپنی جماعت سے جا ملے، ابو طاہر کے دو بھائی ابو العباس فضل اور ابو یعقوب یوسف اپنی جماعت ہی میں تھے، جب اُنہیں یلبق کے نزدیک آنے کی خبر ملی اُسی وقت انہوں نے ابن ابی ساج کو قتل کر دیا۔

یلبق آ پہنچا اور ان لوگوں سے سرگرم پیکار ہوا، مگر اس کے بہت سے آدمی مارے گئے، خود اُس کی جان بچ گئی، مگر وہ بے حد شکستہ خاطر ہو گیا، یہ واقعہ اسی سال روز چہار شنبہ ۱۹ ذی القعدہ کا ہے۔

ابو طاہر تمام سامان اور اسباب لے کر شہر ہیت آیا، اور اُس کا محاصرہ کیا، میں اُس وقت وہاں موجود تھا، بلاد شام سے آکر ٹھہرا تھا اور مدینۃ السلام جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔

اُس نے انبار کی جانب ہیت سے کچھ فاصلہ پر مقام فم بقہ میں تمام رفقا کے کئی جتھے کر دیئے تھے، یہ سب کے سب مسافت طے کر کے یہاں آکر اس سے مل گئے، روز یکشنبہ ۸۔ ذی الحجہ سنہ مذکور میں ہیت کے لوگوں نے اُس کا مقابلہ کیا، شام کو ہارون بن غریب الخال، ابو العلاء سعید بن حمدان، یونس غلام اصمی، اور دوسرے اکابر بھی وہاں پہنچ گئے تھے، جن کے آنے سے جنگ کے شعلے اور بھڑک اُٹھے، شہر پناہ کی دیواروں سے جنگ ہونے لگی، دفعتاً غنیم کے کئی قلعہ شکن آلات میں آگ لگی، جس کی وجہ سے وہ لشکر گاہ کو واپس گیا، دوسرے روز دو شنبہ کی صبح کو وہ رحبہ مالک بن طوق کے ایک گوشہ کی طرف روانہ ہوا، کوچ سے پہلے علی الصبح اس کی لشکر گاہ سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے، ہم لوگوں کو گمان ہوا کہ اُس نے دوبارہ جنگ کا ارادہ کیا ہے مگر وہ در اصل اسباب و سامان کو آگ کی نذر کر رہا تھا کیونکہ اُس کے پاس باربرداری کے وسائل کی کمی تھی، اور سامان اور کنبہ کے لوگ بہت تھے۔

جب وہ رحبہ پہنچا، اُس وقت یہاں کا حاکم ابو جعفر محمد بن عمرون تغلبی تھا، اُس نے شہر کو بزور شمشیر فتح کیا اور وہیں مقیم ہو گیا، یہ جگہ شام کی طرف ہے اور پھر قرقیسیا کو جو جزیرہ کی سمت واقع ہے فتح کیا، یہاں سے اُس نے جماعت کی ٹولیاں بنا کر اطراف و اکناف میں روانہ کیں، اور فوج کا ایک ایک دستہ حسین بن علی بن سنبر ثقفی اور معاذ اعرابی کلابی کی سرکردگی میں کفر توثا، راس العین، اور نصیبین کی طرف روانہ کیا، جس نے


مشرق وسطیٰ
عہد عباسیہ کی سیاسی و مذہبی تحریکات
مختلف شہروں پر قرامطہ، عرب، عراق، ایران اور شام
حملوں کے سنہ خطوط وحدانی میں دیئے گئے ہیں
خشیشین کا مغربی مرکز
بحیرۂ روم
مصر
فاطمیہ (فرقہ اسمٰعیلیہ)
افریقہ
بابک
آذربائیجان
بغداد
بصرہ (۳۱۱ھ)
کوفہ (۳۱۳ھ، ۳۱۵ھ)
تعلبیہ (۳۱۲ھ)
بیضاء (منصور حلاج کا وطن)
قرامطہ کا صدر مقام
ہجر (ہفوف)
عمان
بحیرۂ عرب
ماوراء النہر
مقنع کے مراکز
ایران
خراسان
مرو
سمرقند
بخارا
بحیرۂ خوارزم
بحیرۂ خزر
بحیرۂ قلزم
بحیرۂ فارس

قبائل تغلب اور نمر کے بدوؤں اور شہریوں سے مقابلہ کیا۔

اس سے پہلے سلیمان جلّی کو لشکر کی رسد کے لئے کفر توثا بھیجا تھا، یہ شخص اس جماعت میں نہایت متقشف اور اُن کے مذہب سے پورا واقف تھا، میں نے اس جماعت کے ایک سے زیادہ مبلغین اور واقف کار لوگوں سے گفتگو کی ہے مگر علم و تجربہ، عملی تدین اور پختگی سیاست میں جو مبلّغین کا عام وصف ہے کسی کو اس سے بڑھ کر فائق نہیں پایا، پہلے یہ ابوزکریا بحرانی کی جماعت میں شریک تھا مگر بعد کو ابو سعید جنابی اور اُس کی اولاد سے جا ملا۔

فوج کا ایک اور دستہ جس میں کم و بیش دو ہزار آدمی تھے رقہ بھیجا جو رجہ سے تیس فرسخ کے فاصلہ پر تھا، یہ دستہ بھی حسین بن علی بن سبزہ اور معاذ کلابی کی سرکردگی میں روانہ ہوا، روز یکشنبہ ۲۲- جمادی الاول ۳۱۶ھ کو دونوں رقہ پہنچے، اُس وقت یہاں کا امیر نجم غلام جنی صفوانی تھا، سہ شنبہ اور چہارشنبہ ۲۵- جمادی الاولی کو طرفین میں لڑائیاں ہوئیں۔ چہارشنبہ کو کچھ دن باقی تھا کہ اُس کی فوج رجہ سے واپس چل گئی، جانبین کے کچھ آدمی مارے گئے، جس میں رقہ کے آدمی زیادہ تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حاکم بحرین نے جب وہ رجہ میں تھا اس امر پر غور کیا، کہ شہر رملہ جو فلسطین میں ہے اور دمشق ان دو مقامات میں سے اسے کہاں جانا مناسب ہے، مگر اُس نے اپنے ملک واپس جانے کو ترجیح دی، جس کے کئی اسباب تھے، جن کو ہم نے اس گروہ کے واقعات کے سلسلہ میں دوسری جگہ بیان کر دیا ہے۔

یکم شعبان ۳۱۶ھ کو وہ رجہ سے روانہ ہوا اور براہ خشکی اور براہ دریائے فرات اُس نے مسافت طے کی، رجہ میں تقریباً سات ماہ تک اُس نے اقامت کی، یہاں سے چل کر دوبارہ ہیت آیا اور راب کی اُس نے خشکی اور دریائی راستوں سے اُس پر حملے کئے، طرفین میں زور وشور کی معرکہ آرائی ہوئی، جب اُس نے اس شہر پر پہلی بار حملہ کیا تھا تو اُس کے پاس کشتیاں نہیں تھیں، الغرض وہ یہاں سے بھی روانہ ہوا، اور کوفہ اور قادسیہ کے نواح میں آیا، یہاں سے رسد فراہم کر کے بصرہ کے بیرونی حصوں کو طے کرتا ہوا بحرین واپس چلا گیا، یہ واقعہ آخر محرم اور اوائل صفر ۳۱۷ھ کا ہے۔

اسی سال چھ سو سوار اور نو سو پیدل فوج لے کر مکۂ معظمہ کی طرف بڑھا اور ۷، ذی الحجہ دوشنبہ کو یہاں پہنچا، یہاں کا حاکم محمد بن اسمٰعیل معروف بہ ابن مخلب تھا، عمائد شہر

عوام حجاج اور وہاں کے باشندے اُس کے مقابلہ میں صف آراء ہوئے۔ مگر جب نظیف غلام ابن حاج مقتول ہوا تو اس کے لئے میدان خالی کر دیا گیا۔ نظیف مکہ کے بااثر لوگوں میں تھا اور اُس پر کافی اعتماد کیا جاتا تھا، لوگوں نے تلواریں لے کر خانۂ کعبہ میں پناہ لی۔ تاہم وہ خوں ریزی اور قتل عام سے باز نہیں آیا۔

جو لوگ اس گروہ کے ہاتھوں بلد الحرام اور تمام شہروں میں مارے گئے تھے، اُن کی تعداد میں اختلاف ہے، اور اس میں افراط و تفریط کی گئی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ تمام مقتولین کی تعداد تیس ہزار تھی، بعض لوگ اس سے کم اور بعض اس سے زیادہ بتاتے ہیں۔ دراصل یہ تمام تعداد ظن اور تخمینہ پر مبنی ہے، اس وقت شمار کا کوئی قاعدہ نہ تھا، بہت سے لوگ وادیوں میں، کچھ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور کچھ جنگلوں میں پیاس اور سخت تکالیف اُٹھا اُٹھا کر ہلاک ہو گئے تھے، جن کا کوئی شمار نہیں ہو سکا۔

اُس نے بیت الحرام کے دروازے جن پر سونے کے پتر چڑھے ہوئے تھے توڑ ڈالے، خانۂ کعبہ میں چاندی کی جتنی محرابیں، جتنے میخ دہرے، جتنے جھاڑ اور سونے چاندی کے جتنے منطقے، اور تازیرات تھے، جن سے بیت الحرام ہر وقت آراستہ رہتا تھا، ان تمام چیزوں پر قبضہ کر لیا، حجر اسود کو اکھاڑ کر اس کی جگہ اتنا گہرا کر دیا کہ تقریباً کہنی تک ہاتھ چلا جاتا تھا، اور پھر کعبہ کا غلاف اُتارا اور ان تمام سامانوں کو پچاس اونٹوں پر بار کیا۔ اس دار و گیر اور قتل عام کے وقت جن لوگوں نے بیت الحرام میں پناہ لی تھی اُن کی وجہ سے بعض چیزیں لوٹ سے بچ گئیں، یہ واقعہ روز شنبہ ۱۳۔ ذی الحجہ ۳۱۷ھ کا ہے، اس کی فوج مکہ معظمہ میں آٹھ روز تک مقیم رہی، روزانہ صبح کو شہر میں داخل ہوتی تھی اور شام کو واپس باہر آتی تھی، بالآخر قتل و غارت کرتی ہوئی ہفتہ کے روز مکہ سے روانہ ہوئی، مگر راستے میں قبیلہ ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر مزاحم ہوا۔ قبیلہ کے لوگ تنگنایوں، گھاٹیوں، اور پہاڑیوں میں پھیلے پڑے تھے، پتھروں اور خنجروں سے وہ حملہ آور ہوئے، اور اُس کو آگے بڑھنے سے روک دیا، فوج راستہ بھول گئی، تین دن تک پہاڑوں، اور وادیوں میں بھٹکتی پھری، اس بادیہ نوردی میں بہت سے مرد و زن نے جو گرفتار تھے اُس کی قید سے نجات پائی۔

اس وقت اس جماعت کے انواع و اقسام کے مال و اسباب سے تقریباً ایک لاکھ اونٹ لدے تھے، قبیلہ ہذیل نے بہت اسباب و سامان اور ہزاروں اونٹ اُس سے چھین لئے غنیم

نے ہذیل کے ایک سیاہ فام غلام کو جس کا نام زیاد تھا امان دی تھی جس کی مکافات میں اُس نے ان لوگوں کو راستہ بتایا تو وہ تنگنایوں سے نکل کر اپنے ملک واپس گئے۔

(مسعودی کہتا ہے) ہم خلیفہ راضی باللہ کے تذکرے کے ضمن میں آیندہ اس گروہ کے فوجی دستوں کی پیش قدمیاں، اور دیگر واقعات جو اس کے عہد میں رونما ہوئے ہیں اس کتاب میں بیان کریں گے۔

مضافات ملک فارس میں شہر بیضاء کے باشندے حسین بن منصور معروف بہ حلاج کے قتل کا واقعہ ۲۴۔ ذی القعدہ ۳۰۹ھ کو ظہور پذیر ہوا، اس کے سو کوڑے لگائے گئے، دونوں ہاتھ پاؤں کاٹے گئے، سر تن سے جدا کیا گیا، اور لاش جلا دی گئی، یہ تمام واقعات پولیس کی جماعت کے روبرو قید خانہ کی فصیل پر انجام پائے (اس قید خانے کو مترف کہتے تھے) اس کی نسبت جو جو مذہبی باتیں ہر جگہ بیان کی جا رہی تھیں اُن کی وجہ سے وہ نہایت خطرناک تھا، اس کے متبعین اور پیروؤں کی تعداد بہت تھی۔ حلاج تصوف اور الوہیت کی باتیں کرتا تھا، حلاج کے مسلک و مذہب کے متعلق جو روایتیں ہمارے نزدیک صحت کی حد تک پہنچی ہیں یا جو کچھ خود اُس نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے، ان باتوں کو ہم نے "ارباب النحل وَرُوساء الملل" کے تذکرہ میں کیا ہے[1]۔

---

[1] اس واقعہ کو طبری نے اپنی تاریخ میں اس طرح لکھا ہے:۔

"اسی سال علی بن عیسیٰ کے مکان پر ایک شخص کو حاضر کیا گیا۔ جس کے متعلق بیان کیا گیا کہ اُس کا عرف الحلاج اور کنیت ابو محمد مشہور ہے۔ اُس کے ہمراہ اُس کا ایک ساتھی بھی تھا میں نے لوگوں کی ایک جماعت سے سُنا جن کا گمان تھا کہ وہ رب (پروردگار) ہونے کا مدعی ہے۔ اُسے اور اُس کے ساتھی کو تین دن تک ہر روز شروع سے نصف النہار تک لٹکایا گیا۔ اُن دونوں کو اُتارا جاتا تھا اور اُن کو قید کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ وہ طویل مدت تک قید میں رکھا گیا۔ ایک جماعت اُس سے فتنہ میں مبتلا ہو گئی۔ جن میں نصر القشوری وغیرہ بھی تھے۔ یہاں تک کہ جو اُس کی بُرائی کرتا تھا یہ لوگ اُسے بد دعا دیتے تھے۔ اور اُس پر غل مچاتے تھے۔ اُس کا معاملہ پھیل گیا اور وہ قید سے نکالا گیا۔ اُس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹے گئے۔ پھر اُس کی گردن ماردی گئی۔ پھر اُسے آگ میں جلا دیا گیا۔

(تاریخ طبری۔ ج ۳۔ حصہ ۳ و ۴ ص ۲۲۸)

قاہر باللہ

ابو المنصور کنیت، قاہر باللہ لقب، اور محمد بن احمد معتضد نام تھا، اس کی ماں ام ولد تھی اور قبول نام تھا، روز پنجشنبہ ۲۸۔ شوال ۳۲۰ھ میں اس کی بیعت لی گئی، روز چہار شنبہ ۵۔ جمادی الاول ۳۲۲ھ میں وہ معزول ہوا، اُس کی آنکھیں نکال لی گئیں۔ اُس وقت اُس کی عمر ۳۶ سال اور چند ماہ کی تھی، اس سے پہلے کسی خلیفہ اور بادشاہ اسلام کی آنکھیں نکالی نہیں گئی تھیں، ایک سال چھ ماہ اور ۶ روز اس نے حکومت کی۔

اُس کا حلیہ یہ تھا۔ رنگ گورا، جس پر سرخی چھائی ہوئی تھی، قد میانہ، خوش اندام، آنکھیں خوبصورت، گھنی داڑھی اور زبان میں لکنت تھی، وہ قتل و خوں ریزی میں جلدباز اور نہایت تند مزاج، اس کے عہد میں آمدنی کم تھی تاہم مال اندوختہ کرنے میں حریص تھا اس کی توجہ لوگوں کی تادیب و تربیت میں بہت کم صرف ہوتی تھی، معاملات کے انجام سے بے فکر اور نہایت متلون مزاج اور مخبوط الحواس تھا، آبا و اجداد کے نقش قدم پر چلنا چاہتا مگر سوء تدبیر اور ناقص سیاست کے سبب عاجز رہتا تھا۔

اُس نے وزارت کے عہدے پر حسب ذیل لوگوں کو بہ ترتیب مقرر کیا، ابو علی محمد بن مقلہ، ابو جعفر محمد بن قاسم بن عبداللہ، اور ابو العباس احمد بن عبید اللہ خصیبی۔

اُس کی انگشتری میں عبارت "القاھر باللہ" کندہ تھی۔

منصب قضاء پر عمر بن محمد بن یوسف بن یعقوب اور حجابت کے عہدے پر علی بن یلبق، بدر خرشنی، فارس بن زنداق، محمد بن یاقوت اور سلامہ موتمن معروف بہ اخی نجح کو مقرر کیا۔

راضی باللہ

ابوالعباس کنیت، راضی باللہ لقب اور محمد بن جعفر مقتدر نام تھا اس کی ماں ام ولد تھی، اور ظلوم کے نام سے یاد کی جاتی تھی، روز پنجشنبہ ۶۔ جمادی الاولیٰ ۳۲۲ھ میں اُس کی بیعت لی گئی، روز شنبہ ۱۶۔ ربیع الاول ۳۲۹ھ میں مدینۃ السلام میں وفات پائی، اس وقت اس کی عمر ۳۲ سال اور چند ماہ کی تھی، ۶ سال دس ماہ اور دس روز تک اس نے حکومت کی۔

اس کا حلیہ یہ تھا:۔ گندم گوں رنگ، خوبصورت آنکھیں، مخروطی شکل، پتلے رخسارے، قصیرہ القامہ، اور نحیف الجثہ تھا، مزاج میں سخاوت تھی، ادبیات اور اچھے اشعار سے بہت شغف تھا۔ امراء و اعیان سلطنت میں پھوٹ ڈالا کرتا تھا، امور سلطنت میں اس کا استبداد حد سے بڑھ گیا تھا جس کی اصلاح و تغیر بجز اس کے کوئی نہیں کر سکتا تھا۔

وزارت کے عہدہ پر محمد بن علی بن مقلہ اور اُس کے بیٹے ابوالحسین علی بن محمد کو مقرر کیا، دونوں اس عہدے سے مخاطب کئے جاتے تھے اور مراسلات میں بھی دونوں کے نام جاری ہوتے تھے، ان کے بعد حسب ذیل لوگ بہ ترتیب اس عہدہ پر مامور کئے گئے۔

ابو علی عبدالرحمٰن بن عیسیٰ بن داؤد بن جراح، ابو جعفر محمد بن قاسم کرخی، ابوالقاسم سلیمان بن حسن بن مخلد بن جراح، ابوالفضل فضل بن جعفر بن فرات، ابو عبداللہ احمد بن محمد بریدی سلیمان بن حسن بن مخلد، اور اُس کی انگشتری میں عبارت "راضی باللہ" کندہ تھی۔

منصب قضا پر عمر بن محمد بن یوسف پھر ان کے دو بیٹے یوسف اور حسن کو اور حجابت پر محمد بن یاقوت اور پھر اپنے مولیٰ ذکی کو مقرر کیا۔

منجملہ اہم حوادث کے جو اُس کے عہد میں رونما ہوئے ایک یہ ہے۔ ۳۲۳ھ میں بزمانۂ حج حجاج اپنے گھروں سے کوچ کر چکے تھے، اُن کی مزاحمت میں ۲۴۔ شوال کو سلیمان بن حسن قرمطی حاکم بحرین نو سو سوار اور نو سو آدمیوں کی پیدل فوج لے کر احساء سے روانہ ہوا، جابریہ میں جو احساء سے تین دن کے فاصلے پر ہے فوج کے دو حصے کئے، ایک حصہ پر ابو عبداللہ حسین

بن علی بن سنبر اور معاذ کلابی کو متعین کر کے حجاج کے پہلے قافلہ کی تلاش و جستجو میں مکہ کی طرف روانہ کیا، اور دوسرے حصہ کو خود لے کر قادسیہ کی جانب بڑھا تاکہ قافلہ شمسیہ کا جو مُہتشم کے غلام لوٗلوٗ کی سیادت میں تھا مقابلہ کر سکے۔

ابن سنبر زبالہ اور عقبہ کے نواح میں خوارزمی قافلہ اور دیگر کئی قافلوں سے نبرد آزما ہوا، شاذان اور ابن حاتم وغیرہ قافلوں کے سردار تھے، اُنھیں اور قافلوں کے بہت سے آدمیوں کو گرفتار کیا، اور کچھ لوگ اُس کے ہاتھ سے قتل ہوئے، یہ واقعہ اس سال کی ۸ ذی القعدہ کا ہے۔

بقیۃ السیف شکست خوردہ لوگوں نے عذیب کی راہ لی، مگر اُنہیں معلوم نہ تھا کہ اُدھر قرمطی اُن کے مقابل ہے، لوٗلوٗ مُہتشم کا غلام لوگوں کو لے کر قادسیہ پہنچا، چہارشنبہ ۱۹- ذی القعدہ سنہ مذکور میں یہاں قرمطی سے مڈبھیڑ ہوئی، لوٗلوٗ دل کھول کر اس سے لڑا مگر اس کے ساتھیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے، وہ سخت زخم خوردہ تھا، اُس نے مقتولین میں اپنے آپ کو چھپالیا، جب رات ہوئی تو چھپتا ہوا کوفہ چلا آیا، اور ابو طاہر پورے قافلہ پر مسلط ہو گیا۔

چہارشنبہ کی رات جس کی صبح کو یہ معرکہ پیش آیا، اتنے تارے آسمان پر ٹوٹے تھے، جس کی مثال اسلام کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے، اُس وقت قرمطی خفان سے قادسیہ آرہا تھا، جس کی مسافت ۶ میل تھی۔

جو لوگ ابن سنبر سے ہزیمت اُٹھا کر کوفہ واپس آرہے تھے، اُن کے مقابلہ کے لئے قرمطی آگے بڑھا، عذیب میں اُن سے سامنا ہوا، فرہ نے اپنے قافلہ کے لئے امان طلب کی اور زر فدیہ ادا کیا، قرمطی نے اس قافلہ کو چھوڑ دیا اور پھر اس سے تعرض نہ کیا، مگر بقیہ قافلوں پر وہ حملہ آور ہوا، کچھ لوگوں کو قتل اور بعض آدمیوں کو گرفتار کیا، اس معرکہ میں اُسے اس قدر سامان و اسباب انواع و اقسام کے ہاتھ آئے جن کا شمار و اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔

اس نے راضی باللہ کے عہد میں بھی فوج کے دو دستے کوفہ اور واسط کے نواح میں روانہ کئے تھے، مگر ایسی نتیجہ خیز جنگ نہیں ہوئی جو قابل تذکرہ ہو، قرمطی اس کے بعد سے برابر احساء بلاد بحرین میں رہنے لگا یہاں تک کو ۳۳۲ھ روز دوشنبہ ۱۷- رمضان کو اُس کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا، اس وقت اُس کی عمر ۳۸ سال کی تھی، اس کی پیدائش ۲۹۴ھ میں ہوئی تھی، اور جب اس کا باپ ابو سعید جنابی ۳۰۱ھ میں مارا گیا ہے اُس وقت قرمطی کی عمر ۶ سال کی تھی۔

باپ کے مرنے کے بعد اس کی فوج ۹ سال تک بیکار پڑی رہی، رمضان ۳۱۰ھ میں ابو طاہر نے اس کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔

مسعودی کہتے ہیں:-

ہم نے یہ تمام محاربات، وقائع، قرمطی کے تمام واقعات، مضافات کوفہ میں قرامطہ بغلیہ کے حالات ۳۱۶ھ میں اُن کا کوفہ پر غلبہ، بغلیہ کی وجہ تسمیہ۔ اور اُن کے نزدیک اس نام کی مذہبی اہمیت، ان تمام باتوں کو شرح وبسط کے ساتھ اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے، قرامطہ بغلیہ کے سرداروں کے نام یہ تھے، سود بن حرث، عیسیٰ بن موسیٰ بن اخت عبدان بن ربیط ملقب بہ قرمیط معروف بہ ابن ابی السید، ابن الاعمی، ابوفدر، جوہری وغیرہم، قبائل بنوذہل اور بنورفاعہ کے عوام اسی جماعت کے پیرو تھے۔

اس جماعت کا طفوف، جنبلاء اور تل فخار کے نواح میں قبیلۂ بنو ابن نفیس پر حملہ آور ہونا، اور شکست دے کر اُس کے تمام افراد کو اپنے تصرف میں لانا، ہارون بن غریب الخال اور صافی غلام نصر قشوری کا اس جماعت سے مقابلہ کرنا، اور اس جماعت کے کچھ لوگوں کا مقتول ہونا، کچھ لوگوں کا قید کیا جانا اور کچھ لوگوں کا سلیمان بن حسن سے جب وہ ہیت سے بلد البحرین واپس جا رہا تھا مل جانا وغیرہ کو ہم نے اپنی دوسری کتابوں میں بیان کیا ہے۔

اس جماعت کے لوگوں کو سلیمان کے لشکر میں اجمیین کہتے تھے کیونکہ ان میں اکثر لوگ آجام یعنی جنگلوں اور کوفہ کے علاقۂ طفوف میں رہا کرتے تھے۔

غلام معروف بہ زکری جو بلاد اصفہان کے شاہان عجم کی اولاد سے تھا اُس کے حالات اُس کا ۳۱۶ھ میں قرامطہ کے پاس آنا، ابوطاہر کا ۳۱۹ھ میں حکومت اُس کے حوالہ کرنا، تمام قرامطہ کا اس پر اتفاق کرنا، اُس کا عجیب وغریب مراسم اور طریقوں سے لوگوں کو پھانسنا، ابوطاہر کے بہنوئی ابوحفص ابن زرقان کو قتل کرنا جو عقل وعلم وادب میں سب سے زیادہ لائق اور کامل تھا، بنو سلیمان اور سرداران لشکر کو قتل کرنا، جن کی تعداد سات سو تک بیان کی جاتی ہے، لشکر میں بُری عادتوں اور قبیح خصلتوں کا سرزد ہونا، جن کی مثال جب سے ابوسعید اور اُس کی اولاد ان ممالک پر مسلط ہوئی اس قوم کے لشکر میں کبھی دیکھی اور سُنی نہیں گئی، آخر یہ باتیں اُس شخص پر زوال آنے سے معدوم ہوئیں،

لوگوں نے اُن خرافات کو ترک کیا، اور اپنی مذموم خصلتوں سے توبہ کی۔ اس شخص کا مخالف کے حیل وتدابیر سے مقتول ہونا، پھر حکومت کا ابو طاہر کے پاس آنا، اصحاب مغرب کے اخبار، ان کے محاربات، ان میں سے بعض لوگوں کا یمن میں آنا، تمام لوگوں کا جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں ایک بات پر متفق ہو کر اس کی اطاعت کرنا، ایک کلمہ ہونا، اور اسی پر سب کا اڑے رہنا، ابو سعید حسن بن بہرام جنابی کے حالات، شاہان فارس سے اس کی نسبت واتصال، اُس کا اس تحریک میں مرتبہ، بحرین میں اُس کے آنے کی کیفیت، بنو مسمار کے ساتھ قطیف میں اس کی سرگزشت، بادیہ بنو کلاب میں اُس کی آمد، ابو زکریا بحرانی کا بنو کلاب کو ابھارنا ابو سعید اور ابو زکریا کا باہمی قضیہ، ابو سعید کا ابو زکریا کو گرفتار کرنا، ابو زکریا کا ابو سعید کے ہاتھ سے مارا جانا، ابو سعید کا بحرین کے تمام شہروں پر فتح پانا، جن کے باشندے پوری قوت اور سازوسامان سے آراستہ تھے۔

ان شہروں میں ایک قطیف[1] ہے، یہاں علی بن مسمار اور اس کے بھائی آباد تھے ان کا تعلق خاندان عبدالقیس سے تھا، ابو سعید نے علی کو مار ڈالا۔

دوسرا شہر زارہ[2] ہے، یہاں خاندان حسن بن عوام آباد تھا اس کا تعلق قبیلہ ازد سے تھا۔

تیسرا شہر صفوان[3] ہے، یہاں بنو حفص آباد تھے یہ خاندان عبدالقیس سے تعلق رکھتا تھا۔

چوتھا شہر ظہران[4] اور پانچواں احساء[5] ہے، یہاں بنو سعد آباد تھے جن کا تعلق قبیلہ تمیم سے تھا۔

چھٹا شہر جواثا[6] ہے، یہاں خاندان عریان بن ہیثم ربعی آباد تھا، عریان کا ذکر علی بن محمد نے اپنے اشعار میں بھی کیا ہے، علی بن محمد اپنا انتساب ابو طالب کی طرف کرتا ہے، یہ زنج کا حاکم تھا، بصرہ میں اس کی تحریک کا آغاز ہوا، وہاں جانے سے پہلے جب یہ بحرین کے تمیم، کلاب، نمیر، اور دوسرے قبائل میں اپنی تحریک کی اشاعت کر رہا تھا تو عریان نے قبائل عبدالقیس بنی عامر بن صعصعہ، محارب بن خصفہ بن قیس بن عیلان وغیرہم کے ساتھ پے در پے حملے کر کے بحرین اور اُس کے نواح سے اس کو نکال دیا، اور اُس کے ساتھ کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا۔

جس وقت علی بن محمد کی نظر صمان میں ایک مشہور پرندہ پہ پڑی اس نے چند اشعار پڑھے جن میں سے پہلا شعر یہ ہے:-

ایا طائر الصمان مالک مفرداً	تاسیت بی ام عاق الفک عائق
اے طائر صمان تو اکیلا کیوں ہے؟	میری طرح تونے تنہائی اختیار کی ہے یا تیرے محبوب کی راہ میں کوئی مانع حائل ہے؟

اس نظم کے اور چند اشعار حسب ذیل ہیں :۔

عدِمتُ عتاق الخیل ان لم اُذرِبها

مجھے عمدہ گھوڑے سواری ہونے کیلئے نہ ملیں اگر میں ان کے ذریعہ

علیھا الکماۃ الں اعون البطارِقُ

ایسے بہادر و مسلح و زرہ پوش سرداروں سے ملوں جو خود بھی شہسوار ہوں

علیھا رجالٌ من تمیم و قصرھا

اور ان گھوڑوں پر تمیم کے جواں مردوں اور ان کے عالی رتبہ

کُلَیبُ بن یربوع الکرام المصادق

کلیب بن یربوع کے محترم اور راست باز لوگ

وحتوتھا سعد و فی جنبا تھا

اور ان سے سخت تر قبیلۂ سعد کے لوگ، اور ان کے پہلوؤں میں

نُمَیرُ و بنیضُ من کلاب عوارِقُ

قبائل نمیر کے شرفا جن کا سلسلۂ نسب کلاب سے ملتا ہے

وان لم اُصبح عامراً و محاربًا

اگر میں قبائل عامر اور محارب پر علی الصباح حملہ کر کے

بخُطّۃِ خسفٍ او یَعقِنی العوائق

ان کو ذلیل نہ کر سکوں تا آں کہ موانع پیش آئیں تب بھی مجھے سواری نصیب ہو

اَیَحسِبنِیَ العُریانُ انسی فوارسی

کیا عریان کا میری بابت خیال ہے کہ میں اپنے شہسواروں کو بھول جاؤں گا

غداۃ نزال الرُّوم والموت عائق

جس روز کہ روم کی لڑائی جاری تھی اور موت سامنے حائل تھی

ایک اور شعر پڑھا جس میں قبیلۂ عبدالقیس کا ذکر کرتا ہے :۔

اَتحسِبُ عبد القیس انی نسیتُھا

کیا قبیلۂ عبدالقیس سمجھتا ہے کہ میں اُسے بھول گیا ہوں

ولستُ بناسیھا ولا تارکًا نیلی

میں نہ اس کو بھول سکتا ہوں اور نہ اُس کی عداوت چھوڑ سکتا ہوں

ساتواں شہر ہجر ہے، بحرین کا یہ سب سے بڑا شہر ہے یہاں عیاش محاربی کا قبیلہ آباد تھا، جو اپنی شوکت اور ساز و سامان کی فراوانی میں مشہور تھا، معتضد نے ابوسعید عباس بن عمر غنوی کو ابوسعید کے مقابلہ پر بصرہ سے سنجہ بھیجا، لوگ اس مقام کو اقان کہتے تھے، یہ پانی لینے کی منزل تھی، اور یہاں بکثرت کھجوروں کے درخت تھے۔

عباس کا ارادہ تھا کہ مقام اعیاء سے جو پانی لینے کی ایک منزل تھی کوچ کر کے وہاں جلد پہنچے، مگر ابوسعید بڑھتا ہوا پیشتر وہاں جا پہنچا۔

سنجہ کا طول، میل ہے، وہ بصرہ سے، روز کی مسافت پر ہے اور ساحل دریا پر ایک شہر قطیف ہے اس سے وہ دو روز کے راستہ پر ہے، قطیف سے دریا ایک میل پر واقع ہے سنجہ کا ایک ساحلی شہر ہے جو عُنک کہلاتا ہے، عنک کے متعلق راجز کا ایک شعر ہے۔

طعن غلام لم یحنک بالسمک ولم یعلل بخیا شیم عُنک

جب عباس سنجہ کی نصف مسافت طے کر چکا، ابوسعید نے آدمیوں کو بھیج کر جس قدر پانی کے خزانے عباس کے پیچھے گزر چکے تھے اُن کو مٹی ڈال کر بھروا دیا، پانی کے یہ مقامات سنجہ کے بلند حصہ میں تھے اور راستہ نہایت تنگ تھا۔

ابوسعید کے پاس قبائل کلاب، عقیل، اور بحرین کے سات سو سوار اور پیدل جمعیت تھی، اور عباس کی فوج میں سات ہزار آدمی تھے جن میں بصرہ، ضبہ، اور بحرین کے مہاجرین رضاکارانہ داخل ہو گئے تھے، ان کے علاوہ اور لوگ بھی تھے، تاہم عباس گرفتار ہو گیا، اور اُس کے ساتھ کے بہت سے آدمی کام آئے، اور بجز شرید کے کوئی اپنی جان نہ بچا سکا، یہ واقعہ رجب ۲۸۶ھ کا ہے۔

ابوسعید نے پے در پے فوج کے دستے صُحار روانہ کئے، یہ عمان کا ایک قصبہ ہے اس قصبہ میں وہ فاتحانہ داخل ہوا، بحرین اور عمان کے درمیان ریگستانی علاقہ ہے جو دس دنوں میں طے ہوتا ہے اس کے بعض مقامات میں پانی کھاری ملتا ہے۔

اس نے فوج کا دوسرا دستہ بلاد فلج کی طرف بھیجا، اسکی مسافت یمامہ سے تین دن کی ہے، تیسرا دستہ یبرین روانہ کیا، اس کی مسافت بھی یمامہ سے اسی قدر ہے، یہ شہر سب سے زیادہ خوش گوار اور بہت آباد تھا، یہاں عمارتیں بکثرت تھیں، نخلستان اور اشجار کی بہتات تھی، فوجی دستہ نے اس شہر کے باشندوں کو بے نام و نشان کر کے چھوڑا، اب اس شہر میں ایک بھی باقی نہیں رہا۔ یبرین کے متعلق جریر کا ایک شعر ہے:-

فقلت للرّکب اذ جدّ المسیر بنا

سوار جب ہمیں تیز لے چلے تو اُن سے کہا

یا بعد یبرین من باب الفرادیس

افسوس کجا یبرین، اور کہاں باب الفرادیس

ابو سعید کے قتل کا واقعہ یہ ہے کہ جب وہ عمّان سے دریائی راستہ سے ہو کر بدر محلی کے مقابلہ کے لئے آیا، تو اُس نے دو صقلبی خادموں کو گرفتار کر کے اپنی خدمت خاص میں رکھا، ان خادموں نے ذی القعدہ ۳۰۱ھ میں جب وہ حمام میں تھا اُس کو قتل کر ڈالا، اور اُس کے چند خاص قطیفی رفقاء کو بھی ہلاک کر دیا، جن کے نام یہ ہیں:- سنبر کے بیٹے حمدان اور علی، نصیر کے بیٹے بشر اور ابو جعفر (یہ دونوں ابو سعید معروف بہ ابن جنان کے بیٹوں کے ماموں تھے) اور محمد بن اسحاق۔

قطیف میں ابو سعید کے آغاز دعوت سے لے کر بحرین کے تمام شہر اور آخر میں ہجر کے فتح ہو جانے اور اس کے مقتول ہونے تک کل مدت ۲۷ سال ہوتی ہے۔

ہم نے کتاب "خزائن الدین و سر العالمین" میں ارباب مذہب ورؤساء ملت کا تذکرہ کیا ہے اور اُن کے خیالات اور مذاہب ظاہر کیے ہیں، اس ضمن میں اُن لوگوں کے خیالات بھی لکھ دیئے ہیں جنھوں نے اس گروہ کی مخالفت اور تردید کی تھی، یا اُنھوں نے اُس کے اقوال نقل کئے تھے۔

۲۶۰ھ میں جب اصبہان میں اُس کی دعوت کا آغاز ہوا، اور اس دعوت کی جو غرض و غایت تھی اُس کو ظاہر کرتے ہوئے ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ لوگ شریعت کے ظاہر حصہ کو تسلیم کرتے ہیں مگر معانی میں تاویل کے قائل ہیں، جب وہ کسی کو دعوت دیتے ہیں تو بوقت عہد سخت ہدایتیں کرتے ہیں کہ کتاب اللہ کی جو تاویلیں بیان کی جائیں اُن کو پوشیدہ رکھنا ہوگا، اور بعض لوگ بوقت عہد اپنے پیرووں سے کہتے ہیں کہ ہم جو کچھ کتاب اللہ کی تاویل، اور تاویل کی تاویلیں بیان کرتے ہیں اُن کو چھپانا ہوگا۔

وہ جن حدود اور مراتب تک ان چیزوں کی تبلیغ کرتے ہیں اپنی اصطلاح میں اس کو "ملاغ" کہتے ہیں علاوہ اس کے دعوت میں اسرار و رموز اور سیاسی اغراض اور تحریکات مضمر ہیں۔

اسلامی فرقوں میں معتزلہ، شیعہ، مرجیہ، خوارج اور ثابتہ کے حالات اوپر گزر چکے ہیں - ان فرقوں کے متکلمین نے مسائل مذکورہ اور مخالفین کی تردید میں متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں، اُن مصنفین کے نام یہ ہیں:-

یمان بن رباب خارجی۔ زرقان غلام ابراہیم بن سیّار النظام، محمد بن شبیب صاحب النظام،

عبّاد بن سلمان صیمری صاحب ہشام بن عمرو فوطی صاحب ابی الہذیل محمد بن الہذیل عبدی علاّف بصری، محمد بن عیسیٰ بن غوث صاحب حسین بن محمد بخار، ابو عیسیٰ محمد بن ہارون وراق، احمد بن حسن بن سہل مصمعی معروف بہ ابن اخی زرقان۔

جن لوگوں کو ہم نے دیکھا ہے اُن کے نام یہ ہیں:۔ ابو علی محمد بن عبدالوہاب جبائی، (ان کی ایک کتاب ہے جس میں مختلف مسائل بیان کئے ہیں۔ قائلین تناسخ، فرقہ خرمیہ، اور دوسرے باطنی فرقوں کی تردید کی ہے) ابوالقاسم بلخی، ابوالعباس عبداللہ بن محمد ناشی، حسن بن موسیٰ نوبختی (کتاب الآراء والدیانات، اور دوسری کتابوں میں غلاۃ اور باطنیہ کی تردید کی ہے، اور مختلف مسائل بیان کئے ہیں) ابو محمد عبداللہ بن محمد خالدی، ابوالحسن بن ابی بشر اشعری بصری کلابی، ان کے علاوہ جو لوگ ہیں ان میں سے کسی نے اس گروہ کے مذاہب کو بیان نہیں کیا ہے۔

جن لوگوں نے اُس کے مذہب کی تمام باتیں بیان کی ہیں اور اُن کی تردید کی ہے اُن کے نام یہ ہیں، قدامہ بن یزید نعمانی، ابن عبدک جرجانی۔ ابن الحسن بن زکریا جرجانی، ابو عبداللہ محمد بن علی بن زرام طائی کوفی، ابی جعفر کلابی۔

بخلاف اس کے دوسرے لوگ اس قسم کی باتیں بیان کرنا نہیں چاہتے ہیں بلکہ جو واقعات ہم بیان کر چکے ہیں ان کے منکر ہیں اور اعتراف سے گریز کرتے ہیں۔

محمد بن علی شلمغانی کاتب معروف بہ ابن ابی عزاقر کے قتل کا واقعہ روز سہ شنبہ یکم ذی القعدہ ۳۲۲ھ کو پیش آیا، اُس کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ سر تن سے جُدا کیا گیا، اور مجلس شرطی کے روبرو دعزبی جانب اس کی لاش جلائی گئی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس شخص نے نئی نئی باتیں ایجاد کی تھیں، اور ایسے اقوال بیان کئے تھے جن کے ماننے والے بکثرت ہو گئے تھے، اُس کے پیروؤں میں ایک شخص ابن ابی عون جو ابن نجم کاتب کے نام سے مشہور تھا وہ بھی اسی طرح اُس کے ساتھ قتل کیا گیا۔

شلمغانی نے رسالۂ مذہبہ، کتاب الوصیہ، کتاب الغیبہ، کتاب التسلیم، اور دوسری کتابوں میں اپنے اقوال اور اپنی بابت جو کچھ لکھا ہے اُن کو ہم نے "کتاب المقالات فی اصول الدیانات" میں مذاہب شیعہ اور غلاۃ شیعہ کے ذکر کے سلسلہ میں بیان کیا ہے۔

متقی باللہ

ابو اسحاق کنیت، متقی باللہ لقب، اور ابراہیم بن مقتدر نام تھا۔ اس کی ماں ام ولد تھی اور خلوب نام تھا، روز پنجشنبہ ۲۱۔ ربیع الاول ۳۲۹ھ میں اس کی بیعت لی گئی، اور روز شنبہ ۲۔ صفر ۳۳۳ھ میں وہ معزول ہوا، اور اس کی آنکھیں نکالی گئیں، اس وقت اس کی عمر تیس سال اور چند ماہ کی تھی، تین سال دس ماہ اور بیس روز تک تخت خلافت پر متمکن رہا۔ حلیہ یہ تھا، رنگ گورا اور نکھرا ہوا، آنکھیں کنجی، اور بال بھورے تھے، وہ اس وقت تک (۳۴۵ھ) زندہ ہے، اور لوگوں کی خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باعزت زندگی بسر کر رہا ہے۔

اس نے وزارت کے منصب پر حسب ذیل لوگوں کو بہ ترتیب مقرر کیا، سلیمان بن حسن بن مخلد، ابوالحسن احمد بن محمد بن میمون، ابو جعفر محمد بن قاسم کرخی، پھر ابوالحسن علی بن عیسیٰ بن داؤد بن الجراح نے امور سلطنت انجام دیئے اور اس کے بھائی عبدالرحمٰن بن عیسیٰ کی طرف سے میسم نے وزارت کی خدمات انجام دیں، بقیہ وزرا کے نام یہ ہیں:۔ ابو اسحاق محمد بن احمد قراریطی، ابوالعباس احمد بن عبداللہ اصبہانی، ابوالحسین علی بن محمد بن علی بن مقلہ۔ اس کی انگشتری میں المتقی باللہ کندہ تھا۔

منصب قضا پر خرقی کو اور حجابت کے عہدہ پر سلامہ، موتمن مولی معروف بہ اخی نجح، بدر خرشنی اور احمد بن خاقان کو بہ ترتیب مقرر کیا۔

اس کے عہد میں سب سے اہم حادثہ جس کی کوئی مثال بنو عباس کے کسی خلیفہ کے عہد میں نہیں ملتی ہے، یہ تھا کہ ابوالحسن بریدی افواج لے کر براہ خشکی و دریا ۲۱۔ جمادی الآخر روز شنبہ ۳۳۰ھ میں مدینۃ السلام میں داخل ہوا، متقی اور اس کے ہمراہ محمد بن رائق نے پایۂ تخت سے بھاگ کر موصل کی راہ لی، خاص دارالخلافہ اور امراء کے مکانات تاخت و تاراج کئے گئے اور حرم شاہی کی ناموس ریزی کی گئی، ان سخت ہنگامہ آرائیوں میں تقریباً دس ہزار یا اس سے زیادہ آدمی قتل ہوئے، اور دریا میں ڈبوئے گئے۔

مستکفی باللہ

ابو القاسم کنیت، مستکفی باللہ لقب، اور عبد اللہ بن علی مکتفی نام تھا، اس کی ماں اُمّ ولد رومیہ تھی اور غصن نام تھا۔

قریہ سندیہ کے مقابل ایک مقام بشق نہر عیسیٰ کے کنارے پر واقع ہے، یہاں جس وقت متقی کی آنکھیں نکالی جا رہی تھیں اس کی بیعت لی گئی اور روز پنجشنبہ ۲۲-جمادی الآخر ۳۳۴ھ میں وہ معزول ہوا اور اُس کی بھی آنکھیں نکالی گئیں، اس وقت اس کی عمر ۴۸ یا ۴۳ سال اور چند ماہ کی تھی، اُس نے ایک سال دو ماہ اور ۲۰ روز تک حکومت کی، اس کا رنگ گورا تھا، چہرہ خوبصورت اور تنگ دہن تھا، اس پر بڑھاپے کے آثار ہویدا تھے، اس کے عہد میں امور سلطنت کا نظم و نسق ابو جعفر محمد بن شیر زاد کاتب توزون ترکی کے ہاتھ میں تھا، ابو الفرج احمد بن محمد سامری نے، ۴۰ روز تک وزارت کی خدمت انجام دی، پھر وہ معزول کیا گیا، یہ آخری شخص ہے جسے ہمارے وقت تک بنو عباس کے دور میں وزارت کا منصب عطا کیا گیا تھا، بعد کو شیرازی ابو احمد فضل بن عبد الرحمٰن کے نام سے مراسلات جاری ہونے لگے اور سب سے آخر میں ابن شیر زاد ملکی معاملات میں دخیل ہو کر نظم و نسق کرنے لگا اس کی انگشتری میں "المستکفی باللہ" کندہ تھا۔

قضاء کے عہدہ پر ابن ابی شوارب اور ابن ابی موسیٰ ہاشمی مقرر کئے گئے اور حجابت کے عہدہ پر احمد بن خاقان مفلحی متعین کیا گیا۔

مطیع اللہ

ابو القاسم کنیت، مطیع لقب اور فضل بن جعفر مقتدر باللہ نام تھا، اس کی ماں ام ولد تھی، صقلب کی باشندہ اور مشعلہ نام تھا، روز پنجشنبہ ۲۲- جمادی الآخر ۳۳۴ھ میں اس کی بیعت لی گئی۔

اس کی خلافت کو پانچ سال گزرے تھے کہ ذی الحجہ ۳۳۹ھ میں حجر اسود واپس لاکر بیت الحرام میں اصلی جگہ پر نصب کیا گیا، اس کتاب میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ مقتدر کے عہد خلافت ۳۱۷ھ میں حجر اسود کھود کر نکال لیا گیا تھا، اور کتاب مروج الذہب و معادن الجواہر میں حجر اسود کی تاریخ بایّام جاہلیت لکھی ہے کیونکہ قبائل جرہم، آیاد، عمالق اور خزاعہ میں اس کی گردش ہوا کی، اور کتنی دفعہ اپنی جگہ سے وہ ہٹایا گیا اور پھر واپس لاکر رکھا گیا، نیز مکہ اور بیت الحرام کے حالات پر روشنی ڈالی ہے۔

مطیع کے معاملات اور دربار کے نظم و نسق کی نگرانی اب تک احمد بن بویہ دیلمی معروف بہ معز الدولہ اور اس کے کاتب کے ہاتھ میں ہے۔

ہمارے زمانہ ۳۴۵ھ میں خلافت اور وزارت کے اکثر دستور مٹ چکے ہیں، مدت سے ہم عراق سے باہر اور سرزمین مصر و شام میں رہا کرتے ہیں، اس لئے ان لوگوں کی خبریں اور ان کے حالات جس طرح ہم تک پہنچتے ہیں اسی طرح لکھے جاتے ہیں۔

(ابو الحسن علی بن حسین بن علی مسعودی) کہتے ہیں ہم نے متقی، مستکفی، اور مطیع کے اخلاق اور سیاست کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ دوسروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلیاں بنے ہوئے تھے، اور ان کا کوئی حکم مانا نہیں جاتا تھا۔

ان خلفا کے زمانہ حکومت میں سلطنت کے متعدد شہر نکل کر چیرہ دستوں کے قبضے میں آگئے ہیں، اور ان لوگوں کو مال اور آدمیوں کی فراوانی سے فتح مندی کے اظہار کا موقع مل گیا ہے۔

خلفا کے لئے اب صرف دعا اور مراسلات میں "امیر المومنین" کا لقب رہ گیا ہے، خاص دربار کی حالت یہ ہے کہ امور سلطنت کے انجام دینے میں مطلق العنان ہیں، خلفا بھی مغلوب اور خوفزدہ رہا کرتے ہیں بلکہ وہ صرف اپنی جانوں کی سلامتی پر خوش اور خلیفہ کے لقب پر قانع ہیں اور عام لوگوں کی حالت بجنسہٖ ایسی ہے جیسی سکندر بن فیلبس نے شاہ داریوش یعنی دارا ابن دارا شاہ بابل کو قتل کر کے طوائف الملوکی کے زمانے میں لوگوں کی حالت کردی تھی، اور یہ حالت اردشیر بن بابک شاہ کے ظہور تک قائم تھی۔

جس علاقہ پر جو غالب آیا اس کی حفاظت اور حمایت خود کرنے لگا، اور ہل من مزید کی طلب پر ہمیشہ مصر رہا۔ غرض آبادیاں کم ہوگئیں، راستے منقطع ہوگئے، شہر کے شہر اُجڑ گئے، اکثر حصے حکومت سے جدا ہوگئے، اور اسلامی سرحدوں اور شہروں پر رومی) ور دوسرے ملک کے لوگ غالب آگئے ہیں۔

اس کتاب میں جس قدر واقعات اور حالات لکھے گئے ہیں، اور ایام ماضی کے فتنے، حادثے، شرق و غرب، شمال وجنوب کی رودادیں، اور جس قدر محاربات اور ہنگامے ہوئے تھے اُن کو شرح وبسط، اور وضوح کے ساتھ "کتاب اخبار الزمان ومن اباده الحدثان" میں ہم نے بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں گزشتہ اقوام، قدیم نسلیں، اور پرانے ممالک کا تذکرہ ہے، اور بعد کی جن تصانیف میں مذکورہ بالا باتیں بیان کی گئی ہیں اُن کے نام یہ ہیں :-

کتاب الاوسط، مروج الذہب ومعادن الجواہر، فنون المعارف ماجری فی الدہور السوالف، ذخائر العلوم، ماجری فی سالف الدہور، نظم الجواہر فی تدبیر الممالک والعساکر، کتاب الاستذکار لما جری فی سالف الآثار۔

یہ کتاب ان تصانیف کے بعد لکھی گئی ہے، اور مذکورہ بالا تصانیف سے اخذ کی گئی ہے، ان کے علاوہ ہماری اور کتابیں ہیں، اس کتاب میں ہم نے پہلی تصانیف کا خلاصہ لکھا ہے، تاکہ ان تصانیف کی یہ یادگار ثابت ہو، اور اس کتاب کے ذریعہ لوگ ہماری دوسری تصانیف پر مطلع ہوں۔

۳۴۴ھ میں اس کتاب کی تکمیل سے پہلے اس کا ایک حصہ ہمارے قلم سے نکل چکا تھا، مگر بعد کو اس میں ہم نے نہایت مفید باتوں کا اضافہ کر دیا ہے، اس لئے بجائے پہلے نسخہ کے یہی نسخہ اب قابل اعتماد ہے۔

علی بن حسین مسعودی نے فسطاط مصر میں بزمانۂ خلافت مطیع وبزمانۂ قسطنطین بن لاون بن بسیل بادشاہ روم ۳۴۵ھ مطابق ۱۷۰۳ھ بخت نصر ومطابق ۱۲۶۹ھ سکندر بن فیلب رومی ومطابق ۳۰۳ھ اردشیر بن بابک مطابق ۳۲۴ھ یزدجرد بن شہریار بن کسریٰ ابرویز آخری شاہ فارس اس کتاب کی تالیف سے فراغت پائی۔

بحمد اللہ خداوند کارساز کے لطف واحسان سے یہ کتاب التنبیہ والاشراف تمام ہوئی۔
ستائش ونیایش اُسی ایک ذات کے لئے ہے۔

باہتمام حاجی محمد ذکی ایجوکیشنل پریس کراچی میں طبع ہوئی



نقشہ سلطنت اسلامیہ
خلافت عباسیہ
(بعہد مسعودی ۳۳۹ھ ۹۵۰ء)